شہدائے کربلا

مَن یَنصُرُنی

مصنف

سید العلما الحاج

علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

250

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہدائے کربلا

مصنّف

سیّد العلما الحاج

علّامہ سیّد علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہٗ

maablib.org

ناشر

اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	شہدائے کربلا
مصنف	سید العلماء الحاج علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہٗ
کمپوزنگ	قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس۔ کراچی 0345-2401125
تعداد	500
ناشر	اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ۔ کراچی

ملنے کا پتا:

رحمت اللہ بک ایجنسی

کاغذی بازار بالمقابل بڑا امام بارگاہ میٹھادر کراچی ۷۴۰۰۰

فون نمبر 32431577، 32440803

موبائل: 0332-3670828,0314-2056416

فہرست کتاب

عنوان	صفحہ نمبر
اصحاب وانصار امامؑ میں کربلا کا سب سے پہلا شہید	
اوائل جنگ کے شہدا	
1۔ مسلم بن عوسجہ الاسدیؓ	16
نام ونسب اور کنیت	16
اوصاف وخصوصیات	16
حضرت مسلم بن عقیلؑ کی حمایت	17
امامؑ کا خطبہ اور اس کا جواب	19
شمر کی گستاخی پر مسلم بن عوسجہ کا غصہ	20
شہادت	21
2۔ عبداللہ بن عمیر الکلبیؓ	24
نام ونسب	24
سکونت	24
اوصاف وخصوصیات	25
حلیہ	25
عزم نصرت	25
جہاد میں سبقت	26
شہادت	29
اُلفت ووفا کی بے مثال قربانی	29
وہب کی مشہور روایت اور اُس کے اصلی ماخذ کا پتا	30
3۔ منجح بن سہمؓ	44
4۔ عمرو بن خالدؓ	45
نام ونسب	45
ابتدائی واقعات	45
کارزار وشہادت	46
5۔ سعد مولیٰ عمرو بن خالدؓ	47
6۔ مجمع بن عبداللہؓ	48
نام ونسب	48
خصوصیات	48
امامؑ سے ملاقات	49
شہادت	49

عنوان	صفحہ نمبر
7۔ عائذ بن مجمعؓ	50
8۔ جنادۃ بن حارث سلمانیؓ	50
9۔ جندب بن حجیر کندی خولانیؓ	52
حملۂ اولیٰ کے شہدا	
10۔ ادہم بن امیہ عبدی بصریؓ	53
11۔ امیہ بن سعد بن زید طائیؓ	53
12۔ جابر بن حجاج تیمیؓ	54
13۔ جبلہ بن علی شیبانیؓ	54
14۔ جنادۃ بن کعب بن حارث انصاری خزرجیؓ	55
15۔ جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمیؓ	55
16۔ حارث بن امرأ القیس بن عابس کندیؓ	56
17۔ حارث بن نبہانؓ	57
18۔ حباب بن حارثؓ	57
19۔ حباب بن عامر بن کعب تیمیؓ	57
20۔ حبشۃ بن قیس النہمیؓ	58
21۔ حجاج بن زید سعدی تمیمیؓ	58
22۔ حلاس بن عمرو ازدی راسبیؓ	59
23۔ حنظلۃ بن عمر شیبانیؓ	60
24۔ زاہر بن عمرو اسلمی کندی	60
25۔ زہیر بن بشر خثعمیؓ	60
26۔ زہیر بن سلیم بن عمرو ازدیؓ	61
27۔ سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدیؓ	62
28۔ سلیمؓ	62
29۔ سوار بن ابی عمیر نہمیؓ	62
30۔ سیف بن مالک عبدیؓ	63
31۔ شبیب بن عبداللہؓ	64
32۔ شبیب بن عبداللہ نہشلیؓ	65
33۔ ضرغامۃ بن مالک تغلبیؓ	65
34۔ عامر بن مسلم عبدی بصری	66
35۔ عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنیؓ	66
36۔ عبدالرحمٰن بن عبد رب انصاری خزرجیؓ	67
37۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبیؓ	68
38۔ عبدالرحمٰن بن مسعودؓ	68

عنوان	صفحہ نمبر
39۔ عبداللہ بن بشر خثعمیؓ	69
40۔ عبداللہ بن یزید بن شبیط قیسیؓ	69
41۔ عبیداللہ بن یزید بن شبیط قیسیؓ	70
42۔ عقبہ بن صلت جہنیؓ	70
43۔ عمار بن ابی سلامہ دالانیؓ	70
44۔ عمار بن حسان طائیؓ	70
45۔ عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمیؓ	71
46۔ عمران بن کعب بن حارث اشجعیؓ	72
47۔ قاربؓ مولی الحسینؓ	72
48۔ قاسط بن زہیر بن حارث تغلبیؓ	73
49۔ قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدیؓ	73
50۔ کردوس بن زہیر بن حارث تغلبیؓ	74
51۔ کنانہ بن عتیق تغلبیؓ	74
52۔ مجمع بن زیاد بن عمرو جہنیؓ	75
53۔ مسعود بن حجاج تیمیؓ	75
54۔ مسلم بن کثیر اعرجؓ	76
55۔ مقسط بن زہیر بن حارث تغلبیؓ	77

عنوان	صفحہ نمبر
56۔ منیع بن زیادؓ	77
57۔ نصر بن ابی نیزرؓ	77
58۔ نعمان بن عمرو ازدی راسبیؓ	78
59۔ نعیم بن عجلان انصاریؓ	78
حملۂ اولیٰ کے بعد اور نمازِ ظہر سے قبل کے شہدا	
60۔ بکر بن حی بن تیم اللات بن ثعلبہ تیمیؓ	79
61۔ عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجیؓ	80
62۔ یزید بن حصین مشرقیؓ	81
63۔ حبیب ابن مظاہر اسدیؓ	82
نام و نسب	82
طبقہ	83
والد کے نام کی تحقیق	83
اوصاف و خصوصیات	87
کوفہ کا پہلا خط	88
جلسے میں تقریر	89
دشمن کو نصیحت	90

عنوان	صفحہ نمبر
فوج مخالف سے گفتگو	91
شمر کی گستاخی کا جواب	92
بنی اسد سے امداد	92
سرداری کا منصب	93
سبقت الی الجہاد پر آمادگی	93
مسلم بن عوسجہؓ سے گفتگو	94
نماز ظہر کا ہنگام اور حصین کی جسارت	94
جنگ اور شہادت	95
امامؑ پر اثر	96
نوعمر فرزند کا جذبۂ محبت	97
64۔ حُر بن یزید ریاحیؒ	98
نام ونسب	98
خاندانی خصوصیات	99
ذاتی عزت	99
امامؑ سے پہلی ملاقات	99
نماز جماعت	100
امامؑ کی دوسری تقریر اور حُر کا جواب	101
مخالفانہ اقدام اور ادب شناسی	102
راستے کی گفتگو	103
ایک اور واقعہ	104
ابن زیاد کا خط	105
کربلا پہنچنے کے بعد	107
عاشور کی صبح	108
عمر سعد سے گفتگو	111
فوجِ مخالف سے علیحدگی	112
عفوِ گناہ	113
حُر کی پر جوش تقریر	115
اذن جہاد	116
رجز	117
حملہ اور جنگ	117
جنگ مغلوبہ میں شرکت	118
آخری جنگ اور شہادت	119
امامؑ کی قدر افزائی	120
امامؑ کا سلام	121
نماز ظہر کے بعد کے شہدا	
65۔ سعید بن عبداللہ حنفیؒ	122

عنوان	صفحہ نمبر
نمائندگی	122
جلسے میں تقریر	123
اس کے بعد کے حالات	124
امامؑ کا خطبہ اور اُس کا جواب	124
نمازِ ظہر	125
بے مثال جانبازی اور شہادت	126
66۔ زُہیر بن القین بن قیس البجلیؒ	127
ابتدائی حالات	127
حج سے واپسی	127
امامؑ سے ملاقات	128
امامؑ کا خطبہ اور زہیرؒ کا پُرخلوص جواب	129
حُر کی مزاحمت پر زہیرؒ کا غصہ	131
فوجِ مخالف سے گفتگو	132
شبِ عاشور امامؑ کے خطبے کا جواب	133
سرداری کا منصب	133
جنگ کے میدان میں موعظہ	134
شہسواری اور شہرت	136
کارنامۂ شجاعت	137
حُر کی امداد	137
ظہر کی نماز	138
آخری جنگ اور شہادت	138
67۔ سلمان بن مضارب بن قیس البجلی	139
68۔ عمرو بن قرظہ بن کعب الانصاریؒ	139
نام ونسب	139
ابتدائی حالات	140
جاں نثاری	140
69۔ نافع بن ہلال جملیؒ	141
نام ونسب اور قبیلہ	141
خصوصیات	143
ابتدائی واقعات	143
امامؑ کے خطبہ کا جواب	144
نہر پر جنگ	145
امامؑ پر حملے کی مدافعت	146
مقابلہ	147
تیراندازی	147
گرفتاری اور شہادت	147
70۔ بُریر بن خضیر ہمدانی	151
اوصاف وخصوصیات	151

عنوان	صفحہ نمبر
ابتدائی حالات	151
امام کا خطبہ اور اس کا جواب	152
دشمن کی جسارت اور بریرؓ کی گفتگو	152
ذوق شہادت	154
جہاد میں سبقت	154
مباہلہ اور جنگ	155
شہادت	156
انجام ستم	157
71۔ شوذب بن عبداللہؓ	159
72۔ عابس بن ابی شبیب شاکریؓ	160
نام ونسب	160
اوصاف	161
جلسے میں تقریر	162
کوفہ سے روانگی	163
جذبۂ قربانی	163
امامؑ سے رخصت	164
بے مثال جنگ	164
شہادت	165

عنوان	صفحہ نمبر
73۔ عبداللہ بن عروہ بن حراق الغفاریؓ	165
74۔ عبدالرحمٰن بن عروہ بن حراق الغفاریؓ	168
75۔ حنظلہ بن اسعد شبامیؓ	168
نام ونسب	168
اوصاف	169
تقریر	169
اذن جہاد	170
شہادت	170
76۔ سیف بن حارث بن سریع بن جابر ہمدانیؒ	170
77۔ مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانیؒ	171
78۔ ابوثمامہ صائدیؓ	172
نام ونسب	172
اوصاف	172
مسلم بن عقیلؑ کی مدد	173
خدمت امامؑ میں حضوری	173

عنوان	صفحہ نمبر
وفاداری	173
نماز ظہر	175
شہادت	175
79۔ جونؓ (غلام ابوذر غفاریؓ)	177
نام ونسب	177
ابتدائی حالات	178
طلب رخصت اور امامؑ سے گفتگو	178
جنگ اور شہادت	179
امامؑ کی دعا	179
80۔ غلام ترکیؓ	180
نام	180
جنگ اور شہادت	183
81۔ انس بن حارث اسدیؓ	184
نام ونسب	184
صحابیت	185
خبر شہادت	186
شہادت	186
82۔ حجاج بن مسروق جعفیؓ	188

عنوان	صفحہ نمبر
83۔ زیاد بن عریب ہمدانیؓ	189
84۔ سالم بن عمرو بن عبداللہ مولیٰ بنی	
المدینۃ الکلبیؓ	190
85۔ سعد بن حارثؓ مولیٰ امیرالمومنینؑ	191
86۔ عمر بن جندب حضرمیؓ	192
87۔ قعنب بن عمرو النمریؓ	192
88۔ یزید بن ثبیط العبدیؓ	193
89۔ یزید بن زیاد بن مہاصر ابوالشعثاء	
کندی بہدلیؓ	194
90۔ یزید بن مغفل جعفی کوفیؓ	197
91۔ رافع بن عبداللہ مولیٰ مسلم الازدیؓ	198
92۔ بشر بن عمرو بن الاحدوث	
الحضرمی الکندیؓ	199
93۔ سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمیؓ	200
بعض دوسرے شہداء کے نام جو مختلف کتابوں	
میں درج ہیں۔	
1۔ ابراہیم بن الحصین الاسدیؓ	202
2۔ ابوالحتوف الانصاریؓ	203

عنوان	صفحہ نمبر
3۔ابو عمرو نہشلیؓ	204
4۔احمد بن محمد الہاشمیؓ	204
5۔انیس بن معقل اصبحیؓ	204
6۔خالد بن عمرو بن خالد ازدیؓ	205
7۔سعد بن حارث الانصاریؓ	205
8۔سعید بن حنظلہ تمیمیؓ	205
9۔شعیب بن جراد الکلابی الوحیدیؓ	205
10۔طرماح بن عدیؓ	206
11۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنیؓ	207
12۔علی بن مظاہر اسدیؓ	207
13۔عمرو بن مطاع جعفیؓ	208
14۔عمیر بن عبداللہ مذحجیؓ	208
15۔قرۃ بن ابی قرۃ الغفاریؓ	208
16۔مالک بن اوس مالکیؓ	208
17۔مالک بن دودانؓ	209
18۔محمد بن مطاعؓ	209
19۔معلٰی بن المعلیٰؓ	209
20۔یحییٰ بن سلیم مازنیؓ	209
21۔یحییٰ بن کثیر انصاریؓ	210
22۔یحییٰ بن ہانی بن عروہ مرادیؓ	210
اعزہ واقارب امامؑ میں کربلا کا سب سے پہلا شہید	
1۔حضرت علی اکبر علیہ السلام	212
نام ونسب اور لقب	212
ولادت	216
اوصاف	218
راستے کا ایک اہم واقعہ	223
امامؑ کا عطیہ	225
اذن جہاد	225
رجز خوانی اور جنگ	229
پیاس کی شدت اور طلب آب	231
شہادت	232
امامؑ کی حالت اور اہل حرم کا اضطراب	233
2۔عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ	236
3۔محمد بن مسلم بن عقیلؓ	238
4۔جعفر بن عقیل بن ابیطالبؑ	239

عنوان	صفحہ نمبر
5۔ عبدالرحمٰن بن عقیلؓ	240
6۔ عبداللہ بن عقیلؓ	241
7۔ موسیٰ بن عقیلؓ	242
8۔ عون بن عقیلؓ	243
9۔ علی بن عقیلؓ	243
10۔ جعفر بن محمد بن عقیلؓ	243
11۔ احمد بن محمد بن عقیلؓ	244
12۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالبؓ	246
13۔ عون بن عبداللہ بن جعفرؓ	251
14۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفرؓ	253
15۔ قاسم بن محمد بن جعفرؓ	254
16۔ عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلبؓ	255
17۔ عبداللہ بن الحسنؓ بن علی بن ابی طالبؓ	255
18۔ قاسم بن الحسنؓ	257
بین	258
امام حسنؓ کی وصیت	259
طلب رخصت	261
عقد	262
جنگ	264
شہادت	264
19۔ ابوبکر بن الحسنؓ	267
20۔ بشر بن الحسنؓ	269
21۔ احمد بن الحسنؓ	269
22۔ ابوبکر بن علیؓ	272
23۔ عمر بن علیؓ	275
24۔ عون بن علیؓ	278
25۔ ابراہیم بن علیؓ	279
26۔ محمد الاوسط ابن علیؓ	279
27۔ عبیداللہ بن علیؓ	281
28۔ عبداللہ بن علیؓ	282
29۔ عثمان بن علیؓ	285
30۔ جعفر بن علیؓ	287
31۔ ابوالفضل العباس بن علیؓ	287
ولادت	288
اوصاف	288

عنوان	صفحہ نمبر
ابتدائی حالات	289
بعض واقعات کی اصلیت	290
امان سے انکار	292
طلب مہلت	292
امامؑ کی تقریر کا جانبازانہ جواب	294
علمداری	294
اہل حرم کی تسلی	294
شجاعت کا بے نظیر مظاہرہ	295
میدان جہاد میں قربانی	296
رخصت جنگ اور جہاد	296
شہادت	297
ایک دوسری روایت	298
صاحب ناسخ کے انکشافات	299
اولاد	300
اُم البنینؑ کے تاثرات	301
مجاہدین کا خاتمہ	303
32۔ عبداللہ بن الحسینؑ	303
33۔ علی اصغرؑ	307
34۔ ابراہیم بن الحسینؑ	309
35۔ محمد بن الحسینؑ	310
36۔ حمزۃ بن الحسینؑ	310
37۔ جعفر بن الحسینؑ	310
38۔ عمر بن الحسینؑ	310
39۔ زید بن الحسینؑ	310
40۔ عبداللہ بن الحسنؑ	310
41۔ محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ	312
اختتامی تبصرہ	310
شہدائے اولاد امام حسینؑ	314
شہدائے اولاد امام حسنؑ	314
شہدائے اولاد امیر المومنینؑ	314
شہدائے اولاد جعفرؑ	314
شہدائے اولاد عقیلؑ	314

•••••••

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید الانبیآء والمرسلین وآلہ الطاہرین۔

تاریخ اسلام میں واقعۂ کربلا کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اس عظیم الشان واقعہ سے متعلق شہدائے کربلا کے حالات وخصوصیات زندگی معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ اسی بنا پر مجھ سے متعدد بار اس ضرورت کا اظہار کیا گیا کہ شہدائے کربلا کے حالات زندگی کے متعلق ایک مستقل تصنیف مرتب کی جائے۔

یہ کام بہت مشکل تھا اگر مجھے سہارا دینے کے لیے عربی زبان میں ایک اس طرح کی تصنیف کا نمونہ موجود نہ ہوتا۔

یہ کتاب "ابصار العین فی انصار الحسینؑ" ہے جو عراق کے ایک باخبر وسیع النظر فاضل آقائے شیخ محمد سماوی کی تصنیف ہے۔ اگرچہ میں نے اپنی عادت کے مطابق چھان بین کی ہے۔ اور اصل ماخذوں کی طرف رجوع کیا ہے۔ چنانچہ جو امر مجھے ماخذوں کے لحاظ سے غیر مستند معلوم ہوئے اُسے نظر انداز کر دیا ہے اور بہت سے امور اپنی ذاتی معلومات کے لحاظ سے درج کیے ہیں۔ لیکن بہرحال مجھ کو اس کتاب سے مدد ضرور ملی ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا اصول امانت ودیانت کے خلاف ہے اور ناسپاس گذاری کی حیثیت رکھتا ہے۔

عراق میں ایک دوسری کتاب بھی اس موضوع پر "ذخیرۃ الدارین" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ لیکن اس میں واقعات کے اخذ کرنے میں اور ماخذوں کے انتخاب میں اعتدال واحتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے نہ اس کے مصنف جو ایک حدیث خوان ذاکر ہیں کوئی ذمہ دارانہ

حیثیت ایسی نہیں رکھتے ہیں جو لحاظ واعتماد کے قابل ہو۔

میری ترتیب "ابصار العین" کی ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔ میں اس کو تاریخی اصول پر مرتب کرنا چاہتا ہوں یعنی واقعۂ کربلا میں جو پہلے شہید ہوئے ہیں ان کے حالات پہلے اور جو بعد میں شہید ہوئے ان کے حالات بعد میں، اسی لیے اس کتاب کے دو حصے قرار دیتا ہوں۔ پہلے حصے میں اصحاب اور انصار کا تذکرہ ہوگا جو بنی ہاشم کے علاوہ تھے اور دوسرے حصے میں اعزّہ و اقارب امامؑ کا تذکرہ ہوگا جو بنی ہاشم سے تھے۔ شہدائے کربلا کی ترتیب میرے اُن ذاتی خیالات کے ماتحت ہوگی جو میں نے "محاربۂ کربلا" میں اسنادِ تاریخی کی بنا پر قائم کیے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید علی نقی النقوی

maablib.org

اصحاب وانصار امامؑ میں

کربلا کا سب سے پہلا شہید

عام طور پر اس محل میں حر بن یزید ریاحی کا نام لیا جاتا ہے۔ مناقب ابن شہر آشوب کی ترتیب بھی اس کی مقتضی ہے اور ارباب مقاتل نے اکثر اسی کی پیروی کی ہے۔ سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ میں بخیال خود طبری کے تتبع میں حرؒ سے پہلے عبداللہ بن عمیر کلبیؒ کی شہادت درج کی ہے لیکن یہ دونوں خیال حقیقت سے دور ہیں۔

پہلی غلط فہمی کی بنیاد اور اُس کے خلاف حقیقت کی نقاب کشائی میں نے ''محاربہ کربلا'' میں تفصیل کے ساتھ کردی ہے۔۔ رہ گئی دوسری غلط فہمی اُس کی بنیاد صرف اس بات پر ہے کہ:

''طبری نے یسار اور سالم فوج یزیدی کے دو غلاموں کی مبارزطلبی اور عبداللہ بن عمیر کا اُن دونوں کو قتل کرنا واقعات جنگ میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے''۔

لیکن عبداللہ بن عمیرؒ اس موقع پر شہید نہیں ہوئے وہ اُن دونوں سپاہیوں کو قتل کر کے اپنی فوج میں واپس آ گئے تھے اور اس کے بعد شہید ہوئے ہیں جس کی تصریح طبری میں درج ہے اور ہم نے ''محاربہ کربلا'' میں بھی اسے نقل کیا ہے۔

ابن شہر آشوب نے عبداللہ بن عمیرؒ کو حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے۔ جو ظہر سے قبل ہوا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ صاحب ناسخ نے عبداللہ بن عمیرؒ کو مبارزطلبی کے سلسلے میں پہلا مقتول قرار دینے کے بعد پھر ترتیب شہدا کو صاحب مناقب کے تتبع میں حرؒ کے ساتھ قائم کیا ہے اور حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں عبداللہ بن عمیرؒ کا نام درج کر دیا ہے۔ یہ صاحب ناسخ کی وہ غیر ذمہ

دارانہ کارروائیاں ہیں جن کی نظیریں اس کتاب میں بہت (مقام ہائے تعدد پر) نظر آئیں گی۔
سب سے پہلے شہید کے متعلق حقیقت واقعہ جو کچھ ہے وہ میں نے ''محاربۂ کربلا'' میں بیان کر دیا ہے اور اُسی کے مطابق بیان درج کیا جاتا ہے۔

اوائل جنگ کے شہدا

1۔ مسلم بن عوسجہ الاسدیؓ

نام و نسب اور کنیت:

مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبة بن دودان بن اسد بن خزيمة الاسدی السعدی کنیت "ابو جحل"۔ (ابصار العین صفحہ ۶)

اوصاف و خصوصیات:

ممتاز و معزز اشراف عرب میں سے اور سردار قوم عابد و تہجد گذار تھے۔
(تنقیح المقال جلد ۳ صفحہ ۲۱۵)
صاحب ابصار العین کی روایت کے مطابق صحابیٔ رسول تھے اور سرکارؐ کی زیارت بھی کی تھی اور شعبی جیسے محدث نے ان سے روایت احادیث کی ہیں ان تمام خصوصیات کے ساتھ فارس تھے اور میدان شجاعت میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔
سنہ ۳۰ ھ میں حذیفہ بن الیمان کی سرکردگی میں فوج اسلام نے ایران کے ترکستانی علاقہ آذربائیجان کو فتح کیا اِس جنگ میں مسلم بن عوسجہؓ بھی موجود تھے اور انھوں نے اُس روز چھ آدمیوں کو جو مشرکین میں سے تھے قتل کیا تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)
ایک مکمل طاقتور جوان ہونے کے اعتبار سے اگر ان کی عمر اُس وقت بیس ۲۰ برس بھی مانی جائے تو واقعۂ کربلا میں ان کی عمر ساٹھ برس کی قرار پاتی ہے اور اس لیے ان کا شمار کربلا کے سن رسیدہ اور ضعیف العمر اشخاص اور مجاہدوں میں ہوتا ہے۔

حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کی حمایت:

اُس موقع پر جب جناب مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں وارد ہوئے ہیں اور حضرت سید الشہداؑ کی بیعت اہل کوفہ سے لینا شروع کی تو مسلم بن عوسجہؓ نے اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا اور وہ جناب مسلم بن عقیلؑ کے نمائندۂ خاص اور معتمد ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو اس مقصد کے ساتھ متحد کرتے اور امام حسینؑ کی بیعت لیتے تھے۔

چنانچہ ابن زیاد نے کوفہ میں آنے کے بعد جب لوگوں کو جناب مسلمؑ کی طرف سے برگشتہ (باغی) بنانا شروع کیا اور مسلم بن عقیلؑ مختار بن ابی عبیدہؓ کے گھر سے رازداری کے ساتھ حضرت جناب ہانی بن عروہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے اور ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کی سراغ رسانی کے لیے اپنے غلام معقل کو تین ہزار درہم دیکر مقرر کیا کہ وہ مکروفریب کے ساتھ مسلم بن عقیلؑ کا سراغ لگائے اور معقل اس فکر میں مسجد میں آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ مسلم بن عوسجہؓ اسدیؓ جو اس وقت اُسی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے مسلم بن عقیلؑ کے نمائندۂ خاص ہیں اور اُن کی طرف سے حسین بن علی علیہما السلام کی بیعت لیتے ہیں یہ معلوم کرکے وہ مسلم بن عوسجہؓ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا جب مسلم بن عوسجہ نماز سے فارغ ہوئے تو اُس نے کہا کہ:

''میں شام کا رہنے والا ذوالکلاع کا غلام ہوں اور خدا کے فضل سے اس خاندان (اہلبیتؑ) کے ساتھ محبت رکھتا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُس خاندان میں سے کوئی بزرگ آج کل کوفہ میں آئے ہوئے ہیں اور لوگوں سے رسول خداؐ کے نواسے کی بیعت لے رہے ہیں مجھے تمنا پیدا ہوئی کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہ تین ہزار درہم جو میرے پاس ہیں اُن کی خدمت میں نذر کروں مگر اب تک کوئی ایسا شخص نہ ملا جو مجھے ان کی خدمت میں پہنچائے یا اُن کا پتا بتائے ابھی ابھی میں اس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے کچھ مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنا آپ کے متعلق کہ انھیں اُس خاندان کے لوگوں سے واقفیت حاصل ہے اب میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ یہ رقم مجھ سے لے لیجیے اور مجھے اُن بزرگ کی خدمت میں لے چلیے میں اُن سے بیعت کروں اور اگر آپ چاہیں تو اُن کے پاس جانے سے پہلے یہیں آپ مجھ سے بیعت لے لیجیے''۔

یہ مکارانہ تقریر تھی جس کو صاف دل اور نیک نیت مسلم بن عوسجہؓ نے حقیقت پر محمول سمجھا اور جواب دیا:

''مجھے تمھاری ملاقات سے بہت خوشی ہوئی اور مسرت حاصل ہوئی اس بات پر کہ تم اپنی خواہش میں کامیاب ہوئے اور تمھارے ذریعے سے اہل بیت رسول علیہم السلام کو کچھ تقویت حاصل ہو بے شک! مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میری کارگزاریاں اس معاملے میں اس کے نشوونما پانے کے پہلے ہی تمھارے کانوں تک پہنچیں جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ ظالم ابن زیاد کو بھی ان کی اطلاع نہ ہو جائے''۔

بہر حال کافی اطمینان اور عہد و پیمان اور رازداری کے وعدوں کے ساتھ مسلم بن عوسجہؓ نے اقرار کیا کہ ''میں چند روز میں تمھارے لیے مسلم بن عقیلؑ سے اجازت حاصل کرلوں گا''۔

چنانچہ معقل اس کے بعد چند روز برابر آتا رہا یہاں تک کہ مسلم بن عوسجہؓ کے ساتھ جناب مسلم بن عقیلؑ کے پاس پہنچا اور آخر اسی کی خبر رسانی سے ہانی بن عروہؓ کے گھر میں مسلم بن عقیلؑ کے فروکش ہونے کی اطلاع ابن زیاد کو پہنچ گئی۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۳)

جب ہانی بن عروہؓ گرفتار ہوگئے اور مسلم بن عقیلؑ جنگ پر آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے انصار و اعوان کے لشکر کو فراہم کیا تو اس وقت بھی مسلم بن عوسجہؓ جناب مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ تھے اور جب فوج کی ترتیب ہونے لگی تو قبیلۂ مذحج اور اسد کی سپہ سالاری مسلم بن عوسجہؓ ہی کے متعلق ہوئی اور پیادوں کے سردار یہی قرار دیے گئے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۷)

بس اس کے بعد تاریخیں خاموش ہیں نہیں کہا جاسکتا کہ مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کے موقع پر مسلم بن عوسجہؓ کہاں تھے؟

میں نے اپنے رسالہ ''قاتلانِ حسینؑ کا مذہب'' میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ والی قلیل فوج نے ابن زیاد کے نظم شاہی سامان جنگ کے مقابلے میں شکست کھائی تو مسلم بن عوسجہؓ وغیرہ دیگر اشخاص نے یہ پورا اندازہ کرلیا کہ اب مسلم بن عقیلؑ کی جان کی حفاظت غیر ممکن ہے اس لیے اب سوال صرف اپنی جان کا ہے کہ کیا اسے بھی قربان کر دیا جائے؟

لیکن جبکہ یہ معلوم ہے کہ فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کوفہ کی جانب متوجہ ہیں تو یہ جان اُن کے ساتھ اُن کے کام کیوں نہ آئے اور اُس وقت ممکن ہے ہماری خدمات کچھ کارآمد بھی ثابت ہوں اس خیال سے ان لوگوں نے پھر مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ اپنی جانوں کو وابستہ نہیں کیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنے قبیلوں میں مخفی ہو گئے اور جب یہ معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام عراق کی حدود میں آ گئے ہیں تو یہ کسی طرح نکل کر امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچے۔

یہاں ممکن ہے کہ مسلم بن عقیلؑ سے ان کی علیحدگی خود حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ایماو اشارے یا کم از کم اجازت سے ہوگی ورنہ اگر کسی طرح کی بھی بے وفائی اور حضرت مسلم بن عقیلؑ کی امداد میں کوتاہی ان کے دامن پر ہوتی تو کم از کم حضرت سید الشہداؑ سے کسی طرح کی معذرت یا آپ کا قبول عذر یا عتاب وتنبیہ تاریخوں کے اندر موجود ملتا۔

یہ بھی بتلانا تاریخ کی رو سے دشوار ہے کہ مسلم بن عوسجہؒ امام حسین علیہ السلام کے پاس آ کر کہاں اور کب ملحق ہوئے؟

ابصار العین میں لکھا ہے:

"مسلم بن عوسجة بعد ان لی مسلم وھانی وقتلا اختفٰی حدلم فر باھله الحسین فوافاہ کربلا وفداہ بنفسه"

"جب مسلمؑ وہانیؒ گرفتار ہو گئے اور قتل کیے گئے تو مسلم بن عوسجہؒ ایک مدت تک روپوش رہے پھر کسی طرح اپنے متعلقین سمیت کوفہ سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کے پاس کربلا پہنچے اور اپنی جان فدا کی۔"

امامؑ کا خطبہ اور اس کا جواب:

طبری ج ۷ ص ۳۲۱، ۳۲۲ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۸۵ اور ارشادِ شیخ مفید ص ۲۳۱ میں ہے کہ شب عاشور امامؑ نے جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس میں آپؑ نے اپنے اصحاب کو بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنا چاہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

"تم مجھ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو اس لیے کہ ان لوگوں کو جو کچھ کام

ہے وہ صرف مجھ سے ہے اور تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں عزیزوں کے بعد سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ اسدیؓ ہی کھڑے ہوئے تھے اور یہ پُر جوش پر خلوص، دل سے نکلے ہوئے الفاظ ارشاد فرمائے تھے جو دنیائے تاریخ میں اب تک یادگار ہیں۔

-أنحن نخلی عنك ولما نعذر الی الله فی اداء حقك اما والله حتی اكسر فی صدورهم رمحی و اضربهم بسیفی ما ثبت قائمه فی یدی ولا افارقك ولو لم یكن معی سلاح اقاتلهم به لقذفتهم بالحجارة دونك حتی اموت معك.

"کیا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں بغیر اس کے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کا سامان کر سکیں آپؑ کے حق کی ادائیگی میں خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں ان کے سینوں میں اپنے نیزے کو توڑ دوں اور ان کو میں تلواریں لگاتا رہوں گا جب تک اُس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے اور میں آپؑ سے کبھی جدا نہیں ہوں گا اور اگر میرے پاس ہتھیار نہیں ہوں گے جن سے جنگ کروں تو میں آپؑ کی نصرت میں انھیں پتھر ماروں گا یہاں تک کہ آپؑ ہی کے ساتھ رہ کر مر جاؤں"۔

شمر کی گستاخی پر مسلم بن عوسجہؓ کا غصہ:

صبح عاشور جنگ چھڑنے سے پہلے اُس وقت جب سید الشہداءؑ نے خندق میں آگ روشن کرائی تھی شمر بن ذی الجوشن گھوڑے پر سوار لوہے میں غرق خیام حسینیؑ کی طرف سے ہو کر گزرا اور ہر طرف آگ روشن دیکھ کر مشتعل ہو کر پکارا اُس نے پکار کر آواز دی۔

"یاحسین! استعجلت النار فی الدنیا قبل یوم القیامة"

"اے حسین! کیا تم نے آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آگ کا سامان کر لیا؟"

اس موقع پر مسلم بن عوسجہ کا جوش ایمانی تاب نہ لا سکا تھا امامؑ سے عرض کیا کہ "اجازت دیجیے میں اسے تیر کا نشانہ بنا لوں یہ اس وقت بالکل میری زد پر ہے"۔

مگر امامؑ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ "ابتدا جنگ کی میں نہیں کرنا چاہتا"۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)

شہادت:

اُس وقت جب عمرو بن الحجاج نے عمر بن سعد کی فوج کے میمنہ کے ساتھ فرات کی جانب سے فوج امام حسین علیہ السلام پر حملہ کیا ہے اور حسینی فوج کے میسرہ نے پامردی سے جنگ کی ہے جس سے دشمن کو پسپا ہونا پڑا! اسی وقت جب دامن غبار کا چاک ہوا تو مسلم بن عوسجہؓ زمین پر غلطاں نظر آئے۔

امام حسین علیہ السلام مسلم بن عوسجہؓ کے سرہانے گئے دیکھا کہ ایک رمق حیات باقی ہے حضرتؑ نے فرمایا:

"رحمك الله يا مسلم بن عوسجة منهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا." (تاریخ طبری ج ۷ ص ۳۴۳ لہوف ص ۹۴)

"خدا اپنی رحمت تمھارے شامل حال کرے۔ اے مسلم بن عوسجہؓ! تم چلو عنقریب ہماری بھی نوبت آیا چاہتی ہے"۔

اس وقت کا یادگار واقعہ مسلم بن عوسجہؓ اور حبیب بن مظاہر کا وہ مکالمہ ہے جو میں "محاربہ کربلا" میں لکھ چکا ہوں کہ "حبیبؓ کا جنت کی مبارک باد دینا اور مسلم بن عوسجہؓ کا خاک و خون میں افتادگی کی حالت میں اُس مبارکباد کو خوشی خوشی قبول کرکے دعائے خیر کرنا اور پھر حبیبؓ کا یہ کہنا کہ "مجھے دنیا میں رہنا ہوتا تو کہتا کہ کچھ وصیت کرو" اور اس پر مسلم بن عوسجہؓ کا یہ کہنا کہ "وصیت جو کچھ ہے وہ یہی ہے کہ حسین علیہ السلام پر اپنی جان نثار کرنا"۔

یہ وفا و محبت، استقلال و پامردی، اطمینان و سکون نفس کی وہ مثالیں ہیں جو ان بہادروں پر ختم ہو گئیں ہیں۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ: "مسلم بن عوسجہؓ اصحاب حسینی میں سب سے پہلے مقتول تھے۔" (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)

اس کی تصدیق اُس زیارت سے بھی ہوتی ہے جس میں نام بنام شہدائے کربلاؑ پر سلام کیا گیا ہے اور جسے سید ابن طاؤس نے ناحیۂ مقدسہ کے اسناد کے ساتھ درج کیا ہے اور علامہ

مجلسی نے تحفۃ الزائر میں ۱۶ سولہویں زیارت کے عنوان سے اُسے نقل کیا ہے اس میں مسلم بن عوسجہؓ پر سلام کرتے ہوئے صاف یہ الفاظ مذکور ہیں:

۔کنت اوّل من شری نفسہ و اول شھید من شھداء اللہ قطی نحبہ ففزت ورب الکعبۃ۔"

"آپؓ سب سے پہلے شخص تھے جس نے روز عاشورا اپنی جان کو فروخت کیا اور وہ سب سے پہلے شہید تھے جس نے اپنی جان نثار کی۔ خدا کی قسم! آپؓ بڑے درجے پر فائز ہوئے۔"

اس کے برخلاف مناقب ابن شہر آشوب میں عمیر بن عبداللہ مذحجیؒ کے بعد مسلم بن عوسجہؓ کی مبارزطلبی مذکور ہے اور لکھا ہے کہ اُنھوں نے یہ رجز پڑھا۔

ان تسالوا عنی فانی ذو لبد
من فرع قوم فی ذری بنی اسد
فمن بغانا حائد عن الرشد
و کافر بدین جبار صمد

"اگر مجھے دریافت کرو تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ہوں بنی اسد کے قبیلے میں سے جو شخص ہماری مخالفت کرے گا وہ راہ راست سے منحرف اور خدا کے دین کا منکر ہے۔"

اسکے بعد جنگ کی یہاں تک کہ مسلم ضبابی اور عبدالرحمٰن بجلی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

(مناقب مطبوعہ بمبئی جلد ۴ صفحہ ۹۴)

اس کو مذکورہ بالا تاریخ وزیارت کی تصریح کے مقابلے میں قابل اعتبار نہیں سمجھتا ہوں قاتل کے نام بے شک طبری کی روایت سے متفق ہیں اُس میں یہ بھی ہے کہ مسلم بن عوسجہؓ کے قاتل "مسلم بن عبداللہ الضبابی اور عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ بجلی" یہ دو اشخاص تھے جبکہ زیارت میں "عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ" کے بجائے "عبداللہ بن خشکارہ بجلی" موجود ہے۔

مسلم بن عوسجہؓ ان چند اصحاب میں سے تھے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ خدمت امامؑ میں آئے تھے چنانچہ جب اُن کی شہادت کی خبر خیمے میں پہنچی تو ایک کنیز نے چیخ مار کر کہا: "یا ابن

عوسجتاہ یا سیداہ" اس آواز کو سن کر عمر بن الحجاج کی فوج میں خوشیاں منائی جانے لگیں کہ ہم نے مسلم بن عوسجہؓ کو قتل کر دیا اس پر شیث بن ربعی کو غصہ آ گیا اور اُس نے کہا:

"کیا غضب کی بات ہے کہ مسلم بن عوسجہؓ جیسا آدمی شہید ہو اور تم لوگ خوشیاں مناؤ۔ بخدا! میں نے خود خدمت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شخص کے کارنامے دیکھے ہیں آذربائیجان کی جنگ میں میرا چشم دید یہ واقعہ ہے کہ ابھی مسلمانوں کے لشکر کی پوری صف بندی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس بہادر نے چھ آدمی فوج مشرکین کے قتل کر دیئے تھے ایسا جوانمرد آدمی تمھارے ہاتھ سے مارا جائے اور تم خوش ہو"؟ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۵)

ذاکرین کی زبان سے مسلم بن عوسجہؓ کی شہادت کے بعد ان کے فرزند کی شہادت کا واقعہ تو اکثر ذکر ہوا کرتا ہے اس کا ماخذ تاریخ "روضۃ الاحباب" ہے جس سے صاحب ناسخ نے اس واقعہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے

"مسلم راپسری جوان بود چوں پدر را کشتہ دید مانند شیر شرزہ بر دمید حسین علیہ السلام او را از آہنگ خویش باز داشت و فرمود۔ اے جوان پدرت شہید شد داگر تو یتر کشتہ شوی مادرت دریں بیابان قفر در پناہ کدام کس گریز و پسر مسلم خواست طریق مراجعت سپارد مادرش شتاب زدہ سر راہ بروے گرفت و گفت اے فرزند سلامت نفس را بر نصرت پسر پیغمبر اختیار می کنی ہرگز از تو رضا نخواہم شد پسر مسلم عنان بر تافت و حملہ گراں افگند و مادر از قفایش فریاد ہمی کرد کہ اے پسر شاد باش کہ ہم اکنوں از دست ساقی کوثر سیراب خواہی شد و او مردانہ ہمی کوشید تا پس از قتل سی تن از مشرکان شربت شہادت نوشید کوفیاں سر او را بریدہ بسوے مادرش افگندند مادر سر را برداشت و بوسید و چناں بگریست کہ ہمکناں ہمگاں بگریستند" (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۶۵)

فرق اتنا ہے کہ ذاکرین اس جوان کو "بچہ" کہتے ہیں اور اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ:

''بچے نے کہا یہ ہتھیار میرے جسم پر میری والدہ ہی نے لگائے ہیں''۔

حقیقت میں یہ پورا واقعہ جنادہ بن کعب خزرجی کے فرزند عمرو بن جنادہ کا ہے جسے غلطی سے مسلمؓ کے فرزند کی طرف منسوب کیا گیا ہے ''محاربہ کربلا'' میں اس واقعے کو میں درج کر چکا ہوں اور اس کتاب میں بھی ''جنادہ بن کعب'' کے بعد اس شہید کا تذکرہ حوالۂ کتاب ہوگا

ایسے دھو کے ارباب مقاتل کو بہت ہوئے ہیں جن کا تتبع محتاط ذاکرین بے سمجھے کر لیتے ہیں لیکن تاریخی جستجو اُن کا پردہ چاک کر دیتی ہے۔

مکیت بن زید اسدی نے شہدائے کربلاؑ کے مرثیے میں مسلم بن عوسجہؓ کا تذکرہ کنیت کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے:

"وان ابا حجل قتیل محجل"

یعنی ''ابو حجل مسلم بن عوسجہؓ بھی مقتول تھے جو زمین پر غلطاں تھے''۔

(ابصار العین صفحہ ۶۴)

2۔ عبداللہ بن عمیر الکلبیؓ

نام ونسب:

عبداللہ بن عمیر بن عباس بن عبدقیس بن علیم بن جناب الکلبی العلیمی ابو وھب۔ (تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۲۰۱، ابصار العین صفحہ ۱۰۶)

ابو وہب اس کنیت کی مطابقت طبری کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو عنقریب آنے والی ہے جس میں ان کی زوجہ کو ''ام وہب'' کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ فرزند کی ولادت کے ساتھ ہی باپ اور ماں دونوں اُس کی طرف منسوب کر کے پکارے جاتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے کوئی فرزند ''وہب'' نام کے ہوئے ہوں گے۔

سکونت:

کوفہ کے رہنے والے تھے طبری کی روایت کے مطابق قبیلۂ ہمدان کے ''بر جعد'' نام

کے کنویں کے پاس ذاتی مکان میں سکونت پذیر تھے یہ مقام کوفہ کی گنجان آبادی سے بالکل باہر اُن باغات خرما کے قریب تھا جو "نخیلہ" کے حدود میں تھے ان کے ساتھ ان کی رفیقۂ حیات رہتی تھیں جو قبیلہ 'نمر بن قاسط میں سے جو ام وہب بنت عبد کے نام سے یاد کیجاتی تھیں۔

(تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۵)

اوصاف وخصوصیات:

اہل سیر کا قول ہے: "کان بطلا شجاعا شریفا"۔

(یعنی) "بڑے سورما، بہادر اور شریف انسان تھے"۔

شیخ طوسیؒ نے کتاب الرجال میں ان کو پہلے اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں اور دوبارہ اصحاب امام حسین علیہ السلام میں شمار کیا ہے (تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۲۰۱)

طبری کی عبارت کے مطابق ان کا کوئی خصوصی تعارف حضرت سید الشہداءؑ کے ساتھ روز عاشور سے قبل ظاہر نہیں ہوتا ممکن ہے کہ ان کا اصحاب حسینؑ میں شمار کیا جانا صرف شہدائے کربلاؑ میں محسوب ہونے کے لحاظ سے ہو۔

حلیہ:

گندمی رنگ، لمبا قد، مضبوط کلائیاں اور بازو، چوڑی پشت اور سینہ، یہ وہ حلیہ ہے جسے سر سے پیر تک دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: "بہادر اور جنگ آزما جوان معلوم ہوتا ہے" اور جہاد کی اجازت دی تھی۔

عزم نصرت:

اس موقع پر جب کوفہ میں جناب مسلم بن عقیلؑ کی شہادت ہوئی ہے اور ابن زیاد نے قتل امام حسین علیہ السلام کی تیاری شروع کی ہے اس وقت عبداللہ بن عمیرؒ اپنے اُس مکان میں تھے جو "برجعد" کے پاس واقع تھا ان کو موجودہ واقعات کی بالکل اطلاع نہ تھی جب امام حسین علیہ السلام کربلا میں پہنچ چکے اور ابن زیاد نے اپنا لشکرگاہ "نخیلہ" میں قرار دیا تاکہ وہاں سے فوجوں کو

معائنہ کے بعد کربلا کی جانب روانہ کیا جائے تو اس غیر معمولی صورت حال کو عبداللہ بن عمیرؓ نے بھی دیکھا اور لوگوں سے واقعہ کی تحقیق کی اُنھیں بتلایا گیا کہ:

''یہ فوج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فرزند حسین علیہ السلام سے جنگ کے لیے بھیجی جا رہی ہے''۔

یہ سنتا تھا کہ بہادر عبداللہ کے ایمانی جذبے میں تلاطم پیدا ہو گیا اُنھوں نے کہا کہ:

''مجھے مشرکین سے جہاد کرنے کی حسرت رہی ہے یقیناً ان لوگوں سے جہاد کرنا جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں خدا کے نزدیک مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے کم درجہ نہیں رکھتا ہوگا''۔

یہ بات دل میں ٹھان کر وہ اپنی زوجہ کے پاس آئے اور اسے اپنے ارادے سے مطلع کیا پاک عقیدہ اور پُرحوصلہ خاتون نے آتشِ شوق کو اور ہوا دے دی۔

اُس نے کہا: ''تم بھی جاؤ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو'' چنانچہ رات کے وقت دونوں روانہ ہوئے اور انصار حسین علیہم السلام کے ساتھ کربلا میں آکر ملحق ہو گئے۔

جہاد میں سبقت:

اُس وقت جب فوج عمر بن سعد کی جانب سے تیروں کی بارش ہو چکی جو پیام جنگ کی حیثیت رکھتی تھی یسار اور سالم دونوں زیاد اور ابن زیاد کے غلام میدان جنگ میں آکر مبارز طلب ہوئے ان کے مقابلے کو فوج حسینی سے عبداللہ بن عمیرؓ ہی میدان جنگ میں برآمد ہوئے اور اس طرح سبقت الی الجہاد کے اس خاص امتیاز کو حاصل کر لیا جو واقعۂ کربلا کی تاریخ میں اب تک نمایاں ہے۔

اس جنگ کی پوری تفصیل میں ''محاربۂ کربلا'' میں لکھ چکا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ اس موقع پر عبداللہ بن عمیرؓ کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئی تھیں۔ زخم خوردگی کا غصہ اور اپنے مقابل دونوں سپاہیوں پر فتح پانے سے جوشِ شجاعت میں اضافہ، ان دونوں سے متاثر ہو کر عبداللہ بن عمیرؓ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

ان تنکرونی فانا ابن کلب
حسبی ببیتی فی علیم حسبی
انی امرؤ ذو مرۃ و عصب
و لست بالخوّار عند النکب
انی زعیم لک ام وھب
بالطعن فیھم مقدما و الضرب
ضرب غلام مؤمن بالرّب

اس رجز کے آخری تین مصرعوں میں خصوصیت سے "امِ وہب" کو مخاطب کیا ہے اور اسے اطمینان دلایا ہے کہ میں بڑھ بڑھ کر نیزے اور تلواریں لگاؤں گا اور جوشِ ایمانی کے تقاضے کو پورا کروں گا۔

ممکن ہے کہ یہ عرب بہادروں کی عام رسم کی بنا پر ہو کہ وہ اپنے کارناموں کا گواہ اپنی شریکِ زندگی خواتین کو بنایا کرتے تھے مگر امِ وہب عام عورتوں کے مثل نہ تھی وہ اپنے سینے میں شیرانہ دل رکھتی تھی اور دل میں ایمان کی غیر معمولی تڑپ، اس کے ساتھ اپنے شوہر سے بے انتہا محبت، اُس ایمانی جذبہ کا تقاضا تھا کہ اُس نے اپنے شوہر کے اس اظہار پر کہ میں نصرت حسین علیہ السلام کے لیے جانا چاہتا ہوں کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ اُس کی ہمت افزائی کی اور اس محبت کا اثر تھا کہ اُس نے شوہر سے علٰیحدگی گوارا نہیں کی اور یہ کہا کہ: "مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو"۔

ممکن ہے اس خواہش میں اُسی وقت یہ نیت مضمر ہو کہ وہ بھی شوہر کے ساتھ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دے گی۔ اس وقت تک اپنے قلبی جزبات کو انتہائی بے چینی کے باوجود شاید وہ روکتی رہی ہو۔ اہلِ حرم اور اُن کی ہمراہی خواتین کو دیکھ کر جو احکامِ اسلام کے تحت میں میدانِ جنگ سے کنارہ کشی کے ساتھ خیموں میں ٹھہری ہوئی تھیں اور ہو سکتا ہے کہ اُسے ابھی تک یہ اطلاع بھی نہ ہو کہ اُس کا شوہر میدانِ جنگ میں پہنچ گیا ہے کیونکہ اُس نے امامؑ سے رخصت

ہونے کے موقع پر خیمے میں آ کے کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

محبت کا سمندر طوفانی ہو جاتا ہے اور ضبط وتحمل کے ساتھ روکا ہوا اُلفت کا چشمہ بے پناہ سیلابی طاقت کے ساتھ بہہ پڑتا ہے جب اُس خاموش جذبے کو فریق دوم کی جانب سے ذرا چھیڑ دیا جائے۔

عبداللہ بن عمیرؓ کا میدان جنگ میں یہ شعر پڑھنا:

"انی زعیم لك ام وهب" ۔ الخ جو ایک طرف ولولۂ جنگ کا مظہر ہے دوسری طرف جوش ایمانی کا محرک ہے اور تیسری طرف قلبی واردات اور تعلق روحانی کا ترجمان ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ بہادر جری میدان جنگ کی سخت کٹھن میں اپنی شریکِ حیات کی یاد اپنے دل میں اور اُس کی تصویر اپنی آنکھوں میں لیے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ گویا اپنی شجاعت اور سرفروشی کی داد اُسی سے لینا چاہتا ہے۔

بس یہ اسباب تھے جن کی بنا پر ان اشعار نے "اُم وہب" کے ضبط وصبر کے لیے "برق خرمن" کا کام کیا اور وہ بے تحاشا ایک گرز ہاتھ میں لیکر میدان جنگ میں آ گئی اور پکار کر کہنے لگی:

"فداك ابي وامي قاتل دون الطيبين ذرية محمد"

"میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار! اولادِ رسولؐ کی نصرت میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔"

دلیر و غیور عبداللہؓ کے لیے یہ منظر انتہائی صبر شکن تھا وہ فوراً زوجہ کے پاس آئے اور چاہا کہ اُسے خیمے کی طرف پہنچا دے مگر وہ باتوں میں آنے والی نہیں تھی۔ عبداللہ بن عمیرؓ کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی جس سے دشمن کا خون ٹپک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی اُنگلیاں کٹ چکی تھیں جن سے خود اُس کا لہو جاری تھا پھر بھی اُس نے کوشش کی زبردستی زوجہ کو خیمے کی طرف واپس کرے مگر جوش میں بھری ہوئی اس خاتون نے اپنے کپڑے عبداللہؓ کے ہاتھ سے چھڑا لیے اور کہنے لگی:

"میں تمھیں چھوڑوں گی نہیں جب تک تمھارے ساتھ میں بھی قتل نہ ہو جاؤں"۔

امام حسین علیہ السلام نے جو یہ معاملہ دیکھا آواز دی:

"خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے اے مومنۂ! عورتوں کے پاس واپس چلی جاؤ اور اُن

کے ساتھ بیٹھی رہو کیونکہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے۔"

ایمان اور اطاعت امامؑ کا احساس بے پناہ جذبۂ اُلفت پر غالب آیا اور وہ خاتون خواتین کے پاس خیمے میں واپس چلی گئی (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۶)

اور اس کے بعد عبداللہ بن عمیرؓ بھی صف مجاہدین میں واپس آ گئے۔

شہادت:

میمنہ والے حملے کے بعد جس میں مسلم بن عوسجہؓ شہید ہوئے تھے دوسرا حملہ میسرہ کی طرف سے شمر بن ذی الجوشن کی قیادت میں ہوا۔ اس طرف بھی اصحاب امام حسین علیہ السلام نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ عبداللہ بن عمیرؓ نے اس موقع پر کافی جانفشانی کی اور دو سپاہی دشمن کے بھی قتل کیے مگر اس کے بعد وہ ہانی بن شبیت حضرمی اور بکیر بن تیمی کے ہاتھ سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ: "کان القتیل الثانی من اصحاب الحسین علیہ السلام"

"یہ اصحاب حسین علیہ السلام میں دوسرے مقتول تھے"۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)

اُلفت و وفا کی بے مثال قربانی:

شیدائے شوہر خاتون زوجۂ عبداللہ جس نے اپنی زندگی کی تمام دنیا اپنے عزیز جذبۂ ایمانی کی خاطر قربان کر دی تھی مگر جو اپنے شوہر کا ساتھ آخر وقت تک دینے کا مضبوط ارادہ بھی ٹھان چکی تھی لیکن پھر اطاعت امامؑ کے فولادی شکنجے سے مجبور ہو کر اپنے دلی ارادوں کو پیس کر کسی طرح خیمے میں بیٹھی تھی اب یہ معلوم کر کے کہ اُس کا شوہر ہمیشہ کے لیے اُسے چھوڑ گیا اور کربلا کی گرم زمین پر اپنے بہتے ہوئے خون کی سرخ چادر اوڑھے موت کی نیند سو رہا ہے پھر بےچین ہو گئی اور اس ارادے سے نہیں کہ وہ جنگ کرے گی یا اپنے شوہر کے خون کا بدلہ لے گی کیونکہ یہ سب باتیں اُس کے ایمان کے نزدیک امامؑ کی ممانعت کے بعد اب حکم خدا کے خلاف تھیں جس کے لیے وہ کسی طرح تیار نہ تھیں لیکن صرف اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کی لاش سے ایک وداعی ملاقات

کرلے میدان میں آئی اور شوہر کے سرہانے بیٹھ گئی اُس کے چہرے سے گردوغبار صاف کرتی جاتی اور کہتی جاتی تھی کہ: "تمھیں جنت مبارک ہو، بہشت کی سیر کرنا مبارک ہو"۔

مگر قسی القلب بے رحم درندہ سیرت حیوان خصلت انسانوں کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ اُن کی معکوس فطرت اُس منظر کو جس کے الفاظ بھی قلب میں رحم و ہمدردی کے جذبات پیدا کرتے ہیں آنکھوں سے دیکھ کر رحم و ہمدردی کی طرف مائل ہونے کے بجائے ظلم وتشدد پر آمادہ ہو گئے اور شمر بن ذی الجوشن نے اپنے غلام کو جس کا نام "رستم" تھا آواز دی کہ اُس کے سر پر گرز تو لگا دے۔ وہ بڑھا اور اُس نے بے قصور خاتون کے سر پر گرز لگایا جس سے وہ اُسی جگہ ختم ہو گئی۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۱)

وہب کی مشہور روایت اور اُس کے اصلی ماخذ کا پتا:

یہ ہے عبداللہ بن عمیرؓ کی روایت اُس صورت پر جو تاریخ طبری میں مذکور ہے اور جو ابصار العین میں بھی درج ہے اور جسے علامہ شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال میں نقل فرمایا ہے۔

اسے دیکھ کر ذاکرین کی اُس روایت کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے جو وہب بن عبداللہ کلبی کی شہادت کے متعلق عام طور سے منبروں پر بیان کی جاتی ہے تو ہمیں واقعات ملتے جلتے نظر آتے ہیں اور اس لیے ذوق تحقیق مجبور کرتی ہے کہ اس روایت کے ساتھ اُس روایت کا معیار نقد و تبصرہ کی مطابقت سے جائزہ لیا جائے جس سے ممکن ہے یہ نتیجہ برآمد ہو کہ عبداللہ بن عمیر کلبیؓ اور وہب بن عبداللہ کلبی دو شہید تھے جن کے واقعات کسی حد تک یکساں ہیں یا یہ کہ ان میں کسی ایک کی اصلیت ہے اور دوسرا واقعہ اُسی کی تحریفی شکل سے پیدا ہو گیا ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

وہب بن عبداللہ کا نام اور اُن کی شہادت کا تذکرہ کسی حد تک قدیم معتبر ماخذوں میں سب سے پہلے مناقب ابن شہر آشوب میں نظر آتا ہے لیکن وہ اتنا ہے کہ بریر ہمدانیؒ کی شہادت کے تذکرے کے بعد لکھا ہے:

"ثم برز وهب بن عبدالله الكلبي وهو يرتجز"

''پھر وہب بن عبداللہ الکلبی میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے''۔

ان تنکرونی فانا ابن الکلبی
سوف ترونی وترون ضربی
وحملتی و صولتی فی الحرب
ادرك ثاری بعد ثار صحبی
و ادفع الکرب امام الکرب
لیس جهادی فی الوغا باللعب.

''اگر تم مجھے نہ پہچانتے ہو تو پہچان لو کہ میں کلبی کا فرزند ہوں ابھی ابھی تم دیکھو گے مجھے اور میری جنگ وجدال کو اور میرے حملوں کو اور جنگ میں میری شجاعت کو، میں اپنے ساتھیوں کا تم سے بدلہ لوں گا اور اس میں کامیاب ہوں گا اور مجھ پر جو مصیبتیں پڑیں گی اُن کو یکے بعد دیگرے رفع کروں گا، میرا جہاد میدان جنگ میں کوئی کھیل نہیں ہے''۔

فلم یزل یقاتل حتّٰی قتل منهم جماعة ثم قال: لامة یا اماه! ارضیت ام لا فقالت ما ارضی او تقتل بین یدی الحسین فرجع قاتلا.

اسکے بعد وہ برابر مصروف کارزار رہے یہاں تک کہ ایک جماعت کو فوج دشمن میں سے قتل کیا پھر اپنی والدہ سے کہا کہ: ''اماں! آپ راضی ہوئیں یا نہیں'' اُس نے کہا کہ: ''میں اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک حسین علیہ السلام کی نصرت میں تو قتل نہ ہو جائے''۔

یہ سن کر وهب پھر میدان میں آئے یہ رجز کہتے ہوئے:

انی زعیم لك ام وهب
بالطعن فیهم تارة و الضرب
ضرب غلام موقن بالرب
حتّٰی یذوق القوم مرّ الحرب
انی امرؤ ذو مرة و عصب

حسبی قتیل من علیم حسبی

''میں ذمہ دار ہوں تمہارے لیے اے ام وہب (وہب کی ماں) نیزہ بازی کا ان میں اور شمشیر زنی کا، اس طرح کی شمشیر زنی جو ایک صاحب ایمان و یقین کے شایاں ہے یہاں تک کہ تلخی حرب کا مزہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ میں ایک انسان ہوں صاحب قوت و شجاعت۔ کافی ہے میرے حسب و نسب کے لیے اتنا کہ میں ''قبیلۂ علیم'' میں سے ایک مقتول ہوں گا''۔

فلم یزل یقاتل حتّٰی قتل تسعة عشر فارسا و اثنی عشر راجلا ثم قطعت یمینه واخذ اسیرا۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۴)

''وہ رہے برابر جنگ کرتے یہاں تک کہ ۱۹ سوار اور ۱۲ پیادے قتل کیے پھر اُن کا داہنا ہاتھ قطع کر ڈالا گیا اور وہ گرفتار کر لیے گئے۔''

اس میں وہب کی مشہور روایت کے اجزا میں سے صرف اُن کی والدہ کا تذکرہ اور بیٹے کا ماں سے پوچھنا کہ آپ راضی ہوئیں اور ماں کا کہنا کہ جب تک حسین علیہ السلام کی نصرت میں تو قتل نہیں ہوئے گا میں راضی نہ ہونگی اور پھر وہب کے ایک ہاتھ کا قطع ہونا مذکور ہے اس میں نہ وہب کی زوجہ کا ذکر ہے اور نہ رخصت کے وقت اُس کا وہب کو روکنا اور نہ ماں کا یہ کہ عورتوں کی باتوں میں نہ آؤ اور نہ پھر اثنائے جنگ میں زوجہ کا میدان جنگ میں آنا اور وہب کو ترغیب و تحریص کرنا ان تمام باتوں کا اس میں پتا بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد امیر آخوند شاہ ہروی کی تاریخ ''روضۃ الصفا'' ہماری نظر سے گذرتی ہے اس میں یہ واقعہ پورا حسب ذیل صورت پر نظر آتا ہے۔

بعد از واقعہ بریر مادر وہب بن عبداللہ الکلبی کہ اورا قمری گفتند پسر خود را گفت اے وہب برخیز و در نصرت فرزند رسول تقصیر جائز مدار وہب گفت: ''افعل یا اماہ! ولا اقصر انشاء اللہ'' در ربے با اہل نفاق و شقاق آوردہ رجزی خواند کہ اولش ایں بود

ان تنکرونی فانآ ابن الکلبی
سوف ترونی و ترون ضربی

وچندکس راکشتہ نزد مادر امدو گفت: اے مادر! ازمن راضی ہستی یا نہ مادر گفت: تا پیش امام حسین علیہ السلام کشتہ نشوی از تو خوشنود نگردم و منکوحۂ وہب گفت: ترا بخدا سوگند میدہم کہ مرا بفراق ممتحن نگردانی مادرش گفت: اے پسر! فرمان زن مبرو یا اعداء دیں مقاتلہ کن تا در روز جزا محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا شفیع باشد وہب باشارۂ مادر بمیداں مراجعت نمود و حرب آغاز کرد تاآں مخالفاں دست چپ اورا اند ختند وہب پائے در ریاض رضواں نہاد۔ (روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۵۸)

اس میں مناقب والے واقعہ پر اتنا اضافہ ہے۔ ماں کا نام، اُس کا بیٹے کو میدان جنگ میں بھیجنا، وہب کی زوجہ کا صرف اتنا تذکرہ کہ اُس نے جنگ سے واپسی کے موقع پر وہب کو میدان جنگ میں جانے سے روکا لیکن ماں کی ترغیب وتحریص نے اُسے کامیاب نہ ہونے دیا اس کے بعد اتنا مناقب کے ساتھ اختلاف ہے کہ وہاں داہنا ہاتھ قطع ہوا تھا اور یہاں بایاں ہاتھ اور وہاں وہب زندہ دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر ہوئے تھے اور یہاں جنگ میں شہید ہوئے۔

اب شیخ فخر الدین طریحیؒ نے منتخب میں جوصورت اختیار کی ہے وہ صاحب ناسخ کی زبانی سنئے اور خود مؤلف ناسخ التواریخ کے تواریخی اجتہادات سے بھی لطف اٹھائیے انھوں نے بھی وہبؓ کی شہادت کا تذکرہ بریر ہمدانیؓ کی شہادت کے بعد کیا ہے اور لکھا ہے:

دیگر وہب بن عبداللہ بن حباب الکلبی ساحۃ جہاد شد مکشوف باد کہ طریحی در مبارزین یوم طف دوتن وہب در قلم آوردہ نخستین وہب بن وہب گوید او نصرانی بود وباتفاق مادر بدست حسین علیہ السلام ایمان آورد و در کربلا شہید شدو دیگر وہب بن عبداللہ اورا نیز گوید بامادروزن حاضر یوم طف بود انچہ من بندہ فحص کردم افزوں از یک وہب نیافتم وطریحی

بعضی از واردات احوال وہب را بنام وہب بن وہب وبرخی را بنام وہب بن عبداللہ نگاشتۃ العلم عنداللہ بالجملہ وہب بن عبداللہ اسپ بمیداں راند و این رجز برخواند:

ان تنکرونی فانا ابن الکلب
سوف ترونی و ترون ضربی
و حملتی و صولتی فی الحرب
ادرک ثاری بعد ثار صحبی
دا دفع الکرم امام الکرب
لیس جہادی فی الوغا باللعب

وتاختن کرد برلشکر کوفہ وچندتن ازآں گروہ را با تیغ درگذرانید و باز شتافت و بنزدیک مادر آمد کہ قمری نام داشت بایستاد "فقال: یا اماہ! ارضیت فقالت مارضیت و تقتل بین یدی الحسین" گفت اے مادر! آیا از من راضی شدی؟ گفت: راضی نشوم جز اینکہ در پیش روے حسین علیہ السلام کشتہ شوی زن وہب گفت: ترا بخداوند سوگند میدہم پذیرائے سخن ما ید مشو دبہشانہ دردہن اژدہا مرد جان خویش را پاس دارد مرا نیز بیوہ مگذار مادر گفت: اے فرزند! سخن زن را از پس گوش گذار و نصرت حسین علیہ السلام راست باز مدار کہ بے رضاے ادو رضاے من از شفاعت جدش برخوردار نتوانی شد چوں از شب زفاف زن وہب تا روز عاشورا افزوں از ہفدہ روز بنود مفارقت شوی بروے دشوار می آمد گفت: اے وہب! برمن مکشوف است کہ چوں درراہ پسر پیغمبر شہید شوی در بہشت بریں جائے کنی و با حور العین ہم آغوش باشی و مرا فراموش فرمائی واجب میکند کہ در حضرت امام با من عہد استوار کنی کہ فردائے قیامت در بہشت خدا جدا از من اقامت ننمائی پس ہردو تن حاضر حضرت شدند زن وہب عرض کرد یا ابن رسول اللہ

مراد رینحضرت دو مسئلت است نخست آنکه اینجوان غریب عنقریب بضرب سیف و سناں رپیارپاخ چناں است ایں بیکس را در ایں بیاباں بیفریاد ہیچ فریاد رس نیست مرا باہل بیت خویش سپاری تانگراں حال من باشند و دیگر آنکه چوں وہب دریں میدان دابیه انگیز سربدہد با حور العین بیک بالیں سر بہند امروز ترا برمن گواه گیرد که چوں با حور ہم آغوش شود مرا فراموش نکند حسین علیہ السلام از اصغائے ایں کلمات سخت بگریست و مسئالت او را باجابت مقرون داشت و او را مطمئن خاطر ساخت ایں وقت وہب باتمام طرب وطلب باز کارزار شد دآغاز گیرودار نمود وایں ارجوزه بسرود۔

انی زعیم لك أمّ وهب
بالطعن فيهم تارة و الضرب
ضرب غلام مؤمن بالرب
حتّٰی یذیق القوم مرّ ایرب
انی امرؤ ذو مرة و غضب
و لست بالخوار عند النکب
حسبی الٰهی من علیم حسبی

وچوں پلنگ درنده ونہنگ دہنده خویش را بر صفوف کوفیاں افگند و از یمین و شمال قتال میداد چندانکه دوازده پیاده و نوزده تن سوار را ہلاک دومار ساخت ایں وقت مردے از لشکر کوفه فرصتی بدست کرده دست راستش را با تیغ از تن باز کرد وہب شمشیر را بدست چپ ماخوذ داشت و پاے از تقدیم جہاد فرونگذاشت مردے از قبیلۂ کنده تیغ بزدودوست چپش را قطع کرد ایں وقت زن وہب عمود خیمه را بگرفت وبحربگاه درآمد وگفت: اے وہب! پدر و مادرم فدائے تو باد چندکه توانی رزم می کن وحرم رسول خدائے را از دشمن دفع میده وہب گفت: اے زن! تو آنکس بودی که مرا بتقاعد از جنگ اے میگماشتی واز جنگ باز میداشتی چه افتاد ترا اکنوں دق الباب مبارزت میکنی و مرا تحریص بجهاد بنمائی گفت: من

آنگاہ دل از جان بر کندم و بزندگانی دنیا پشت پائے زدم کہ ندائے حسین علیہ السلام راشنیدم کہ ہمی گفت: "واغربتاہ و قتلۃ ناصراہ وا وحدتاہ اما من ذاب یذب عنا اما من مجیر یجیرنا۔" آیا کسی ہست کہ دشمن را ازما دفع دہد آیا کسی ہست کہ مارا پناہ دہد و اہلبیت در خیمہا بہلے ہاے میگریستند با خود گفتم کہ زندگانی بعد از آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچہ کار آید عزیمت درست کردم کہ با ایں قوم رزم زنم تا جان برسر ایں کار کنم وہب گفت: اے زن! باز شو کہ ترا جنگ نفر مودہ اند گفت: من روی باز پس نکنم تا باتفاق تو در خون خویش خرطہ زنم وہب را چوں دست نبود کہ اورا ما خوذ دارد بادنداں جامہ اورا بگرفت و بازداشت زن نیرد کرد و خود را برہانید وہب فریاد برداشت و بحضرت حسین علیہ السلام استغاثت برد "فقال الحسین جزیتم من اھل بیت خیرا ارجعی الی النسآء بارك اللہ فیك فانہ لیس علیکن قتال حسین علیہ السلام" فرمود از اہل بیت من جزاے خیر بہرہ شما باد بسرا پردۂ زناں مراجعت کن چہ مقاتلت از براے زناں روا نیست عرض کرد: اے مولاے من! بگذار تا قتال کنم چہ قتل بر من سہل تر می آید از انکہ بدست بنی اُمیہ اسیر باشم آنحضرت فرمود تو باز ناں مابیک حال خواہی زیست داد را بر زبان حفادت وموعظت باز گردانید و از اں سوے وہب را مطروح و مجروح بخاک افگندند زن وہب سرعت کرد خود را برزبر شوی در افگند و از چہرگانش مسح ہمی کرد شمر ذی الجوشن ایں بدید غلام خود را فرمان داد تا گرزی بر سر اُو فرد آورد و اورا باشوہر ہم سفر ساخت اودل زنیست کہ درسپاہ حسین علیہ السلام شربت شہادت نوشید آنگاہ کوفیاں وہب را بزد ابن سعد آوردند "فقال ما اشدّ صولتك" گفت: چہ بسیار سخت وصعب است حملہ تو فرمان داد تا سر شرا از تن برگرفتند و بہ پاہ حسین علیہ السلام پرانید ند مادر وہب سر فرزند را برگرفت و ببوسید و گفت: "الحمدللہ الذی بیض وجھی بشھادتك بین یدی ابی عبداللہ ثم قالت الحکم اللہ یاامۃ السوء! اشھد ان النصارٰی فی بیعھا و المجوس فی کنائسھا خیرمنکم" یعنی سپاس مرا خدا کہ روے مرا بشہادت تو در پیش روے حسین

سفید داشت آنگاہ روے با کوفیان آورد و گفت: اے اُمت نکو! بیدہ گواہی میدہم کہ نصاریٰ در کلیسا و مجوس در کنیسہ بر شما شرف دارند و از روے خشم سر وہب را بسوے سپاہ ابن سعد پرتاب کرد از قضا آں سر بر سینہ قاتل وہب آمد دیدان زخم در گذشت آنگاہ عمود خیمہ بگرفت و بتاخت و دو تن دیگر بخاک انداخت حسین ؑ اورا بازگرد انید "فقال لها اجلسی فقد وضع الجهاد من النسآء فانك وابنك مع جدی محمد فی الجنة" فرمود بجائے بنشیں کہ جہاد بر زناں نیست تو و فرزندت وہب با جدمن محمد در بہشت جائے دارند پس مادر وہب باز شد و گفت: "الٰهی لا تقطع رجائی" حسین ؑ فرمود: "لا يقطع الله رجاك يا ام وهب!" یعنی اے مادر وہب! خداوند قطع نکند امید ترا۔

اس روایت میں وہ تمام رنگ آمیزیاں موجود ہیں جو ذاکرین کے لیے رونق مجلس کا سرمایہ ہیں آپ ملاحظہ فرمایئے کہ صاحب ناسخ کا ماخذ اس روایت کے باب میں طریحیؒ کی کتاب ہے لیکن طریحی نے وہب نام کے دو شہیدوں کا تذکرہ کیا ہے ایک وہب بن وہب جن کے متعلق اُن کا بیان ہے کہ وہ نصرانی تھا اور اپنی والدہ کی ہمراہی میں آکر خدمت امامؑ میں مشرف با اسلام ہوا اور پھر درجۂ شہادت پر فائز ہوا اور دوسرے وہب بن عبداللہ ہیں۔

مذکورہ واقعات میں سے بعض انھوں نے وہب بن وہب کے حال میں لکھے ہیں اور بعض وہب بن عبداللہ کے حال میں لیکن یہ صاحب ناسخ کا ذاتی اجتہاد ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"تحقیق و جستجو سے مجھے ایک وہب سے زیادہ کا واقعات کربلا میں وجود ثابت نہیں ہوا"۔

بہتر! لیکن اگر میں اُن سے یہ مطالبہ کروں کہ آپ نے ان تمام واقعات کو اس مسلسل روایت کی شکل میں اُسی ایک وہب کی نسبت جس کے وجود کو آپ واقعۂ کربلا میں ثابت جتلاتے ہیں کس تاریخی کتاب میں دیکھا ہے؟ تو صاحب ناسخ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔

اب اگر طریحی قابل اعتماد ہیں تو اُن کی اس روایت کو قبول کیجیے کہ واقعۂ کربلا میں دو وہب تھے اور ہر ایک کا واقعہ وہ ہی تھا جو انھوں نے تحریر کیا ہے اور اگر وہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو اُن کے خیالی دو وہبوں کے واقعات کو جو دوسری تاریخوں میں مندرج نہیں ملتے لے کر اُن کو

ایک وہب کے حالات میں سمونے کا کیا حق حاصل ہے؟

ممکن ہے وہ لوگ جو صاحب ناسخ کی محققانہ شان پر ایمان لائے ہوئے ہیں اس سے متعجب ہوں لیکن آپ کو اس کتاب میں قدم قدم پر جو اس طرح کے نمونے نظر آئیں گے اُن سے آخر میں آپ کو میری طرح اس نتیجے تک پہنچنا ناگزیر ہو جائیگا کہ ناسخ کو ایک ادنیٰ درجے کے تحقیق شیوہ مورخ کی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

وہ ایک شاہی کتب خانہ کے مہتمم ضرور تھے اس لیے کتابوں کا ذخیرہ ان کے دیکھنے کے لیے کافی موجود تھا اور انھیں مورخ بننے کا شوق بھی تھا اس لیے انھوں نے لب ولہجہ بیشک محققانہ اختیار کیا ہے روایات میں محاکمہ کیا ہے اور ان کے نتیجے بھی نکالے ہیں لیکن اس سب میں اپنی فروگذاشتیں اور کوتاہیاں نیز غلط اندیشیاں اور خام خیالیاں ہیں جن کی بنا پر اُن کی تحریرات اس سے زیادہ ناقابل اعتبار بلکہ مزاج ذہنی کے لیے خطرناک ہو گئی ہیں جتنے ایک ''مقتل نویس'' کی روایات جن کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ گریہ وبکا کے لیے وہ روایات نقل کر دی جائیں جو کتب میں مذکور و مندرج ہیں اور اس لیے ہر غث وسمین اُس میں بغیر کسی تصرف کے لکھ دیا جاتا ہے۔

زیر بحث روایت کے سلسلے میں، میں جس نتیجے تک پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ شہدائے کربلا میں ''وہب'' نام کے کسی شہید کا وجود ہی نہیں ہے اور وہب کی روایت جو مشہور ہے اُس کی اصل وہی عبداللہ بن عمیرؓ کی روایت ہے جس میں تغیر وتبدل اور اضافہ وتحول کے ساتھ اس روایت کی تشکیل ہو گئی ہے اس کے لیے ملاحظہ ہوں ذیل کے امور۔

(۱) قدیم تاریخ میں جہاں عبداللہ بن عمیر کلبیؓ کی روایت مذکور ہے کوئی تذکرہ اور نام و نشان ''وہب'' نام کے کسی شہید کا نہیں ہے۔

(۲) زیارت شہداؑ جسے سید ابن طاؤس نے زیارت ناحیۂ مقدسہ امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کو اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے اور جس میں نام بنام تمام شہدا کو سلام کیا گیا ہے اُس میں عبداللہ کا ذکر بایں الفاظ موجود ہے: ''السلام علی عبداللہ بن عمیر الکلبی''۔ لیکن کوئی ذکر اُس میں ''وہب'' کا نہیں ہے۔

(۳) عبداللہ بن عمیر کلبیؓ کی روایت میں یہ موجود ہے کہ اُن کی کنیت ''ابو وہب'' تھی اور اُن کی زوجہ جواُن کے ساتھ تھیں اُن کی کنیت ''اُم وہب'' تھی۔

(۴) عبداللہ کی روایت میں یہ خود موجود ہے کہ ''زوجۂ عبداللہ میدان جنگ میں آئی اور اُس نے شوہر کو ترغیب وتحریص کی''۔

(۵) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ کی شہادت کے بعد اُن کی زوجہ اُن کی لاش پر آئی اور شمر کے حکم سے شہید کی گئی۔

(۶) عبداللہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی اُنگلیاں قطع ہو گئی تھیں۔

(۷) وہب بن عبداللہ کلبی کی روایت کے ابتدائی خاکے میں جو ''قرون وسطیٰ'' یعنی ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں نظر آیا ہے اور جسے ہم نے مناقب ابن شہر آشوب سے نقل کیا ہے۔ وہب کے ساتھ اُن کی زوجہ کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے ماں کا ذکر ہے

(۸) وہب کا جو رجز مذکور ہے وہ کچھ مصروں کے اضافے کے ساتھ وہی ہے جو تاریخ طبری وغیرہ میں عبداللہ بن عمیر کا رجز ذکر کیا گیا ہے عبداللہ کا رجز جو طبری میں ہے حسب ذیل ہے:

ان تنکرونی فانا ابن کلب

حسبی ببیتی فی علیم حسبی

انی امرؤ ذو مرۃ وعصب

و لست بالخوار عند النکب

انی زعیم لک ام وھب

بالطعن فیھم مقدما و الضرب

ضرب غلام مؤمن بالرب

اور وہب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اُنھوں نے پہلے یہ رجز پڑھا:

ان تنکرونی فانا ابن الکلبی

سوف ترونی و ترون ضربی

و حملتی و صولتی فی الحرب
ادرك ثاری بعد ثار صحبی
و ادفع الکرب امام الکرب
لیس جهادی فی الوغا باللّعب

اور پھر جب اُن کی والدہ نے دوبارہ یہ کہہ کر بھیجا کہ اپنی جان فرزند رسولؐ پر نثار کرو تو اُنھوں نے یہ رجز پڑھا:

انی زعیم لك امّ وهب
بالطعن فیهم تارة و الضرب
ضرب غلام موقن بالرب
حتّٰی یذوق القوم مرّ الحرب
انی امرؤ ذو مرة و عصب
حسبی قتیل من علیم حسبی

(۹) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہب کا داہنا ہاتھ قلم ہوا۔

(۱۰) جب نوبت فارسی اہل قلم تک پہنچی جن میں اکثر لوگوں کو روایات میں تصرّف کا خاص ملکہ حاصل ہے تو "روضۃ الصفا" مؤلف خاوندشاہی میں اس روایت کے اندر جو مناقب ابن شہر آشوب میں تھی اتنا اضافہ ہو گیا کہ مادرِ وہب کا نام "قمر" تھا اور نیز یہ کہ وہب کی کوئی زوجہ بھی تھی جو اُسے میدان جنگ میں جانے سے روک رہی تھی اُس میں اتنا تصرّف اور بھی ہوا کہ بجائے داہنے ہاتھ کے وہب کا بایاں ہاتھ قلم کیا گیا۔

(۱۱) آخری زمانے کے ارباب مقاتل تک آتے آتے روایت میں طول پیدا ہوا اور صاحب ناسخ کے عہد سے وہ روایت اس شکل میں آ گئی جو اس وقت مشہور ہے۔ اب ماں کے مکالموں کے ساتھ زوجۂ وہب کا صرف نام نہیں بلکہ یہ بھی آ گیا کہ وہ میدان جنگ میں نکلی تھی اور اُس نے شوہر کو ترغیب و تحریص کی اور یہ بھی کہ شوہر کے بعد وہ اُس کی لاش پر آئی اور شہید ہوئی۔ اس

کے علاوہ وہب کے داہنے اور بائیں دونوں ہاتھ قطع ہوئے اور وہ قید ہوئے پھر شہید کیے گئے۔

مذکورہ امور کو دیکھتے ہوئے میرے نزدیک ایک سمجھ ہوا دماغ اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ سب سے پہلے وہب والی روایت جسے مناقب نے درج کی ہے راوی کے بھول چوک یا کاتب کی غلطی سے عالم وجود میں آئی اس طرح کہ عبداللہ بن عمیر کی کنیت ''ابو وہب'' تھی شہید کا نام اس طرح لکھا گیا ہے کہ ''ابو وہب عبداللہ الکلبی'' اتفاق سے نسخے میں غلطی سے ''ابو'' کا لفظ ساقط ہو گیا اب رہ گیا ''وہب عبداللہ'' بعد کے خوش فہم کاتبوں نے دیکھا کہ اس کے کوئی معنی نہیں تو اُنھوں نے درمیان میں ''ابن'' کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ ہو گیا ''وہب بن عبداللہ'' یا کسی خوش حافظہ راوی کو ''ابو وہب'' کنیت کے بجائے ''وہب بن عبداللہ'' یاد رہ گیا۔ اتفاق سے وہ خاتون جس کا تذکرہ روایت میں تھا اُس کی کنیت ''ام وہب'' بھولنے کے قابل نہ تھی کیونکہ وہ رجز میں بصورت نظم موجود تھی (انی زعیم لك ام وهب) لیکن شہید کے ''وہب'' نام ہونے کی صورت میں ''ام وہب'' اُس کی زوجہ نہیں قرار دی جا سکتی تھی لہٰذا اُسے زوجہ کے بجائے ماں قرار دیا گیا اور (انی زعیم لك ام وهب) کے الفاظ بامحل ہونے کے لیے ماں کی ترغیب و تحریص کی ضرورت پیش آئی اور ہاتھ کی اُنگلیاں قطع ہونے سے ہاتھ کٹنے کی تعبیر پیدا ہوئی اور وہ روایت اُس صورت میں آ گئی جو ''مناقب'' میں درج ہے۔

''روضۃ الصفا'' کے راوی کو ''مناقب'' والی روایت کی موجودگی میں کچھ کچھ طبری کی روایت بھی یاد تھی جس میں صاف اس شہید کی نسبت جس کے متعلق یہ روایت مذکور ہے ''زوجہ کا ساتھ ہونا'' اس لیے اُس نے ''مناقب'' والی روایت کے اندر ہی زوجہ کے ذکر کا اضافہ کیا اور اب ایک خاتون کی بجائے دو عورتیں ماں اور زوجہ ہو گئیں ''ام وہب'' نام کی خاتون کی نسبت اُس نے یہ بھی لکھا دیکھا کہ وہ ''نمر قبیلہ'' سے تھی ممکن ہے ''نمر'' کو کاتب نے کچھ اس طرح لکھا ہو کہ ''قمر'' پڑھا گیا اس لیے اُس نے کہہ دیا اُس کا نام ''قمر'' تھا لیکن عربی ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ نام عرب کی عورتوں کے ناموں میں سے جو اُس زمانے میں ہوا کرتے تھے کس درجہ اجنبیت رکھتا ہے۔

صاحب ناسخ نے اس کا نام ''قمری'' لکھا ہے۔ یہ میرے خیال کی تقویت کرتا ہے بظاہر کسی فارسی عبارت میں یوں لکھا ہوگا کہ "آں زن "نمری" بود" یہ نمری نسبت ہے نمر بن قاسط کی طرف جس کے قبیلے سے یہ خاتون تھی لیکن ''نمری'' سے ''قمری'' ہوگیا اور وہ نام قرار دے دیا گیا۔ اگرچہ صاحب ناسخ نے ''قمری'' پر حاشیہ لکھا ہے کہ "قمزی بروزن مأذی" لیکن یہ بھی نام عربی ذوق سے کوسوں دور ہے۔

''مناقب'' کی روایت میں تھا کہ ''داہنا ہاتھ قطع ہوا'' لیکن اس ہاتھ کٹنے کی بنیاد اُنگلیاں قطع ہونے پر تھی۔ اسے ''روضۃ الصفا'' کا راوی بھی سمجھا لیکن انگلیاں کٹنے کے سلسلے میں ''طبری'' کی روایت میں صاف یہ تھا کہ "اطار اصابع کفه الیسری" یعنی ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہوگئیں، اس لیے ''روضۃ الصفا'' نے داہنے ہاتھ کے بجائے یہ لکھا کہ "دست چپ اور انداختند"

اس کے بعد جس وقت نوبت صاحب ناسخ تک پہنچی تو اتنے زمانے میں ایک طرف عبداللہ بن عمیرؓ کی پوری روایت جو طبری میں تھی ''وہب'' کی روایت میں جو مناقب کے اندر تھی سموئی جا چکی تھی اس لیے زوجہ کا میدان جنگ میں آنا اور ترغیب و تحریص کرنا، نیز زوجہ کا لاش پر آنا اور شہید ہونا جس کا وہب کی روایت میں پہلے پتا بھی نہ تھا وہ سب وہب کی روایت میں داخل ہوگیا اور دوسری طرف ناسخ نے طریحی کی دو روایتوں کو جو وہب بن وہب اور وہب بن عبداللہ کے نام سے تھیں ایک دوسرے میں سمو دیا جس سے وہ پوری روایت تیار ہوگئی جو اس کے پہلے موجود نہ تھی۔

پہلی ہی آمیزش کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ مناقب کے رو سے داہنا ہاتھ اور روضۃ الصفا کی رو سے بایاں ہاتھ یہ دونوں جمع ہوگئے اور اس روایت میں عبداللہ بن عمیرؓ کے داہنے اور بائیں دونوں ہی ہاتھ قطع کر ڈالے گئے۔

میری اس رائے کو کہ ''وہب'' کی شہادت کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ عبداللہ بن عمیرؓ کی شہادت ہے اس سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے کہ اگر وہب بن عبداللہ کلبی

کی شہادت کو بھی کربلا میں تسلیم کیا جائے جیسا کہ مناقب وغیرہ کی روایت پر ایمان لانے کا تقاضا ہے اور عبداللہ بن عمیر کلبیؓ کی شہادت کو بھی تسلیم کیا جائے جیسا کہ طبری کی روایت کا تقاضا ہے اور زیارت کی تصریح ہے اور خود مناقب میں بھی بسلسلۂ شہدا اُن کا نام موجود ہے اگرچہ اُنھیں ''حملۂ اولیٰ'' کے شہدا میں قرار دیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں شہید باہم باپ اور بیٹے کا رشتہ رکھتے تھے۔ اس کے لیے تاریخ اور روایت میں یہ ضرور مذکور ہونا چاہیے تھا کہ عبداللہ بن عمیرؓ کے ساتھ اُن کے فرزند وہب بھی تھے جو شہید ہوئے یا وہب کے ساتھ اُن کے والد عبداللہ بھی تھے جو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے لیکن تاریخ میں کوئی اشارہ اس طرح کا موجود نہیں۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبیت رکھتے ہیں کیونکہ وہب کی جو روایت ہے اُس میں بھی اُن کے رجز میں ہے: "حسبی قتیل من علیم حسبی" اور عبداللہ بن عمیرؓ کے رجز میں بھی ہے: "حسبی بیتی فی علیم حسبی" اس سے ظاہر ہے کہ دونوں ''علیم بن جناب'' کے گھرانے کے ہیں۔ نیز اس سے بھی باپ بیٹا ہونا ظاہر ہے کہ ''ام وہب'' عبداللہ بن عمیرؓ کی زوجہ ہے اور وہب کی والدہ۔ نیز اس لیے کہ عبداللہؓ کی کنیت ابو وہب تھی۔

عبداللہ بن عمیرؓ کے بارے میں صاحب ناسخ کے قلم کی بدحواسیاں انتہائی پُرلطف ہیں اُنھوں نے سب سے پہلے عبداللہ بن عمیر کلبیؓ کو مقتول اول قرار دیا ہے اور طبری والی پوری روایت درج کی ہے حالانکہ طبری میں اُن کے مقتول اول ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ بے شک! وہ مجاہد اول ہیں لیکن شہید وہ پہلے نہیں ہوئے ہیں اس کے بعد پھر انھوں نے عبداللہ بن عمیرؓ کو صاحب مناقب کا حوالہ دیتے ہوئے ''حملۂ اولیٰ'' کے مقتولین میں ذکر کیا ہے اور تیسری بار اُن شہداؑ کے تذکرے میں جنھیں مورخین ومحدثین میں سے کسی نے بھی اپنی مصنفات میں ذکر نہیں کیا ہے اور صرف ''زیارت شہداؑ'' میں اُن کا نام آیا ہے۔ کیا اتنا اضطراب بیان کسی مورخ کے شایان شان ہے؟

3۔ منجح بن سہمؑ

خاندان رسالت کے ساتھ علاوہ محبت وایمان کی غلامی کے بندگی کی حیثیت سے بھی رشتۂ غلامی رکھتے تھے۔شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرتؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اور زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ ''حسینیہ'' حضرت امام حسین علیہ السلام کی کنیز تھی جسے حضرتؑ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خرید فرمایا تھا،حضرتؑ نے اُس کا عقد ''سہم'' کے ساتھ کر دیا جس سے منجح کی ولادت ہوئی اور اس اعتبار سے ''منجح'' امام حسین علیہ السلام کے غلام ہوئے یہ کنیز سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر میں خدمت کرتی تھی جب حضرت سید الشہداؑ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو وہ اپنے فرزند منجح سمیت حضرتؑ کے ہمراہ تھی۔

اس روایت کو علامہ شیخ عبداللہ مامقانی طاب ثراہ نے اپنی کتاب ''تنقیح المقال فی علم الرجال'' (مطبوعۂ نجف ج ۳ ص ۲۴۷) میں درج کیا ہے۔

فاضل سماوی کا بیان اس کے خلاف ہے وہ لکھتے ہیں: ''کہ منجح امام حسن علیہ السلام کے غلام تھے اور وہ کربلا میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ آئے تھے''۔(ابصار العین صفحہ ۵۴)

بہرحال اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ''منجح'' نے کربلا میں درجۂ شہادت کے ساتھ کامیابی حاصل کی ''زیارت شہداؑ'' میں جو ناحیۂ مقدسہ کی طرف نسبت رکھتی ہے اُن پر بایں الفاظ سلام موجود ہے کہ ''السلام علی منجح مولی الحسین بن علی علیہ السلام''۔

یہ نسخہ زیارت کا اگر صحیح ہے تو وہ پہلی روایت کا مؤید ہے۔

کربلا میں ان کی شہادت اوائل جنگ کے واقعات میں سے حملۂ اولیٰ کے پہلے ہے۔

''حدیقہ وردیہ'' کے مصنف نے اُن کے قاتل کا نام حسان بن بکر حنظلی لکھا ہے۔

صاحب ناسخ نے اُن کا نام اُن شہدا میں درج کیا ہے جن کا تذکرہ مورخین ومحدثین کسی نے نہیں کیا ہے بس اُن کا نام زیارت شہداؑ میں وارد ہوا ہے (ناسخ التواریخ ج ٦ ص ۲۷۹)

لیکن ہمارے گذشتہ بیان سے ظاہر ہو گیا کہ ناسخ کا یہ اظہار درست نہیں ہے۔

4۔ عمرو بن خالدؓ

نام و نسب:

عمرو بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصیداوی۔
(تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۳۰)

ابتدائی واقعات:

یہ کوفہ کے اشراف میں سے اور اہلبیت علیہم السلام کے بڑے سچے محب تھے۔ شروع میں جناب مسلمؑ کے ساتھ نصرت کے لیے کھڑے ہوئے جب اہل کوفہ نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مثل دوسرے افراد شیعہ کے یہ بھی روپوش ہو گئے یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام عراق کے حدود میں پہنچے اور آپؑ نے قیس بن مسہر صیداویؓ کو اپنی آمد کے اطلاعی خط کے ساتھ کوفہ روانہ کیا اور قیسؓ راستے میں گرفتار ہو گئے اور اُن کے قتل کا حکم ہوا لیکن اُنھوں نے مرتے مرتے امام حسین علیہ السلام کی سفارت ادا کردی کہ امام حسین علیہ السلام ''مقام حاجز'' میں پہنچ گئے جس کو جانا ہو اُن کے پاس جائے۔ یہ خبر عمر بن خالدؓ کو پہنچی تو یہ اپنے غلام سعدؓ اور تین دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا امامؑ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور دلیل راہ (راستہ بتانے والے) ان کے طرماح بن عدی ہوئے۔ یہ لوگ غیر معروف راستے سے تیز رفتاری کے ساتھ ''عذیب الہجانات'' میں امامؑ کی خدمت میں پہنچے۔

یہ وہ وقت تھا کہ جب حر بن یزید ریاحیؓ امامؑ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے پہنچ گیا تھا چنانچہ حرؓ نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ لوگ آپؑ کے ساتھ نہیں آئے تھے اس لیے یا تو میں انھیں گرفتار کر کے قید کرلوں گا یا کوفہ واپس کروں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا: ''اب جبکہ یہ میرے پاس پہنچ گئے اور میری امان میں آگئے تو میں انھیں تمھارے سپرد نہیں کرسکتا''۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۰)

کارزارِ وشہادت:

روزِ عاشور جنگ چھڑنے کے بعد یہ اور ان کے ساتھی وہ پانچ آدمی تھے جنھوں نے بیک وقت فوجِ دشمن پر حملہ کیا اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے "محاربہ کربلا" (مطبوعہ یوسفی پریس صفحہ ۲۰) میں ان کے واقعۂ شہادت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے اور اُس پر نتائج مرتب کیے گئے ہیں۔

زیارت شہداؑ میں ان کے سلام کے یہ الفاظ ہیں:

"السلام علی عمر بن خالد الصیداوی"

مناقب ابن شہرآشوب میں وہب کلبی کی جنگ کے بعد عمر بن خالد ازدی کی جنگ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُنھوں نے یہ رجز پڑھا:

الیوم یا نفس الی الرحمٰن
تمضین بالروح و بالریحان
الیوم تجزین علی الاحسان
ما خط فی اللوح لدی الدیان
لا تجزعی فکل حی فان

(مناقب ج ۴ ص ۹۴)

اگر ان کو عمر بن خالد اسدیؒ ہی سمجھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ "ازدی" کا لفظ کتابت کی غلطی ہے جیسا کہ خیال یہی ہوتا ہے تو یہ روایت کہ انھوں نے تنہا مبارزطلبی اور جنگ کی اور شہادت پائی گذشتہ روایت کے منافی قرار پاتی ہے۔

صاحب ناسخ نے بھی اس بارے میں مناقب کا تتبع کیا ہے (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۴) لیکن انھوں نے اس کے چند اوراق بعد بہت سے شہداؑ کے تذکرے کے بعد پھر عمرو بن خالد صیداوی کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے۔

دیگر عمرو بن خالد صیداوی بحضرت امامؑ آمد "فقال: یا ابا

عبداللہ! قد هممت ان الحق اصحابي و کرهت ان اتخلف وارك وحيدا من اهلك قتيلا"۔ عرض کرد: یا اباعبداللہ علیہ السلام! عزیمت درست کردہ ام کہ بابر ادران ومصاحبان خود بپیوستہ شوم ومکروہ می شمارم کہ از ایشان تخلف کنم وترا تنہا و مقتول بینم "فقال له: الحسين علیہ السلام تقدم فانا لاحقون بك عن ساعة"۔ فرمود تاختن کن و رزم میزن کہ ہم دریں ساعت من با تو ملحق خواہم شُد پس بتاخت وتنی چند را بخاک بینداخت وہم بخاک درافتاد و جان بداد۔ (ناسخ التواریخ۔ ج۶ ص ۲۷۳)

مگر واقعۂ کربلا میں دو عمرو بن خالد کا وجود ہے جن میں سے ایک "ازدی" ہوں دوسرے "صیداوی" قطعاً ثابت نہیں ہے اس لیے اسے صاحب ناسخ کی اُن بہت سی فروگذاشتوں میں سے سمجھنا چاہیے جن کی مثالیں آپ کے سامنے آتی رہیں گی۔

5۔ سعد مولیٰ عمرو بن خالدؓ

عام طور سے کتابوں میں "سعد" نام درج ہے (ابصار العین ص ۶۸)
لیکن زیارت شہداء میں "سعید" نام مذکور ہے اگر نسخے میں غلطی نہ مانی جائے تو یہ گذشتہ اندراج کے خلاف ہے۔

صاحب ناسخ نے بھی اُن شہداء کے تذکرے میں جن کا ذکر مؤرخین ومحدثین نے نہیں کیا ہے اور صرف اُن کے نام زیارت شہداء میں مذکور ہوئے ہیں "سعید مولی عمر بن خالد الصیداوی" لکھا ہے۔

طبری وغیرہ میں ان کے نام کے ساتھ ولدیت نہیں مذکور ہے لیکن علامہ عبداللہ مامقانی نے "تنقیح المقال" میں ان کے محل پر لکھا ہے "سعد بن عبداللہ" اور بیان کیا ہے کہ شیخ نے اپنی کتاب الرجال میں اسی عنوان سے بغیر کسی لقب اور وصف کے ان کا نام اصحاب حسین علیہ السلام میں مندرج کیا ہے۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ شریف النفس اور بلند ہمت غلام تھے جنھوں نے اپنے مالک عمرو بن خالدؒ کا آخر وقت تک ساتھ دیا۔ وہ اپنے مالک کے ساتھ اسی مختصر قافلے میں آ کر امامؑ سے ملحق ہوئے تھے جو ''عذیب الہجانات'' میں امامؑ کے پاس پہنچا تھا جس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے اور میدان جنگ میں بھی وہ انہی ہمراہیوں کے جتھے میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس واقعے کا اجمالی اشارہ اور تفصیلی حوالہ ابھی حوالہ قلم ہوا ہے۔

6۔ مجمع بن عبداللہؓ

نام و نسب:

مجمع بن عبداللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبد مناۃ بن سعد العشیرۃ المذحجی العائذی۔ (اصابہ ج ۳ ص ۹۴)

خصوصیات:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں ان کا تذکرہ اُن تابعین کے ذیل میں کیا ہے جو بزمانۂ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متولد ہوئے اور لکھا ہے:

"کان مع الحسین بن علی بالطف فقتل ذکرہ ابن الکلبی وکان لابیہ ادراک"۔

''یہ حسین بن علی علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اور شہید ہوئے۔ اس کا تذکرہ ابن کلبی نے کیا ہے اور ان کے والد نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے شرف کو حاصل کیا تھا''۔

خود ''مجمع'' حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین کے واقعات میں اُن کا ذکر پایا جاتا ہے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۵۳)

امامؑ سے ملاقات:

یہ بھی اُن پانچ اشخاص میں سے تھے جو مقام "عذیب الہجانات" میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس کا تفصیلی تذکرہ عمرو بن خالد صیداویؒ کے حال میں ابھی ابھی آچکا ہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر تاریخ میں اس طرح آیا ہے کہ امامؑ نے ان لوگوں سے کوفہ کی حالت پوچھی تو مجمع بن عبداللہ عائذیؒ نے کہا:

"اما اشراف الناس فقد اعظمت رشوتھم وملأت غرائرھم یستمال ودھم ویستخلص بہ نصیحتھم فھم الب واحد علیک واما سائر الناس بعد فان افئدتھم تھوی الیک وسیوفھم غدا مشھورۃ علیک"۔

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۰)

"بڑے بڑے آدمی اُن کو تو بڑی رشوتیں دی گئیں ہیں اور گٹھریاں بھر بھر کر مال و دولت عطا کیا گیا ہے تاکہ وہ موافق رہیں اور خیر خواہی کرتے رہیں اس لیے یہ لوگ تو آپؑ کے خلاف متفق ہیں۔ رہ گئے عام افراد اُن کے دل تو آپؑ کی طرف جھکتے ہیں مگر تلواریں اُن کی کل آپؑ کے خلاف کھنچی ہوئی ہوں گی"۔

یہ کتنی صحیح تشریح ہے خلقت کے طرزِ عمل کی جو بالکل نفسیات کے مطابق ہے۔

شہادت:

یہ روز عاشور بھی اپنے اُسی جتھے کے ساتھ رہے جس میں آئے تھے اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنھوں نے بیک وقت فوج دشمن پر حملہ کیا تھا جنگ کی اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ابن شہر آشوب نے ان کا تذکرہ اُن شہدا میں کیا ہے جو حملۂ اولیٰ کی جنگ مغلوبہ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت شہداؑ میں ان کے لیے بھی سلام موجود ہے:

"السلام علی مجمع بن عبداللہ العائذی"۔

7۔ عائذ بن مجمعؓ

یہ مجمع بن عبداللہ عائذیؒ کے فرزند تھے اور اپنے والد کے ساتھ اُسی جماعت میں جو ''عذیب الہجانات'' پہنچی تھی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اپنے والد ہی کے ساتھ اُسی جماعت کی شرکت میں جنگ کی اور شہید ہوئے۔ (ابصار العین ص ۸۶)

8۔ جنادۃ بن حارث سلمانیؓ

''سلمان'' قبیلہ مراد کی ایک شاخ اور ''مراد'' قبیلہ مذحج کا ایک شعبہ ہے۔ جنادہ بن حارثؓ کوفہ کے باشندے تھے۔

شیخ طوسیؒ نے کتاب الرجال میں ان کا نام اصحاب امام حسین علیہ السلام میں درج کیا ہے۔

اور فاضل سماوی نے لکھا ہے کہ: ''وہ اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے تھے اور جنگ صفین میں امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جہاد کیا تھا''۔ (تنقیح المقال ص ۲۳۴)

یہ فقرہ دونوں کے یہاں متفقہ حیثیت سے ہے کہ: ''وہ مشاہیر شیعہ سے تھے''۔

جب مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں امام حسین علیہ السلام کی بیعت لے رہے تو جنادہؓ نے عہد وفاداری کے ساتھ بیعت کی اور مسلمؑ کے ساتھ جہاد میں شریک بھی ہوئے مگر جب مسلمؑ کے خلاف حالات نے پلٹا کھایا۔ تو یہ بھی مثل دیگر اشخاص کے مخفی ہوئے اور آخر اُسی جماعت میں شامل ہو گئے جو عمرو بن خالد صیداویؒ اور مجمع بن عبداللہ عائذیؒ وغیرہ پر مشتمل تھی یہ بھی ''عذیب الہجانات'' میں امامؑ کی خدمت میں ملحق ہوئے اور اپنی اُسی جماعت کے ساتھ رہ کر جنگ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس واقعے کا تذکرہ عمرو بن خالدؓ اور اُن کے دوسرے رفقا کے حال میں اجمالاً و اشارۃً ہو چکا ہے۔

تاریخ طبری میں اس موقع کے حال میں ان کا نام ''جابر بن حارث سلمانی'' لکھا ہے

(مناقب ج ۴ ص ۹۵) یہ بظاہر غلط شائع ہوا ہے۔

زیارت شہداؑ کے اُس نسخے میں جو میرے پیش نظر ہے ان کا نام اس طرح ہے۔

"السلام علی حیان بن حارث السلمانی الازدی"۔

اور ناسخ میں بھی جہاں اس زیارت کو نقل کیا ہے یہ الفاظ اسی طرح ہیں۔ لیکن اس کا غلط ہونا بھی ظاہر ہے۔ اسی لیے صاحب ناسخ نے شہیدوں کے حالات میں کہیں "حیان بن حارث" کی شہادت کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

صاحب ابصار العین نے تصریح کی ہے کہ:

"جنادة" بالجيم والنون والالف والدال المهملة وبعدها الهاء و يصحف بجبار وحيان ولكن المضبوط ذلك"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں جنادہؓ کو "جبار" بھی لکھا گیا ہے لیکن وہ بھی غلط ہے۔

ابن شہر آشوب نے نافع بن ہلال جملی کی شہادت کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ:

پھر جنادہ بن حارث انصاری میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا جناد و انا ابن الحارث
لست بخوارٍ و لا بناكث
عن بيعتي حتّى يرثني وارثي
اليوم ثاري في الصعيد ماكث

اور اُنھوں نے سولہ آدمی قتل کیے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

اور انھیں کوئی دوسرا شخص فرض نہ کیا جائے تو یہ گذشتہ روایت کے خلاف ہے اور چونکہ مناقب کی اس طرح کی روایتوں میں گوناگوں کمزوریاں موجود ہیں جو اس کتاب میں نذرِ ناظرین ہوتی رہیں گی اس لیے اس روایت پر بھی اعتماد مشکل ہے۔

۹۔ جندب بن حجیر کندی خولانیؒ

کوفہ کے باشندے اور ممتاز شیعی افراد میں سے تھے۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور جنگ صفین میں ''کندہ'' اور ''ازد'' کے رسالوں کے افسر تھے۔
(تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۳۶)

جب امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف راہ پیما تھے تو حرؑ کی ملاقات سے پہلے ہی یہ خدمت امامؑ میں جا کر ہمراہی کے شرف سے بہرہ یاب ہوئے اور روز عاشور جنگ کے ابتدائی ہنگام میں جنگ کر کے شہید ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۰۴)

زیارت شہداؑ میں اُن کا نام اس طرح ہے:

"السلام علی جندب حجر الخولانی"

اور صاحب ناسخ نے بھی اُن شہدا کے ذیل میں جن کا تذکرہ مورخین ومحدثین نے نہیں کیا ہے اور صرف زیارت میں اُن کا نام وارد ہوا ہے ''جندب بن حجرؒ'' ہی تحریر کیا ہے۔
(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

حدائق وردیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ''اُن کے فرزند ''حجیر بن جندب'' بھی اُنہی کے ساتھ شہید ہوئے''۔

لیکن یہ امر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے۔ اُن زیارتوں میں بھی جو شہدائے کربلاؑ کے تذکرے پر مشتمل ہیں اُن کا تذکرہ نہیں ہے۔ (ابصار العین ص ۱۰۴)

حملہ اولیٰ کے شہدا

اب ''حملہ اولیٰ'' کے شہداؑ کا سلسلہ ہے جن کی تعداد بتصریح مورخین پچاس تک پہنچتی ہے اور جن میں نہیں کہا جا سکتا کہ کون پہلے شہید ہوا اور کون بعد میں؟ اسی لیے ''محاربہ کربلا'' میں، میں نے اُن کے نام ''حروف تہجی'' کی ترتیب سے درج کیے ہیں اور اس موقع پر اُن کے حالات بھی اُسی ترتیب سے تحریر کیے جاتے ہیں۔

10۔ ادہم بن امیہ عبدی بصریؓ

قبیلہ عبد قیس سے تھے اور بصرہ کے باشندے تھے۔ بصرہ میں ایک خاتون ''ماریہ بنت سعد یا بنت منقذ'' جو شیعہ اور اہلبیتؑ کی چاہنے والی تھی اور اُس کے مکان میں اکثر شیعیان اہلبیتؑ کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام نے مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانگی کا قصد کیا اور ابن زیاد کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کی طرف گورنری پر ہوا اور بصرہ کے گورنر کی جانب سے ناکہ بندی کا انتظام ہوا کہ کوئی شخص نصرت حسین علیہ السلام کے لیے بصرہ سے نہ جانے پائے۔ تو ماریہ عبدیہ کے مکان میں یزید بن شبیط قیسیؓ نے نصرت حسین علیہ السلام کے لیے جانے کا عزم ظاہر کیا۔

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۹۸)

اور یہ قصد خطرے سے خالی نہ تھا اور مشکل تھا کہ اُس نازک حالت میں جبکہ راستے بند ہیں کچھ زیادہ لوگ اس عزم و ارادے کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہوئے مگر یزید کے دو فرزند اور چار دوسرے اشخاص تھے جنھوں نے یزید بن شبیطؓ کے ساتھ اتحادِ عمل کیا۔ اُنھوں نے اپنی جان پر ٹھان لی اور مقام ''ابطح'' میں جو مکہ معظمہ ہی کے حدود میں تھا پہنچ کر امامؑ کی ہمراہی اختیار کی۔ ان چار اشخاص میں ایک ادہم بن امیہؓ تھے۔ (ابصار العین ص ۱۱۰)

ادہمؓ روز عاشور حملۂ اولیٰ جو ظہر سے قبل واقع ہوا تھا اس میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

11۔ امیہ بن سعد بن زید طائیؓ

''قبیلۂ طے'' میں سے بہادر، جنگ آزما، شہسوار اور امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں محسوب تھے۔ آپؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شرکت بھی کی تھی اور کارنمایاں انجام دیا تھا۔

(تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۵۳)

اس کے بعد کوفہ میں قیام رہا۔ جب امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کی خبر پہنچی تو گفتگوئے صلح کے زمانے میں کوفہ سے کربلا پہنچے اور امامؑ کی ہمراہی اختیار کی۔ بقول علامہ مامقانی یہ آٹھویں

محرم کی شب کا واقعہ ہے۔ امیہؓ روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔
(ابصار العین ص ۱۱۴)

12۔ جابر بن حجاج تیمیؓ

''قبیلۂ تیم اللہ بن ثعلبہ'' میں سے عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے کوفہ کے باشندے، بہادر اور شہسوار تھے، پہلے جناب مسلم ابن عقیلؑ کی حمایت کے لیے کمر بستہ ہوئے مگر حالت کے دگرگوں ہونے کے ساتھ مثل دوسرے بہت سے افراد کے وہ بھی اپنے قبیلے میں پوشیدہ ہو گئے جب امامؑ کے کربلا میں وارد ہونے کی اطلاع ہوئی تو یہ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور خفیہ طریقے سے آ کر حضرت سید الشہداءؑ کے انصار میں شامل ہو گئے۔
(تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۹۸)

جابرؓ روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد حملۂ اولیٰ میں دوسرے شہداء کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۱۲)

13۔ جبلۃ بن علی شیبانیؓ

کوفہ کے باشندے، بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت مسلمؑ کی نصرت کے لیے بھی کمر بستہ ہوئے تھے اور مثل دیگر اشخاص کے اُن کی تنہائی و بے یاوری کے بعد یہ بھی اپنے قبیلے میں روپوش ہو گئے اور جب امام حسین علیہ السلام کربلا میں پہنچے تو آ کر رفقائے امام علیہ السلام میں شامل ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۲۴)

میرا خیال یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ جن کے متعلق ملتا ہے کہ اُنھوں نے حضرت مسلمؑ کی بیعت کی تھی اور پھر مخفی ہو گئے وہ لوگ وہ ہوں گے جو موقع جنگ پر مسلمؑ کے پاس پہنچ ہی نہ سکے اور اس صورت حال کی بنا پر جس کا میں نے رسالہ ''قاتلانِ حسینؑ کا مذہب'' میں کافی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، یہ یقینی ہے کہ سب لوگ جنھوں نے مسلمؑ کی بیعت کی تھی اُن کا مسلمؑ

تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔

ابن شہرآشوب کی تصریح کے مطابق وہ اُن ہی شہدا میں ہیں جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ زیارت شہدا میں اُن پر سلام موجود ہے:

"السلام علی جبلة بن علی الشیبانی"۔

14۔ جنادة بن کعب بن حارث انصاری خزرجیؓ

امامؑ کی ہمراہی میں مکۂ معظمہ سے متعلقین سمیت ساتھ آئے تھے اور حملۂ اولیٰ میں جنگ کر کے شہید ہوئے۔

زیارت شہدا میں جو ناحیۂ مقدسہ کے اسناد سے سید ابن طاؤس نے نقل کی ہے اُن پر سلام میری نظر سے نہیں گذرا مگر علامۂ مامقانی طاب ثراہ نے زیارت کے حوالے سے اُن پر سلام بایں الفاظ نقل کیا ہے:

"السلام علی جنادة بن کعب بن الحارث الانصاری الخزرجی و ابن عمرو بن جنادة"۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۳۴)

ممکن ہے یہ زیارت کوئی دوسری ہو۔

ان کے فرزند عمرو بن جنادة کا تذکرہ اس کے بعد آئے گا۔

15۔ جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمیؓ

قبیلۂ بنی تیم میں سکونت رکھتے تھے اس لیے اُسی قبیلے کی طرف منسوب ہوئے اور جب کوفہ کے تمام قبائل امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لیے بھیجے جا رہے تھے تو یہ قبیلۂ بنی تیم کے ساتھ عمر سعد کی فوج میں کربلا پہنچے اور جب امام حسین علیہ السلام کے پیش کردہ شرائط صلح نامنظور ہوئے اور جنگ کے آثار نظر آنے لگے تو یہ اسی قبیلے کے چند دوسرے اشخاص کے ساتھ شب کے وقت عمر سعد کی فوج سے جدا ہو کر رفقائے امامؑ کی جانب آ گئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ

شہادت پر فائز ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۴۰ و ابصار العین ص ۱۱۳)

زیارت شہدا کا جو نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اُس میں ان کا نام اس طرح ہے:

"السلام علی جون بن مالک ضبعی"۔

لیکن صاحب ناسخ نے جو اس زیارت کو نقل کیا ہے اُس میں ہے:

"السلام علی حوی بن مالک ضبعی" (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴)

اور صاحب الناسخ نے اُن شہدا کی فہرست میں جن کا تذکرہ مؤرخین و محدثین نے نہیں کیا اور صرف زیارت میں اُن کا نام مندرج ہے وہاں بھی "حوی بن مالک ضبعی" لکھا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

لیکن اس سب کے برخلاف علامہ مامقانی نے زیارت کے حوالے سے "جوینؓ" ہی پر سلام نقل کیا ہے۔

ابن شہر آشوب نے عمرو بن مطاع جعفیؒ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ: "پھر جون بن ابی مالک موئی ابی ذر میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"کیف تری الفجار ضرب الاسود.... الخ۔" (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُنھوں نے جون موئی ابی ذر الغفاریؓ اور جوین بن مالکؓ دونوں کے حال کو خلط ملط کر دیا ہے اس قسم کی غلطیاں مناقب میں بھی بہت ہیں۔

16۔ حارث بن امرأ القیس بن عابس کندیؒ

شجاعانِ روزگار میں سے عابد و زاہد تھے اور لڑائیوں میں کارنمایاں انجام دے چکے تھے۔ اُن کے مذہبی احساس اور ثبات و استقلال کے لیے یہ واقعہ یادگار ہے کہ "قلعۂ مجیر" کے حصار میں وہ موجود تھے۔ جب مرتدین اُس قلعے سے باہر نکال کے قتل کیے جانے لگے تو حارثؓ نے اپنے حقیقی چچا پر حملہ کیا۔ اُس نے کہا: "میں تو تمھارا چچا ہوں"۔ حارثؓ نے کہا: "اور خدا میرا پروردگار ہے اُس کا حکم مقدم ہے" یہ کہہ کر اُسے قتل کر ڈالا۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۴۳)

کربلا میں یہ بھی عمر سعد کی فوج میں آئے تھے لیکن شرائط صلح نامنظور ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ ہوئے اور امامؑ کے ساتھ ہو گئے حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

17۔ حارث بن نبہانؓ

''نبہان'' حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ کے غلام، بہادر اور شہسوار تھے جنگ اُحد میں جناب حمزہؑ کی شہادت ہوئی اس کے دو برس بعد نبہان نے دنیا سے مفارقت کی۔
(تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۴۸)

ان کے فرزند حارثؓ نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور پھر امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں رہے جب سید الشہداء علیہ السلام نے مدینۂ منورہ سے ہجرت فرمائی تو حارثؓ بھی ہمراہ رکاب ہوئے اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت کو حاصل کیا۔ (ابصار العین ص ۵۵)

18۔ حباب بن حارثؓ

علامہ ابن شہر آشوب نے حملۂ اولیٰ میں ان کا بھی نام درج کیا ہے (مناقب ج ۴ ص ۹۹) ان کے حالات بالکل معلوم نہیں ہو سکے۔

19۔ حباب بن عامر بن کعب تیمیؓ

''قبیلۂ تیم اللات بن ثعلبہ'' میں سے کوفہ کے باشندے شیعیان اہلبیتؑ میں سے تھے اور جناب مسلم بن عقیلؑ کی بیعت کی تھی۔ جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد اپنے قبیلے میں پوشیدہ ہو گئے۔ جب امام حسین علیہ السلام کی کوفہ کی جانب روانگی کی اطلاع ہوئی تو خفیہ طریقے پر کوفہ سے باہر نکلے اور راہ میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر ہمراہ رکاب ہوئے۔ عاشور کے دن قبل ظہر حملۂ اولیٰ میں شہادت پائی۔ (ابصار العین ص ۱۱۳)

20۔ حبشۃ بن قیس النہمیؒ

ان کا پورا نام ونسب یہ ہے:

حبشۃ بن قیس بن سلمۃ بن طریف بن ابان بن سلمۃ بن حارثہ ھمدانی

نہمی۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ ان کے دادا "سلمۃ بن طریف" "صحابیٔ پیغمبرؐ میں سے تھے اور خود "حبشہ بن قیس" راوی حدیث ہیں۔ یوم طف (روز عاشور) حسین بن علیؑ کے ساتھ شہادت پائی۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۰۶)

اصابہ ج ۲ ص ۲۲۳ میں ایک دوسری جگہ ان کا نام "جعبیہ بن قیس" لکھا ہے جو کاتب کی غلطی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

"محاربہ کربلا" میں ان کا نام میں نے حبشی بن قیس" لکھا ہے جو ابصار العین کے تتبع میں ہے لیکن تحقیق سے اس کے خلاف ثابت ہوا۔

21۔ حجاج بن زید سعدی تمیمیؒ

"قبیلۂ بنی سعد بن تمیم" میں سے بصرہ کے باشندے تھے امام حسین علیہ السلام نے مکۂ معظمہ سے روانگی کے موقع پر چند خط روسائے بصرہ کے نام پر روانہ فرمائے تھے۔ جن میں سے ایک مسعود بن عمرو ازدیؒ کے نام تھا (طبری ج ۶ ص ۲۰۰)۔

مسعودؒ نے اپنے قبیلے کے تمام اقوام بنی تمیم۔ بنی حنظلہ، بنی سعد اور بنی عامر کو مجتمع کر کے تقریر کی اور نصرت امام حسین علیہ السلام کے لیے آمادہ کیا۔ جن میں سے بعض نے ساتھ دینے میں تامل کیا اور بعض نے اعانت ونصرت کا پختہ وعدہ کیا۔ مسعود نے اس صورت حال سے مطمئن ہوکر ایک خط امامؑ کے نام تحریر کیا جس میں امامؑ کی تشریف آوری عراق پر اظہار مسرت کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ: "میں نے بنی تمیم اور بنی سعد کے تمام تر افراد کو آپؑ کی نصرت کے لیے آمادہ

کرلیا ہے اور وہ سب آپؑ پر اپنی جان نثار کریں گے"۔

یہ خط حجاج بن زید سعدیؒ کے ہاتھ روانہ کیا گیا وہ امامؑ کی خدمت میں کربلا میں آکر شرفیاب ہوئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۲۲، ۱۲۴)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام بایں الفاظ ہے:

"السلام علی الحجاج بن زید السعدی"۔

اور صاحب ناسخ نے ان کا نام اُن شہداؑ کی فہرست میں درج کیا ہے جنھیں مؤرخین و محدثین نے نظر انداز کر دیا ہے اور صرف زیارت سے اُن کے نام کا پتا چلتا ہے۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

تنقیح المقال میں بھی اُن کا نام اسی طرح ہے۔

اس سب کے برخلاف ابصار العین میں اُن کا نام "حجاج بن بدر التمیمی السعدی" لکھا ہے۔ جس کے تتبع میں میں نے بھی "محاربہ کربلا" میں اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے جو یقیناً محتاج اصلاح ہے۔

22۔ حلاس بن عمرو ازدی راسبیؒ

اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے تھے اور حضرتؑ کے زمانۂ خلافت میں کوفہ میں پولیس افسر کی حیثیت رکھتے تھے۔ کربلا میں ابن سعد کی فوج کے ساتھ آئے اور گفتگوئے مصالحت کے ناکام ہونے پر مخفی طریقے سے شب کے وقت امام حسین علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گئے۔ (ابصار العین ص ۱۰۹)

ابن شہر آشوب نے اُن کا نام حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں درج کیا ہے۔

(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

ان کے نام کے متعلق شیخ طوسیؒ کی تصریح ہے کہ "اجلاس" بوزن "غراب" ہے اور بعض لوگوں نے "خلاس" لکھا ہے اور مناقب کے مطبوعہ نسخے میں "حلاسی" ہے لیکن یہ چھاپہ

کی غلطی ہے۔

ان کے بھائی نعمان بن عمرو ازدیؓ کا تذکرہ اس کتاب میں اس کے بعد آئے گا۔

23۔ حنظلہ بن عمر شیبانیؓ

ابن شہر آشوب نے ان کا نام حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

24۔ زاہر بن عمرو اسلمی کندیؓ

اصحاب رسولؐ میں سے راوی حدیث اور بیعت رضواں کے شرف سے بہرہ اندوز تھے، صلح حدیبیہ کے بعد جنگ خیبر میں بھی شریک جہاد ہوئے تھے (تنقیح المقال ج ۱ ص ۴۱۷) شجاعت ان کی ممتاز صفت اور نمایاں جوہر تھا اور اہل بیتؑ کی محبت اُن کے لیے سرنامۂ اعزاز تھی۔ جب زیاد بن ابیہ جو معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا اور عمرو بن الحمق الخزاعی نے اُس کی مخالفت کا علم بلند کیا تو زاہر بھی اُن کے ساتھ تھے اور ہر قول و فعل میں اُن کے ہم آہنگ تھے۔ جب معاویہ نے عمرو بن الحمقؓ کی گرفتاری کا حکم بھیجا تو زاہرؓ کے نام بھی وارنٹ جاری ہوا مگر وہ روپوش ہو گئے اور ان کے قبضے میں نہ آسکے۔ (ابصار العین ص ۱۰۳)

اصحاب ائمہؑ میں سے محمد بن سنان زاہریؒ متوفی ۲۲۰ھ جو امام رضاؑ اور امام محمد تقیؑ کے رواۃ میں سے ہیں انہی زاہرؓ کی اولاد میں سے تھے۔ (رجال کبیر ص ۲۹۸ مطبوعہ تہران)

۶۰ھ میں حج بیت اللہ الحرام سے شرفیاب ہوئے اور اس سلسلے میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور حضرتؑ کی ہمراہی میں کربلا آئے اور ابن شہر آشوب کی تصریح کے مطابق حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

25۔ زہیر بن بشر خثعمیؓ

ابن شہر آشوب نے حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت شہداؑ میں ان پر سلام موجود ہے:

"السلام علی زهیر بن بشر الخثعمی"

26۔ زہیر بن سلیم بن عمرو ازدیؑ

شب عاشور جبکہ امام حسین علیہ السلام کے شہید کرنے کا ارادہ فوج ابن سعد کی طرف سے یقینی صورت پر ظاہر ہوگیا تو اُس وقت یہ امام حسین علیہ السلام سے آکر ملحق ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں جنگ کر کے شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۳ ص ۹۹)

زیارت شہداؑ میں ان پر سلام کے الفاظ یہ ہیں:

"السلام علی زهیر بن سلیم الازدی"۔

فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے ایک قصیدے میں بنی اُمیہ کی سیاہ کاریوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلے میں شہدائے کربلاؑ میں سے بعض کا نام بنام تذکرہ کیا ہے۔ ان میں زہیر کا نام بھی موجود ہے وہ کہتے ہیں:

ارجعوا عامرا و ردّوا زهيرا
ثم عثمان فارجعوا غارمينا
و ارجعوا الحرّ و ابن قين و قوما
قتلوا حين جاوروا صفينا

"یعنی واپس کرو عامرؓ کو اور زہیرؓ کو ان کے علاوہ عثمان کو انھیں واپس کرو تاوان ادا کرتے ہوئے اور واپس کرو حُرؓ کو اور ابن قینؓ کو اور اُن لوگوں کو جو صفین میں شہید ہوئے۔

یہاں زہیرؓ سے مراد یہی زہیر بن سلیمؓ ہیں کیونکہ زہیر بن قینؓ کا ذکر اس کے بعد ابن قینؓ کے الفاظ میں موجود ہے۔ (ابصار العین ص ۱۹۹)

27۔ سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدیؓ

اپنے مالک کے ساتھ اسی قافلے میں جو یزید بن شبیط قیسیؓ کے ساتھ بصرہ سے کربلا آئے تھے امامؑ کی خدمت میں آئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۱۳)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام کیا گیا ہے:

"السلام علی سالم مولیٰ عامر بن مسلم"۔

28۔ سلیمؓ

امام حسن علیہ السلام کا باوفا غلام کربلا میں نصرت امام حسین علیہ السلام میں شہید ہوا۔
(رجال شیخ طوسی ص ۳۴)

29۔ سوار بن ابی عمیر نہمیؓ

ان کا پورا نام ونسب یہ ہے:

سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الھمدانی النہمی

شیخ طوسیؒ نے کتاب الرجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں درج کیا ہے اور شیخ صدوق ابن بابویہ قمی نے "من لایحضرہ الفقیہ" میں "باب میراث الجنین" کے ذیل میں ایک حدیث درج کی ہے جس کا سلسلۂ سند سوار بن ابی عمیر تک پہنچا ہے (تنقیح المقال ج ۲ ص ۷۱)

امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچے کے بعد گفتگوئے صلح کے زمانے میں یہ کربلا وارد ہوئے اور امامؑ کے ہمراہ رہے یہاں تک کہ حملۂ اولیٰ میں نصرت امامؑ میں جنگ کا شرف حاصل کیا۔

ابن شہر آشوب نے ان کا ذکر حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں کیا ہے (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اس موقع پر شہید نہیں ہوئے بلکہ زخمی ہو کر گر گئے اور گرفتار ہو کر عمر سعد کے پاس لائے گئے۔ اُس نے چاہا کہ قتل کرائے مگر ان کی قوم کے لوگ مانع ہوئے

اور انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر بھی زخمی اتنے ہو چکے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے اور چھ مہینے کے بعد اُنہی زخموں کی تکالیف سے انتقال کیا۔ (ابصار العین ص ۸۱)

اجر اُخروی کے اعتبار سے صورت حال کے بنا پر اُن کا شہدائے کربلاؑ میں محسوب ہونا بعید نہیں اور چونکہ زخمی ہو کر گرنا اُن کا حملۂ اولیٰ میں ہے اس لیے ہم نے بھی شہدائے حملۂ اولیٰ کے ذیل میں ذکر کیا۔

زیارت شہداؑ میں حسب ذیل الفاظ میں ان پر سلام بھی موجود ہے:

"السلام علی الجریح الماسور سوار بن ابی عمیر النهمی الهمدانی"۔

"نہمی" کے بجائے بعض کتابوں میں "فہمی" لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے۔
(ابصار العین ص ۸۰)

30۔ سیف بن مالک عبدیؒ

قبیلۂ عبد قیس سے بصرہ کے باشندے اور اُن شیعیان اہلبیتؑ میں سے تھے جو ماریہ بنت منقذ عبدیہ کے مکان میں مجتمع ہوا کرتے تھے یزید بن شبیط قیسیؒ کے ساتھ نصرت امام حسین علیہ السلام کے لیے روانہ ہوئے اور مقام ابطح میں امامؑ کی ملاقات سے شرف اندوز ہوئے۔

اس کی تفصیل ادہم بن امیہ کے حالات میں آ چکی ہے۔

ابن شہر آشوب نے حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں "سیف بن مالک نمیریؒ" کا نام لکھا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

اس میں "نمیری" کا لفظ بظاہر "بصری" کی تحریف ہے۔

ابصار العین ص ۱۱۳ پر "سیف بن مالک نمیری" کو جوین بن تمیمیؒ پر محمول کیا گیا ہے۔

اس میں نام و نسبت دونوں کو غلط قرار دینے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر "جوین" اور "سیف" میں کوئی تشابہ نہیں ہے جس سے ایک کو دوسرے کی تحریف شدہ صورت سمجھا جائے اور نہ "تیمی" اور "نمیری" میں کوئی مناسبت ہے۔

اس کے علاوہ ابن شہر آشوب نے جوین بن ابی مالک کا صراحۃً مبارز طلبی کے سلسلے میں تذکرہ کیا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ اُن کو جون مولیٰ ابی ذرؓ کے ساتھ متحد سمجھے ہیں جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ اس کے بعد کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں اُن کی کسی عبارت کو جوین بن مالکؓ پر منطبق کیا جائے۔

ہمارا خیال اس بنا پر نا قابل انکار ہے کہ اس میں نام ونسب میں کوئی تصرف لازم نہیں آتا۔ صرف ''نمیری'' کا لفظ غلط قرار پاتا ہے جس کی اصل ''بصری'' ہے اور ان دونوں لفظوں میں تناسب موجود ہے۔

زیارت شہداؑ میں ان پر سلام مذکور ہے:

-السلام علی سیف بن مالک-.

31۔ شبیب بن عبداللہؓ

حارث بن سریع ہمدانی جابریؓ کے غلام تھے۔ صحابی رسولؐ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان تینوں لڑائیوں میں شرکت کا شرف حاصل کیے ہوئے تھے۔ کوفہ کے باشندے تھے (تنقیح المقال ج ۲ ص ۸۱)۔

کربلا میں سیف بن حارث بن سریعؓ اور مالک بن حارث بن سریعؓ دونوں اپنے آقازادوں کی معیت میں امامؑ کی خدمت میں پہنچے۔ (ابصار العین ص ۷۹)

اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداؑ کے پیش نظر نسخے میں ان پر سلام کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

-السلام علی شبیب بن الحارث بن سریع-.

صاحب ناسخ نے بھی ان شہداؑ کی فہرست میں جنھیں مورخین ومحدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کے اسما کا تذکرہ ہے۔ ''شبیب بن حارث بن سریع'' ہی نام درج کیا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

بظاہر یہ راوی حدیث کی غلطی ہے جس نے ''مولیٰ'' کے بجائے ''ابن'' کا لفظ نقل کر دیا ہے۔

32۔ شبیب بن عبداللہ نہشلیؑ

طبقۂ تابعین میں سے امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں محسوب تھے اور حضرتؑ کے ساتھ تینوں لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ آپؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی صحبت اختیار کی اور پھر امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں داخل ہوئے اور حضرتؑ کے مخصوصین میں سمجھے جاتے تھے۔

شیخ طوسی طاب ثراہ نے کتاب رجال میں ان کا نام اصحاب امام حسین علیہ السلام ہی کی فہرست میں لکھا ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ کو چھوڑ کر سفر غربت اختیار کیا تو شبیب بن عبداللہؑ وہیں سے آپؑ کے ہمراہ رکاب ہوئے اور مکہ میں آپؑ کے ساتھ رہے۔ پھر جب آپؑ مکہ سے روانہ عراق ہوئے تو شبیب نے اُس وقت بھی ساتھ دیا اور کربلا پہنچے۔ آخر روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۸۱)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام موجود ہے:

"السلام علی شبیب بن عبداللہ النھشلی"۔

صاحب ناسخ نے اُنھیں اُن شہداؑ کی فہرست میں مندرج کیا ہے جنھیں محدثین و مورخین نے نہیں ذکر کیا اور صرف زیارت میں اُن کا نام درج ہے۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

33۔ ضرغامۃ بن مالک تغلبیؑ

شیخ طوسیؒ نے رجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں محسوب کیا ہے۔ کوفہ میں انھوں نے جناب مسلم بن عقیلؑ کی بیعت کی اور اُن کے شہید ہونے کے بعد روپوش ہو گئے۔ پھر عمر سعد

کی فوج کے ساتھ کربلا آئے اور امام حسین علیہ السلام کے پاس آکر ملحق ہوئے۔
ابن شہر آشوب نے انھیں حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں درج کیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

34۔ عامر بن مسلم عبدی بصریؒ

بصرہ کے باشندے اُنھی شیعہ اشخاص میں سے تھے جو ماریہ بنت منقذ کے مکان میں جمع ہوا کرتے تھے۔ یزید بن ثبیط قیسیؒ کے ساتھ نصرت امامؑ کے لیے روانہ ہوئے اور مقام ''ابطح'' میں حضرتؑ کے پاس پہنچے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۱۷)

اور روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت شہدأ میں اُن پر سلام ہے:

''السلام علی عامر بن مسلم''۔

35۔ عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنیؒ

مکۂ معظمہ سے امام حسین علیہ السلام کی روانگی اہل کوفہ کی دعوت پر مبنی تھی اس لیے عام طور سے لوگوں کی توقعات آپؑ کے ساتھ وابستہ تھیں کہ آپؑ ایک ایسے ملک میں جارہے ہیں جہاں بحیثیت پیشوائے امام کے آپؑ کی اطاعت کی جائے گی اور آپؑ کو اقتدار کلی حاصل ہوگا۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ راستے میں عرب کے بدّو قبائل جن کی طرف سے گذر ہورہا تھا۔ بہت سے اُن میں سے قافلے میں شامل ہوجاتے تھے چنانچہ ''میاہ جہینہ'' نام والے چشموں کے پاس سے ''قبیلۂ جہینہ'' کے بہت سے لوگ آپؑ کے ساتھ ہوئے انھی میں سے عباد بن مہاجر بھی تھے۔
(ابصار العین ص ۱۱۵)

جب مسلمؑ وہانیؒ کے شہید ہونے کی خبر سننے کے بعد امام حسین علیہ السلام نے ''منزل زبالہ'' پر لوگوں کو اپنا پیغام سنایا کہ:

''حالات اس صورت پر ہیں اور ہمارے ساتھ کوئی امید نہ رکھنا چاہیے لہٰذا جو شخص

واپس جانا چاہتا ہو وہ واپس چلا جائے''

تو اس وقت بہت سے لوگ چپ وراست منتشر ہو گئے اور بس وہ لوگ رہ گئے جو آپؑ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔

لیکن عباد بن مہاجر اُن باوفا لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اس وقت امامؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا اور وہ آخر تک حضرتؑ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

36۔ عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری خزرجیؓ

صحابۂ رسول میں سے حدیث غدیر کے راوی اور شاہد تھے جسے حافظ ابن عقدہ نے اپنی طریق سے نقل کیا ہے۔ (تجرید اسما صحابہ للذہبی مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۷۷)

رجال شیخ میں ان کا نام اصحاب امیرالمومنینؑ میں لکھا ہے۔

وہ حضرتؑ کے بڑے مخصوص تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ حضرتؑ نے اُن کو خود قرآن مجید کی تعلیم دی اور اُن کی تربیت کی طرف توجہ فرمائی۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۴۵)

امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکہ ہی سے روانہ ہوئے اور کربلا تک ہمراہ رکاب آئے۔

صبح روزِ عاشور بعض آداب طہارت کی ادائیگی کے لیے جب امام حسین علیہ السلام نے ایک خیمہ نصب کرایا تھا اور آپؑ مصروف تطہیر ہوئے تھے تو عبدالرحمٰن بن عبدربؓ اور بریر بن خضیر ہمدانیؓ خیمے کے دروازے پر تھے اور اُس میں بے تکلفانہ کشمکش ہو رہی تھی کہ امامؑ کے بعد پہلے کون جا کر مصروف تطہیر ہوگا۔ اس موقع پر بریر عبدالرحمٰنؓ سے مذاق کرنے لگے تو عبدالرحمٰنؓ نے کہا: ''چھوڑو ان باتوں کو یہ مذاق کا وقت نہیں ہے'' جس کے جواب میں بریرؓ نے کہا تھا کہ: ''آج سے بڑھ کر تو کوئی خوشی کا ہنگام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تھوڑی ہی دیر میں جنت کی سیر ہوگی اور حوروں کے ساتھ لطف ملاقات بھی''۔

اس روایت کا راوی انہی عبدالرحمٰنؓ کا غلام تھا جو ان کے ساتھ تھا مگر کربلا سے زندہ

واپس آگیا تھا (طبری ج ۶ ص ۲۴۱)۔
عبدالرحمٰنؓ نے جنگ چھڑنے کے بعد حملۂ اولیٰ میں شہادت پائی۔ (ابصار العین ص ۹۳)

37۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبیؓ

طبقۂ تابعین میں سے معزز شخص، بہادر اور معرکہ آزما تھے (ابصار العین ص ۷۸)۔
کوفہ سے جو دوسرا وفد امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا ہے اور جس کے ہاتھوں تقریباً ۵۳ عرضداشتیں جن میں سے ہر ایک دو تین اور چار دستخطوں سے تھی امامؑ کے نام روانہ کی گئی تھیں اس وفد میں قیس بن مسہر صیداویؓ اور عمارہ بن عبید سلولیؓ کے ساتھ یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بھی تھے۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۷)
امامؑ نے جناب مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ کیا تو ان تینوں نمایندوں کو اُن کے ساتھ کر دیا۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۸)
پھر عبدالرحمٰن بن عبداللہ کسی صورت سے دوبارہ امام حسین علیہ السلام کے پاس آگئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)
زیارت شہداءؑ میں اُن پر سلام بایں الفاظ ہے:
السلام علی عبد الرحمٰن بن عبد اللّٰہ بن الکدن الارحبی۔

38۔ عبدالرحمٰن بن مسعودؓ

ان کے والد مسعود بن حجاج تیمی تھے جن کا تذکرہ سلسلۂ شہداءؑ میں بعد میں آئے گا۔ یہ دونوں باپ بیٹے عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے اور ساتویں محرم کو امامؑ کے پاس سلام کرنے کے قصد سے آئے مگر پھر واپس نہیں گئے۔ روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔
(ابصار العین ص ۱۱۲)

39۔ عبداللہ بن بشر خثعمیؓ

ان کا پورا نام ونسب حسب ذیل ہے:

عبدالله بن بشر بن ربيعة بن عمرو بن منارة بن قمير بن عامر بن رائسة بن مالك بن واهب بن جليحة بن كلب بن ربيعة بن عفرس بن خلف بن اقبل بن انمار الانماری الخثعمی۔

''بشر بن ربیعہ خثعمیؓ'' اپنے زمانے کے مشہور روزگار شخص اور میدان جنگ کے معرکہ آزما شہسواروں میں سے تھے۔ کوفہ کا مشہور احاطہ جو ''جبانہ بشر'' کہلاتا تھا وہ انہی کے نام سے منسوب تھا اور جنگ قادسیہ میں اُن کا یہ شعر زبان زد تواریخ ہے۔

انخت بباب القادسية ناقتي

و سعد بن وقاص علي امير

ان کے فرزند عبداللہ بھی صفات، شجاعت، جرأت اور نام آوری میں اپنے پیشرو کے قدم بقدم تھے۔ میدان کربلا میں فوج عمر سعد کے ساتھ پہنچ کر انصار امام حسین علیہ السلام میں آ کر شامل ہوئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت کو حاصل کیا۔ (ابصار العین ص ۱۰۱)

40۔ عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسیؓ

یزید بن ثبیط قیسیؒ کا تذکرہ اس کے بعد آئے گا۔ ان کے دس بیٹے تھے جن کے سامنے اُنھوں نے نصرت امام حسین علیہ السلام کے لیے چلنے کا سوال پیش کیا لیکن اُن میں صرف دو وہ تھے جنھوں نے اس اہم ارادے میں اپنے والد کا ساتھ دیا ان میں سے ایک یہی عبداللہ تھے۔

چنانچہ وہ اپنے والد کی ہمراہی میں بصرہ سے روانہ ہوئے اور ''ابطح'' میں آ کر خدمت امامؑ میں بہرہ اندوز ہوئے (طبری ج ۶ ص ۱۹۸)

اور کربلا پہنچ کر روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

41۔ عبید اللہ بن یزید بن شبیط قیسیؑ

اپنے والد کے دوسرے فرزند تھے جنھوں نے نصرت امام حسین علیہ السلام کے لیے والد کا ساتھ دیا اور یہ بھی اپنے بھائی کی طرح حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

42۔ عقبہ بن صلت جہنیؑ

"میاہ جہینہ" کے اعراب میں سے جو اثنائے راہ میں سے امامؑ کے ساتھ ہو گئے تھے ایک یہ بھی تھے "منزل زبالہ" میں امامؑ کے خطبے کو سن کر جب دوسرے لوگ چلے گئے تو یہ امامؑ کے ساتھ باقی رہے یہاں تک کہ روز عاشور شہید ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۱۵)

علامہ مامقانی کا بیان ہے کہ وہ صحابیٔ رسولؐ اور راوی حدیث ہیں اور سفر عراق کے موقع پر امامؑ کے ساتھ آئے تھے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۵۴)

43۔ عمار بن ابی سلامہ دالانیؑ

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

عمار بن ابی سلامہ بن عبد اللہ بن عمران بن راس بن دالان ھمدانی۔

انھوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا ادراک کیا اور علی بن ابیطالبؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان تینوں لڑائیوں میں شرکت کی اور کربلا میں حسین بن علی علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۱۱)

ابن شہر آشوب نے ان کا نام حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ذکر کیا ہے۔

(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

44۔ عمار بن حسان طائیؑ

ان کا پورا نام ونسب یہ ہے:

عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثۃ بن لام بن عمرو بن ظریف بن عمرو بن ثمامۃ بن ذھل بن جذعان بن سعد بن طے۔

مخصوص وممتاز شیعیان اہل بیتؑ میں سے مشہور، بہادر و جنگ آزما تھے ان کے والد "حسان بن شریح" امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں حضرتؑ کی نصرت میں شہید ہوئے۔

عمارؒ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکہ معظمہ سے آئے تھے (ابصار العین ص ۱۱۳) اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت شہداؒ میں اُن پر سلام ہے:

"السلام علی عمار بن حسان بن شریح الطائی"۔

اصحاب زمانۂ ائمہ میں سے عبداللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان بن صالح بن وہب بن عمار بن حسان بن شریح طائی جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے جو اپنے والد کے ذریعے سے امام رضاؑ سے روایت بیان کرتے تھے اور کتاب القضایا والاحکام کے مصنف تھے۔ وہ انھی عمار بن حسانؒ کی اولاد میں سے تھے۔

لیکن کتب رجال میں ان کا نام اس موقع پر عامر بن حسان لکھا ہے۔ بہر حال یہ تصریح موجود ہے کہ "ھو الذی قتل مع الحسین بکربلا"۔ (رجال کبیر ص ۱۹۹)

45۔ عمرو بن ضبیعۃ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمیؒ

یہ بہادر، شہسوار اور جنگ کے میدانوں میں کارنمایاں انجام دیے ہوئے تھے۔ شیخ طوسی نے انھیں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں ذکر کیا ہے (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۳۲)

عمر سعد کی فوج کے ساتھ میدان کربلا میں آئے اور پھر انصار امام حسین علیہ السلام میں شامل ہو گئے تھے۔ (ابصار العین ص ۱۱۳)

اور ابن شہر آشوب کی تصریح کے مطابق حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

مناقب مطبوعہ بمبئی میں اُن کا نام ''عمرو بن مشیعہ'' لکھا ہے۔(مناقب ج ۴ ص ۹۹)
لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے۔

اسی بناپر سپہر کاشانی نے مناقب ہی کے حوالے سے جو شہدائے حملۂ اولیٰ کی فہرست درج کی ہے اُس میں عمرو بن ضبیعہ ضبعی لکھا ہے(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۷)
اور ابصار العین نے بھی اس بارے میں مناقب کا حوالہ دیا ہے۔

46۔ عمران بن کعب بن حارث اشجعیؓ

ابن شہر آشوب نے انھیں حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں محسوب کیا ہے۔
(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت میں اُن پر سلام بایں الفاظ ہے:
-السلام علی عمران بن کعب الانصاری-
لیکن صاحب ناسخ نے زیارت کے الفاظ میں ''عمر بن کعب'' نقل کیا ہے اور اُن شہداؑ کی فہرست میں بھی جنھیں مورخین ومحدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کا تذکرہ ہے، یہی نام درج کیا ہے۔

47۔ قاربؓ مولیٰ الحسینؑ

قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دئلی، ان کی والدہ ''فکیہہ'' امام حسینؑ کی حرم سرا میں جناب ربابؑ مادر سکینہؑ کی کنیز تھیں اُن کا عقد عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ہوا جن سے قاربؓ کی ولادت ہوئی۔ قاربؓ اپنی والدہ کی ہمراہی میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا آئے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام کیا گیا ہے:
-السلام علی قارب مولی الحسین بن علی علیہما السلام-

اور صاحب ناسخ نے ان کا نام اُن شہداءؑ کے سلسلے میں درج کیا ہے جنھیں محدثین و مؤرخین نے ذکر نہیں کیا ہے اور صرف زیارت میں اُن کا تذکرہ ہے۔

48۔ قاسط بن زہیر بن حارث تغلبیؒ

یہ اور ان کے دو بھائی مقسطؒ اور کردوسؒ جن کا تذکرہ بعد میں ہوگا۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور حضرتؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ پھر امام حسن علیہ السلام کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضرتؑ نے حجاز کی طرف مراجعت فرمائی اس کے بعد یہ تینوں بھائی کوفہ میں قیام پذیر رہے جب امام حسینؑ کربلا میں وارد ہوئے تو یہ تینوں بھائی کسی طرح مخفی طریقے سے امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداءؑ میں اُن پر سلام بھی موجود ہے۔

49۔ قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدیؒ

شیعیان کوفہ میں سے بہادر، دلیر اور شہسوار تھے۔

''شیخ الطائفہ'' نے ان کو اصحاب امام حسین علیہم السلام میں محسوب کیا ہے۔

عمر سعد کے ساتھ کربلا آئے اور یہاں پہنچ کر امامؑ کے انصار سے ملحق ہو گئے اور روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

زیارت شہداءؑ میں اُن پر سلام مذکور ہے:

''السلام علی قاسم بن حبیب الازدی''۔

صاحب ناسخ نے اُن کے نام کا ذکر اُن شہداءؑ کے ذیل میں کیا ہے جنھیں مؤرخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت سے اُن کا پتا چلتا ہے۔

50۔ کردوس بن زہیر بن حارث تغلبیؒ

اُن کے ایک بھائی قاسط بن زہیرؒ کا تذکرہ ابھی ابھی ہو چکا ہے اور دوسرے بھائی مقسطؒ کا حال بعد میں لکھا جائے گا۔ یہ تینوں بھائی اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے تھے اور حضرتؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شرکت کی۔ کربلا میں خفیہ طریقے سے بیعت امام حسین علیہ السلام کے لیے آئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

زیارت شہداؑ کے پیش نظر نسخے میں سلام کے الفاظ یہ ہیں:

"السلام علی قاسط و کرش ابنی زهیر التغلبیین"۔

صاحب ناسخ نے بھی زیارت کے الفاظ یہی نقل کیے ہیں بلکہ اتنا اور اختلاف یہ ہے کہ "زہیر" کے بجائے "ظہیر" لکھا ہے اور اُنھوں نے مناقب ابن شہر آشوب سے حملۂ اولیٰ کے مقتولین کی جو فہرست نقل کی ہے اُس میں بھی کرش بن ظہیر کے بعد "ظہیر" نام لیا ہے لیکن مناقب کے مطبوعہ نسخے میں یہ موجود نہیں ہے۔ قاسط کا نام ہے مگر اُن کی ولدیت مثل دیگر کتب کے "زہیر" ہی لکھی ہے اس لیے میں اسے ناسخ کی غلطی ہی سمجھتا ہوں۔

51۔ کنانہ بن عتیق تغلبی

ان کا پورا نام ونسب یہ ہے:

کنانه بن عتیق بن معاویة بن جماعت بن قیس تغلبی کوفی۔

شجاعان روزگار میں سے تھے۔ عابد وزاہد انسان اور حافظ قرآن تھے۔ میں نے اُن کے حالات "تذکرہ حفاظ شیعہ" میں لکھے ہیں وہ لڑائی ٹھننے سے پہلے کربلا میں امامؑ کے پاس پہنچے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام مذکور ہے:

"السلام علی کنانة بن عتیق"۔

52۔ مجمع بن زیاد بن عمرو جہنیؓ

یہ "میاہ جہینہ" کے اعراب میں سے تھے اثنائے راہ میں امامؑ کے ساتھ ہو گئے تھے اور "منزل زبالہ" کے خطبے کو سن کر اُن کا کثیر مجمع متفرق ہو گیا مگر مجمع بن زیادؓ امامؑ کے ہمراہ رہے اور روز عاشور شہید ہوئے۔

پہلے اُن کا گھوڑا زخمی ہو کر قتل ہوا پھر چند آدمیوں کو قتل کر کے دشمنوں میں گھر گئے اور شہید ہو گئے۔(تنقیح المقال ج ۳ ص ۵۳)

یہ صورت حملۂ اولیٰ کے حالات کے بالکل مطابق ہے۔
(محاربۂ کربلا ص ۱۲۷ حالات حملۂ اولیٰ)

53۔ مسعود بن حجاج تیمی

کوفہ کے بڑے مشہور شیعہ اور لڑائیوں میں کام کیے ہوئے تھے۔شیخ الطائفہ نے اُنھیں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں درج کیا ہے۔(تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۱۳)۔

وہ اپنے فرزند عبدالرحمٰن بن مسعود کے ہمراہ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے۔(ابصار العین ص ۱۱۲)

"تنقیح المقال" جلد ۳ صفحہ ۱۱۲ کے مطابق ساتویں محرم کو امامؑ کے پاس سلام کرنے کے لیے آئے تو پھر واپس نہیں گئے (ابصار العین ص ۱۱۲)

اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت شہداؑ میں اُن کا اور اُن کے فرزند کا ایک ساتھ تذکرہ ہے۔

"السلام علی مسعود بن الحجاج وابنه"

اسے زیارت کی روایت میں سپہر کاشانی نے بھی اسی صورت سے نقل کیا ہے۔
(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴)

مگر حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں صاحب مناقب کی زبانی بیٹے کے بجائے باپ ہوگیا یعنی پوتے کی جگہ دادا نے چھین لی۔ چنانچہ مسعود بن حجاج کے نام کے بعد لکھا ہے:

"و دیگر پدرش حجاج" (ناسخ ج ۶ ص ۲۶۷)

ایک "مغفل انسان" کی حیثیت دیکھتے ہوئے مجھے ان پر کوئی تعجب نہیں۔ بیشک! وہ افراد اسے دیکھیں جو صاحب ناسخ کی محققانہ حیثیت پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

54۔ مسلم بن کثیر اعرجؓ

اتنے ہی الفاظ میں اُن کا نام رجال شیخ طوسی میں اصحاب امام حسین علیہ السلام کی فہرست میں درج ہے لیکن اُن کا نام و نسب حسب ذیل ہے:

"مسلم بن کثیر بن قلیب صدفی ازدی"۔

قبیلہ "از دشنواہ" میں سے۔ اعرج یعنی لنگڑے تھے۔ جنگ جمل میں امیر المومنین علیہ السلام کی نصرت میں شریک جنگ رہے اور پنڈلی پر تیر لگا جس کا اثر ہمیشہ رہا۔ انھوں نے زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک بھی کیا تھا (تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۱۵)

کوفہ سے نصرت امام حسین علیہ السلام کے لیے روانہ ہوئے اور کربلا میں آ کر قدم بوس ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۰۸)

اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

ناسخ میں مناقب کے حوالے سے شہدائے حملۂ اولیٰ میں ان کا نام اسلم بن کثیر ازدی اعرج لکھا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۶۸)

اس کا ماخذ زیارت شہداء کا پیش نظر نسخہ ہے جس میں سلام اس طرح ہے:

"السلام علی اسلم بن کثیر الازدی"۔

صاحب ناسخ نے بھی زیارت کو اسی صورت سے نقل کیا ہے بلکہ اُس میں "الازدی" کے بعد "الاعوج" کے لفظ کا اضافہ کیا ہے جو "الاعرج" کی خرابی ہے لیکن یہ سب روایتی

تحریفیں ہیں جن کی اصل وہی ہے۔

55۔ مقسط بن زہیر بن حارث تغلبیؒ

یہ اوران کے دو بھائی قاسطؒ اور کردوسؒ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے تھے اور حضرتؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے کربلا میں خفیہ طریقے سے نصرت امام حسین علیہ السلام کے لیے آئے اور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔(ابصار العین ص ۱۱۵)

رجال شیخ طوسی میں ان کا ذکر اصحاب امام حسین علیہ السلام میں موجود ہے۔

بیشک! علامہ مامقانی کا یہ تعجب حق بجانب ہے کہ زیارت شہداؑ میں قاسط اور کردوس اُن کے دونوں بھائیوں پر سلام موجود ہے لیکن اُن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔(تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۴۶)

ممکن ہے کہ یہ راویوں کے حذف واسقاط کا نتیجہ ہو۔

56۔ منیع بن زیادؒ

علامہ مامقانی ''زیارت رجبیہ'' سے اُن پر سلام کا حوالہ دیتے ہیں اور یہ کہ اُن کا نام وہاں ''منیع بن زیادؒ'' ہی درج ہے لیکن رجال شیخ طوسی میں اصحاب امام حسین علیہ السلام کے ذیل میں ''منیع بن رقادؒ'' لکھا ہے۔(تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۵۲)

''زیارت رجبیہ'' کا اصل ماخذ اب تک میری نظر سے نہیں گذرا۔

57۔ نصر بن ابی نیزرؒ

''ابونیزر'' نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپنے میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے اور اسلام لائے، حضرتؐ نے اُن کی تربیت کی۔ آپؐ کی وفات کے بعد وہ امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں رہے اور آپؑ کے ایک مملوکہ نخلستان میں اصلاح وتربیت پر مامور ہوئے۔ کامل

میں اُن کے حالات کا تذکرہ ہے اور اُن کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیر المومنین علیہ السلام کے چشمے کے برآمد کرنے اور اُسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔

ان کے فرزند نصرؓ نے کمسنی اور نوجوانی امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے ساتھ گذاری اور آخر میں امام حسین علیہ السلام کی غلامی میں رہے یہاں تک کہ سفر عراق میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آئے۔ حملۂ اولیٰ میں ان کا گھوڑا کام آیا پھر وہ خود درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (ابصار العین ص ۵۴ و ۵۵)

ابن شہر آشوب نے حالات امیر المومنین علیہ السلام کے ذیل میں غلاموں کی فہرست میں سعدؓ اور نصرؓ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "قتل مع الحسین" امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۳ ص ۱۶۲)

58۔ نعمان بن عمرو ازدی راسبیؓ

کوفہ کے باشندے اور اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جنگ صفین میں شریک بھی ہوئے تھے۔ شیخ طوسیؒ نے ان کا نام اصحاب امام حسین علیہ السلام میں درج کیا ہے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۷۳)

ان کے بھائی حلاس بن عمرو ازدیؓ کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

کربلا میں دونوں بھائی عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے اور شرائط صلح مسترد ہونے پر آکے امامؑ سے ملحق ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۰۹)

نعمان حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

59۔ نعیم بن عجلان انصاریؓ

ان کا پورا نام و نسب یہ ہے:

"نعیم بن عجلان بن نعمان بن عامر بن فریق الانصاری الزرقی الخزرجی"۔

وہ اور اُن کے دو بھائی نضرؓ اور نعمانؓ اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں سے تھے اور جنگ صفین میں کارنمایاں انجام دے چکے تھے اور یہ تینوں شجاعانِ روزگار اور شعرا میں سے تھے۔
(تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۷۴)

نعمان بن عجلانؓ کو امیر المومنین علیہ السلام نے عمرو بن ابی سلمہ مخزومی کی معزولی کے ساتھ بحرین کا حاکم مقرر کیا (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۶۹)

نضرؓ اور نعمانؓ دونوں نے امام حسن علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں انتقال کیا اور نعیمؓ کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ جب امام حسین علیہ السلام سرزمین عراق پر پہنچے تو وہ کوفہ سے نکل کر خدمت امامؑ میں آئے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۷۴)

اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام ہے:

"السلام علی نعیم بن عجلان الانصاری".

یہاں پر حملۂ اولیٰ کے پچاس شہدا کی تعداد پوری ہوگئی۔ مذکورۂ بالا تفصیل اُس اجمالی فہرست سے کافی اختلاف رکھتی ہے جو گذشتہ سال کے رسالہ "محاربۂ کربلا" میں درج کی گئی تھی یہ تجدید نگاہ اور ذوق تحقیق کا لازمی نتیجہ ہے آئندہ کے ایڈیشن میں اُس فہرست کو اسی تفصیل کے مطابق کر دینا چاہیے۔

حملۂ اولیٰ کے بعد کے اور ظہر سے قبل کے شہدا

"اب وہ شہدا ہیں جو حملۂ اولیٰ کے بعد نماز ظہر تک شہید ہوئے۔"

60۔ بکر بن حی بن تیم اللات بن ثعلبہ تیمیؒ

عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے تھے مگر جنگ چھڑنے کے بعد توفیق الٰہی دستگیر ہوئی اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آکر شریک جہاد ہوگئے حملۂ اولیٰ کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔
(ابصار العین ص ۱۱۳)

61۔ عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجیؓ

ان کے والد جنادہ بن کعبؓ کا تذکرہ حملۂ اولیٰ کے مقتولین میں ہو چکا ہے۔ عمرو بن جنادہؓ کا میدان کربلا میں تو دس برس کا سن تھا (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۲۷)۔

ان کی شہادت کا واقعہ میں نے ''محاربۂ کربلا'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

بچے کا خدمت امامؑ میں آکر طالب رخصت ہونا اور امامؑ کا توقف فرمانا اور یہ کہنا کہ:

''اس کے شہید ہونے سے اس کی والدہ کو تکلیف پہنچے گی''۔

اور بچے کا کہنا کہ:

''مجھے میری والدہ ہی نے بھیجا ہے اور مجھے جنگ کا لباس اُنھوں نے ہی پہنایا ہے''۔

یہ تمام اُس روایت کے اجزا ہیں جو عام طور سے مسلم بن عوسجہؓ کے فرزند کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور عام طور سے ذاکرین کی زبان پر یہ روایت آیا کرتی ہیں۔

اس کے متعلق میں نے گذشتہ صفحات میں مسلم بن عوسجہؓ کے حالات میں تبصرہ کیا ہے۔

عمرو بن جنادہؓ کے شہید ہونے پر دشمنوں نے ان کا سر کاٹ کر خیام حسینیؑ کی طرف پھینک دیا بیوہ ماں نے فرزند کا سر اُٹھا لیا اور شاباشی دی پھر اُس سر کو فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود عمود خیمہ لے کر میدان جنگ میں آگئی۔ امامؑ نے یہ گوارا نہ کیا اور اُس خاتون کو خیمے کی طرف واپس کرا دیا۔

ابن شہر آشوب نے عمرو بن جنادہؓ کے بعد ایک دوسرے نوجوان کی طرف اس واقعے کو منسوب کیا ہے۔ اُنھوں نے جنادہ بن حارث انصاری کی شہادت کے بعد اُن کے فرزند کے واقعے کو صرف اس جملے میں بیان کیا ہے:

''پھر اُن کا فرزند میدان جنگ میں یہ رجز پڑھتا ہوا آیا اور شہید ہوا۔

"امیری حسین ونعم الامیر۔۔۔ الخ

اور اس روایت کے تحت میں درج کیا ہے کہ دشمنوں نے اُس جوان کا سر کاٹ کر اُس کی والدہ کی جانب پھینک دیا اور وہ میدان جنگ میں آگئی (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

اور اس میں رخصت کے وقت کی صورت، امامؑ کا اجازت دینے سے انکار کرنا اور بچے

کا کہنا کہ میری والدہ نے بھیجا ہے یہ سب مذکور نہیں ہے۔

صاحب ناسخ نے اس گمنام جوان کی شہادت کا عمرو بن مطاع جعفیؒ کی شہادت کے بعد تذکرہ کیا ہے اور وہاں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اس جوان کے والد میدان جنگ میں شہید ہو چکے تھے اور وہ والدہ کے کہنے سے میدان جنگ میں آیا اور امامؑ نے منع کیا اس لحاظ سے کہ اس کی والدہ اس غم کو برداشت نہ کر سکے گی اور جوان نے کہا کہ میری والدہ ہی نے مجھ کو بھیجا ہے۔ وہ میدان میں آیا اور وہی رجز

"امیری حسین ونعم الامیر۔۔الخ"

پڑھ کر جہاد کیا اور شہید ہوا۔

پھر اُس کا سر دشمنوں نے قلم کر کے خیام حسینی کی طرف پھینکا اور اس کی والدہ نے اُٹھالیا پھر فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود میدان جنگ میں آکر لڑنے لگی لیکن امامؑ نے واپس بلا لیا۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۳)

اب یہ روایت بالکل عمرو بن جنادہؓ والی روایت سے متحد ہو گئی۔ مگر اُنھوں نے عمرو بن جنادہؓ کی شہادت کا تذکرہ پھر اس کے بعد اُن کے والد جنادہ بن حارثؓ کی شہادت کے بعد کیا ہے اور ان کی ایک بالکل خاص الخاص نیا رجز بھی لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اضق الخناق من ابن هندوارمه

من عامه بفوارس الانصار

(ناسخ ج ۶ ص ۲۷۴)

یہ اشعار بالکل رجز کے انداز سے علیحدہ ہیں اور ذوق سلیم اُن کی صحت کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔

62۔ یزید بن حصین مشرقیؒ

کوفہ کے رہنے والے بڑے عبادت گذار انسان، شجاع وبہادر تھے۔ شیخ طوسی نے

انھیں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں محسوب کیا ہے۔

جناب مسلم بن عقیلؑ کے کوفہ آنے پر اُن کی بیعت کی اور مسلمؑ کے شہید ہونے پر یہ کوفہ سے باہر نکلے اور امام حسین علیہ السلام سے جا کر ملحق ہو گئے۔ کربلا میں جب فرزند رسولؐ پر پانی بند کیا گیا تو یزید بن حصینؓ نے امامؑ سے اجازت طلب کی کہ عمر سعد کے پاس جا کر پانی کے باب میں گفتگو کریں۔ امامؑ نے اجازت دی وہ عمر سعد کے پاس آئے اور گفتگو کی جو ناکام ہوئی۔ آخر اپنی جگہ پر واپس آئے۔ روز عاشور نماز ظہر سے قبل جہاد کر کے شہید ہوئے۔

(تنقیح المقال ج ۳ ص ۳۲۵)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام بایں الفاظ ہے:

"السلام علی یزید بن حصین الهمدانی المشرقی القاری المجدّل بالمشرق"۔

صاحب ناسخ نے اُن کا نام اُن شہداؑ کی فہرست میں درج کیا ہے جنھیں مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کے نام کا تذکرہ ہوا ہے۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

مجھے بعض قرائن کی بنا پر یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ یزید بن حصینؓ نام کے کوئی شہید نہیں تھے بلکہ یہ "بریر بن خضیر ہمدانیؓ" کے نام کی مخلوط صورت ہے ممکن ہے آئندہ میرا یہ شبہ یقین کا درجہ حاصل کر لے اور یہ نام بالکل ساقط ہو جائے۔

63۔ حبیب ابن مظاہر اسدیؑ

نام و نسب:

حبیب بن مظاہر بن رئاب بن اشتر بن حجوان بن فقس بن طریف بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبۃ بن دودان بن اسد

اور کنیت ابوالقاسم۔ قبیلے کے لحاظ سے اسدی شاید فقعسی کہلاتے تھے اور عرب کے

مشہور شہسوار شاعر ربیعہ بن خوط بن رماب کے چچازاد بھائی تھے۔

طبقہ:

ابن کلبی کی روایت کے مطابق وہ صحابیٔ رسول تھے اور رسولؐ کی زیارت کی تھی۔

شیخ طوسی نے اُنھیں اصحاب امیرالمومنین علیہ السلام اور پھر اصحاب امام حسن علیہ السلام اور اصحاب امام حسین علیہ السلام تینوں ابواب میں درج کیا ہے۔

والد کے نام کی تحقیق:

حبیبؑ کے والد کا نام جو زبان زد خلائق ہے وہ مظاہر الف کے ساتھ مگر بعض اقوال اس کے خلاف ہیں۔ فاضل سماوی لکھتے ہیں:

("مظہر") بضم المیم وفتح الظاء المعجمة بوزنہ محمد علی الاشھد و یضبط بالطاء المھملة فی بعض الاصول وعصی علی الالسن وفی الکتب مظاھر و ھو خلاف المضبوط قلوا.

(یعنی) مظہر میم کے ضمہ۔ظاء کے فتحہ کے ساتھ "محمد" کے وزن پر ہے جیسا کہ زیادہ تر مشہور ہے اور بعض ماخذوں میں اس کی "مطہر" طائے غیر منقوطہ کے ساتھ تعین کی گئی ہے اور عام طور سے زبانوں پر اور کتابوں میں "مظاہر" جاری ہے۔لیکن یہ اس لفظ کی قدیم تعیین کے خلاف ہے۔

اس کے بالکل برخلاف رجال ابن داؤد میں حبیب کا نام درج کرتے ہوئے اُن کو "ابن مظاہر" لکھا ہے اور دوسرے قول کو تضعیفی شکل سے اس طرح لکھا ہے کہ۔

"قیل مظھر بفتح الظاء وتشدید الھا و کسرھا"

(یعنی) "کہا گیا ہے کہ مظہر ظاء کے فتح اور ہاء کے تشدید اور کسرہ کے ساتھ ہے"۔

پھر پہلے قول کی اس طرح تقویت کی ہے کہ

"الاول بخط الشیخ رحمة اللہ"

لیکن اول مظاہر خود شیخ طوسی کے قلم کی تحریر میں درج ہے۔

شہید ثانی کے حواشی خلاصہ میں لکھا ہے:

قال: ابن طاؤس انہ وجدہ مظاہر بخط عمید الرؤساء۔

سید ابن طاؤس کا بیان ہے کہ "مظاہر میں نے کاتب ابن عمید کے قلم کی تحریر میں دیکھا ہے۔"

اس کی تصریح سید ابن طاؤس کی کتاب "تحریر طاؤسی" کے حاشیہ پر موجود ہے۔

علامہ مامقانی نے اس موقع پر اچھا محاکمہ کیا ہے۔ انھوں نے شیخ الطائفہ اور عمید الرساء کی قلمی تحریروں کے اسناد پر "مظاہر" کو صحیح قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

"زیادہ تر مشہور زبانوں پر جاری اور زیارت میں منقول یہی ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ قدیم نسخوں میں جہاں جہاں "مظہر" لکھا تھا اس سے مقصود بھی مظاہر ہی تھا جیسا کہ "اسماعیل" کے بجائے "اسمعیل" اور "اسحاق" کے بجائے "اسحٰق" اور "قاسم" کے بجائے "قسم" اور "حارث" کے بجائے حرث" لکھنے کا رواج رہا ہے کہ کتابت میں الف نہیں لکھا جاتا اور قرائت میں پڑھا جاتا ہے"۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۵۳)

صاحب تاریخ نے اپنا تاریخی اجتہاد اس کے خلاف صرف کیا ہے لیکن ان کا مستند اس باب میں صرف رجز کا قافیہ ہے اُن کا رجز جو تاریخوں میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے:

انا حبیب و ابی مظاہر
فارس هیجاء وحرب تسعر
انتم اعدّ عدّة و اکثر
و نحن اوفی منکم و اصبر
و نحن اعلی حجة و اظهر
حقا و اتقی منکم و اعذر

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۱)

وہ لکھتے ہیں:

ازیں ارجوزہ کہ از حبیب مرقوم شد معلوم میشود کہ مظہر نام داشتہ چہ مظاہر خوانیم با سائر مصرعہا قافیہ نخواہد داشت چہ رعایت الف تأسیس در نزد عرب از شرائط صحت قافیہ است بر خلاف عجمان کہ شرط نمیدانندو اللہ اعلم۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۸)

لیکن یہ استدلال اُن کا بہت کمزور ہے اول تو درایتی نقطہ نظر سے اُن رجزوں کو جو جنگ کے میدانوں میں مختلف پہلوانوں کی طرف منسوب ہیں اُتنا تاریخی اعتبار حاصل نہیں ہے جتنا دوسرے واقعات کو۔ اس کے قرائن وشواہد بہت ہیں جن کے لکھنے کے لیے میں اس وقت تیار نہیں ہوں۔

دوسرے میدان جنگ کے رجز ہمیشہ وقتی حیثیت سے اور صرف ایک جوش قلبی کے مظاہرے یا ایک رسم ادا کرنے کی صورت سے ہوا کرتے تھے، اُن میں نہ شاعری نہ ہنرمندیوں کا لحاظ ہوتا تھا اور نہ ہر جنگ آزما مرد میدان کے لیے شاعری کے فن میں کامل ہونے کی ضرورت تھی۔ اسی بنا پر اس کے لیے بحر ''رجز'' منتخب کی گئی جس میں لاانتہا وسعت حاصل ہے اور سیدھے ٹیڑھے اڑے بیڑے الفاظ بھی سب اُس میں آکر موزوں ہو جاتے ہیں۔ شعرا نے اس بحر کو اسی بنا پر فن شاعری کی سلیقہ مندیوں سے اس درجہ اجنبی سمجھا کہ اُس کا نام ''حمار الشعراء'' رکھ لیا اور قصائد وغیرہ کے لیے جو شاعری کے کارناموں کا میدان ہیں اس بحر سے بہت کم کام لیا۔

تیسرے الف تاسیس کا لحاظ عربی میں اگرچہ بایں معنی ضروری ہے کہ اگر قافیہ مبنی بر الف تاسیس قرار دیا گیا ہے جیسے عالم' قائم' دائم وغیرہ کو اُس میں ایسا قافیہ نہیں ہونا چاہیے جس میں الف نہ ہو جیسے مظلم۔ لیکن اگر قافیہ کی بنیاد الف تاسیس پر نہ ہو اور صرف روی اس میں بنیاد قافیہ ہو تو اُس میں شاذ و نادر طریقے پر ایسے الفاظ کا آجانا جن میں الف موجود ہے ممنوع نہیں ہے اس صورت میں اس الف کا بصورت ''تاسیس'' لحاظ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ صرف نظر روی پر رکھی جاتی ہے۔

مثلاً مظعم۔ عیلم خضرم۔ وغیرہ کے قوافی میں "عالم" آجانا شعرائے عرب کے کلام میں معدوم النظیر نہیں ہے۔ اس لیے شعرائے عرب کے کلام سے مثالیں پیش کرنے کے بجائے خود اسی تاریخ کے باب المراثی میں سے بعض مثالیں پیش کردینے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا مرثیہ جس کا مطلع یہ ہے

خليلى من شهر المحرم غالنى
مصاب له عيناى اسبلتادما

یہاں الف موجود ہے لیکن اس کے بعد کا شعر ہے

وذلّت رقاب المسلمين لاجله
وهدّ قوى الاسلام قصر وهدما

اس کے بعد آخر تک کہیں الف نہیں ہے

شیخ خضعی کا مرثیہ جو مقتل عوالم سے نقل کیا گیا ہے اُس کا مطلع ہے۔

لم ابك ربعا للاحبة قدخلا
و عفا و غيره الجديد و امحلا

لیکن اسی قصیدے میں یہ شعر ہے۔

تبكى على تكدير دهر ما صفا
من بعده و قرير عيش ما حلا

نیز یہ شعر

ام انزلت اى بمعنى ارثه
قد كان يخفيها النبى اذا تلا

پھر یہ شعر۔

و فى فتنه مثل البدور كو املا
عرض المحاق بها فاضحت افلا

شیخ محمود طریحی کا قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

هجوعي فتلك اذى على محرّم
اذا هلّ فى دور الشهور محرّم

اس قصیدے میں یہ بھی ہے

هم العروة الوثقى هم معدن التقى
هم الشرف السّامى ونور الهدٰى هم

نیز یہ شعر۔

اخى زوّد الولهى سكينة نظرة
فمهجتها حرّى و عبرتها دم

پھر اگر "تسعر" "اصبر" کے قوافی کے ساتھ "مظاہر" آجائے تو کونسا ارضی وسماوی انقلاب ہو جائے گا۔ کیا اتنے کمزور دلائل پر تاریخی نتائج کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے اور ان شواہد کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو "مظاہر" کی صحت کو ثابت کر رہے ہیں؟

اوصاف وخصوصیات:

حبیب بن مظاہرؓ، میثم تمارؓ اور رشید ہجریؒ کی طرح امیر المومنین علیہ السلام کے اُن صحابہؓ بااختصاص میں سے تھے جنھیں امیر المومنین علیہ السلام نے خاص طور سے علوم باطنی اور اسرار کی تعلیم دی تھی جس کی بنا پر اُن لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اُس کے طریقہ شہادت کو پیشین گوئی کے طور سے بیان کیا اور اطلاع دی (رجال کشی ص ۵۰۔ ۵۲)۔

عام طور سے یہ مشہور ہے کہ حبیب بن مظاہرؓ امام حسین علیہ السلام کے بچپنے کے رفیق تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت اب تک پیش نظر نہیں ہے۔ بعض ارباب مقاتل نے جو امام حسین علیہ السلام کا خط ان کے نام نقل کیا ہے اُس میں اِن کے نام کے ساتھ "الرجل الفقيه" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ لیکن اس خط کی روایت کا تاریخی اعتبار کوئی نہیں۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حبیب بن مظاہرؓ کی شخصیت اصحاب امام حسین علیہم السلام

میں خاص امتیاز رکھتی تھی جس کے شواہد خود اسی کتاب میں ابھی سامنے آئیں گے جیسے سب سے پہلے خط میں جو امام حسین علیہ السلام کے نام شیعیان اہل کوفہ کی طرف سے گیا تھا ان کا نام سلیمان بن صرؒد وغیرہ کے ناموں کے ساتھ خصوصیت سے مذکور ہونا، امام کا انھیں میسرہ کا افسر بنانا، میدان جنگ میں مبارزطلبی کے سلسلے میں دشمن کی طرف سے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جانا اور ان کی شہادت سے امام حسین علیہ السلام کے چہرے پر خاص طرح کی شکستگی کا طاری ہونا۔ یہ باتیں یقین انھیں ایک بلند درجہ کا مالک ثابت کرتی ہیں جو عام اشخاص کو حاصل نہیں ہوا کرتا۔

کوفہ کا پہلا خط:

سب سے پہلے جب معاویہ کے انتقال کی خبر کوفہ میں پہنچی اور امام حسین علیہ السلام کو کوفہ کی طرف بلانے کا خیال بعض ذہنوں میں پیدا ہوا تو سلیمان بن صرد خزاعیؒ کے مکان پر شیعیان کوفہ کا اجتماع ہوا۔ اس موقع کی پوری تفصیل میں نے "قاتلان حسین کا مذہب" میں لکھی ہے۔

اس جلسے کی روداد سے ظاہر ہے کہ اس موقع پر حبیب بن مظاہرؒ موجود تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اُس جماعت میں نمایاں ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب یہ رائے قرار پائی کہ خط امامؑ کے نام لکھا جائے تو حسب ذیل عبارت تحریر کی گئی:

"بسم الله الرحمن الرحیم لحسین بن علیB من سلیمان بن صرد و المسیّب بن نجبة و رفاعة بن شداد و حبیب بن مظاهر و شیعة من المومنین والمسلمین من اهل الکوفة..الخ۔

(یعنی) "بنام حسین بن علی علیہ السلام از جانب سلیمان بن صرد و مسیّب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد وحبیب ابن مظاہر ودیگر شیعیان مومنین ومسلمین از اہل کوفہ۔الخ"

یہ خط عبداللہ بن سبع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ بھیجا گیا جو امامؑ کو دس ماہ رمضان کو مکۂ معظمہ میں پہنچا۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۷)

یہ ظاہر ہے کہ تمام مجمع میں جو نمایاں، معزز اور ممتاز اشخاص تھے اور جنھیں امام حسین علیہ السلام

کے ساتھ تعلقات خصوصی حاصل تھے انھیں کے نام صراحۃً مذکور ہوئے ہیں اور دوسرے افراد "شیعۃ من المؤمنین والمسلمین" کے تحت میں داخل کر دیے گئے تھے۔

چنانچہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے سلیمان بن صرد خزاعیؓ ہیں جو اخیار و افاضل میں سے صحابیٔ رسولؐ اور راویٔ احادیث تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہو چکے تھے۔ (اصابہ ج ۲ ص ۶۷)

مسیب بن نجبہ بھی صاحب ادراک ہیں قادسیہ اور فتوح عراق میں شرکت کی۔

(اصابہ ج ۳ ص ۳۹۵)،

ابن عساکر نے اُن کی صحابیت کا بھی اظہار کیا ہے۔ (اصابہ ج ۳ ص ۴۸۹)

رفاعہ بن شداد بجلی اصحاب امیر المومنین علیہ السلام و اصحاب امام حسن علیہ السلام میں سے اور اُن لوگوں میں سے ہیں کہ جنھوں نے ابوذرؓ کے دفن کرنے میں شرکت کی تھی جن کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود تھی۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۴۳۲)

یقیناً ان لوگوں کے ساتھ حبیب ابن مظاہرؓ کے نام کا صراحۃً درج ہونا اسی بنا پر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اسی پائے کے مالک اور اسی مرتبہ کے حامل تھے اور عام جماعت شیعہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

جلسے میں تقریر:

جب حضرت مسلمؑ کوفہ میں وارد ہوئے اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفیؒ کے مکان میں فروکش ہوئے تو سب سے پہلا اجتماع شیعوں کا جو ہوا اُس میں جناب مسلمؑ نے امام حسین علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا۔ اس موقع پر سب سے پہلی تقریر عابس بن ابی شبیب شاکریؒ نے کی تھی جو اُن کے حالات میں تمام و کمال درج کی جائے گی۔ خلاصہ اُس کا یہ تھا کہ:

"میں دوسرے اشخاص کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا اور آپؑ کو کسی دھوکے میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا مگر جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں ہر طرح امداد کے لیے آمادہ ہوں"۔

اس تقریر کے ختم ہونے پر حبیب ابن مظاہرؓ کھڑے ہوئے اور تائیدی حیثیت سے

عابس کو شاباشی دی اور کہا کہ "کتنے مختصر الفاظ میں آپؑ نے حقیقت حال اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا ہے" پھر جناب مسلمؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

"وانا واللہ الذی لا الہ الا ھو علی مثل ما ھذا علیہ۔"

"اور میں بھی قسم اُس خدا کی! کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی ارادے پر قائم ہوں جو انھوں نے ظاہر کیا ہے"۔ (طبری ج ۱ ص ۱۹۹)

دشمن کو نصیحت:

حبیب بن مظاہرؒ برابر ایسے مواقع کے منتظر رہتے تھے جن میں وہ دشمن کے ساتھ گفت وشنید کر سکیں اور نصیحت کے فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ جب عمر بن سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو امام حسین علیہ السلام کے پاس بصیغہ مراسلت بھیجا ہے اور قرۃ بن قیس دور سے آتے دکھائی دیئے۔

امامؑ نے پوچھا: تم لوگ اس شخص سے واقف ہو؟

حبیب بن مظاہرؒ نے کہا: "جی ہاں! یہ قبیلۂ بنی حنظلہ سے تمیمی شخص ہے اور اپنے ننھیالی رشتہ سے ہمارا عزیز بھی ہوتا ہے۔ میں اسے کافی سمجھدار انسان سمجھتا تھا اور ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ اس جنگ میں یہ آ کر شریک ہوگا"۔

وہ آیا اور امامؑ کو ابن سعد کا پیغام پہنچایا جس کا حضرتؑ نے مناسب جواب دے دیا۔

حبیب ابن مظاہرؒ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا:

"ارے قرۃ بن قیس کہاں ظالم جماعت کی طرف جا رہے ہو؟۔ اس بزرگ کی امداد کرو جس کے بزرگوں کی بدولت خدا نے تم کو اور ہم کو اسلام کی عزّت عطا کی"

قرۃ نے کہا: "میں جواب پیغام کا جا کر کہہ دوں۔ اُس کے بعد اس مسئلے پر غور کروں گا"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۳)

اس تقریر کا اثر قرہ کے دل پر ضرور ہوا۔ چنانچہ اُس موقع پر جب حر بن یزید ریاحیؒ فوج دشمن سے کنارہ کشی کر کے امامؑ کے لشکر کی طرف آنا چاہتے تھے اس وقت قرۃ بن قیس اُس

کے ساتھ تھے۔"

حُرّ نے قرہ کو اپنے پاس سے ہٹانے کے لیے کہا:

"تم نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟"

قرہ نے کہا: "ابھی جاتا ہوں پانی پلائے لیتا ہوں"

یہ کہہ کر وہ ہٹ گیا اور حرّ اپنی جگہ سے آگے بڑھ کے فوج حسینی کی طرف پہنچ گئے قرہ کو اس کا بڑا غم رہا کہ حُرّ نے اپنا پورا ارادہ مجھ سے ظاہر نہ کیا وہ کہتا تھا کہ اگر حُرّ مجھ سے اپنا پورا قصد ظاہر کر دیتے تو میں بھی اُن کے ساتھ نصرت حسین علیہ السلام کے لیے چلا جاتا۔

(طبری ج ۶ ص ۲۴۴)

اس تاسف اور اظہار رنج سے صاف ظاہر ہے کہ دل تو اُس کا اس احساس سے معمور ہو چکا تھا اور ضمیر اُس کا آمادہ کر رہا تھا مگر اُس میں قوت ارادی اتنی نہ تھی کہ وہ حُرّ کی طرح اُس خیال کو عملی جامہ پہنا سکے وہ اس کے لیے سہارے کا محتاج تھا اور اُس کی عملی کمزوری تھی جس نے سہارا نہ ہونے نے اُس کے قدم سعی کو روک لیا۔

فوج مخالف سے گفتگو:

نویں تاریخ کی شام کو جب اہل کوفہ نے دفعۃً امامؑ کی طرف کارخ کیا اور حملہ کر دیا اور امامؑ نے جناب عباسؑ کو اُن کے پاس مکالمے کے لیے بھیجا۔ جناب عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قینؓ اور حبیب بن مظاہرؓ بھی تھے اُن کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ تمھارا اس حملہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟" جواب ملا کہ ابن زیاد کا حکم آگیا ہے کہ یا تم سے بیعت لی جائے یا جنگ کی جائے"۔ جناب عباسؑ یہ کہہ کر کہ "میں امامؑ سے جا کر دریافت کر لوں تو آکر جواب دوں"۔ امامؑ کی خدمت میں واپس گئے دوسرے اصحاب سب وہیں کھڑے رہے۔ اتنے وقت کو حبیبؓ نے بیکار جانے نہیں دیا زہیر بن قینؓ سے کہا کہ: "ان لوگوں سے کچھ گفتگو کرو اگر چاہو اور کہو تو میں کچھ بات چیت کروں"۔ زہیر نے کہا کہ: "آپ نے اس کی تحریک کی ہے تو آپ ہی گفتگو بھی کیجیے"۔ حبیبؓ نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

''سوچو تو! کتنا برا انجام ہوگا۔ خدا کے یہاں اُس جماعت کا جو اُس کے سامنے جائے گی اس حالت میں کہ اُس نے اولادِ رسولؐ کا خون بہایا ہے اور ملک کے اُن عبادت گذاروں کو شہید کیا ہے جو پچھلے پہر سے اُٹھنے والے اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے والے ہیں''۔

عزرہ بن قیس نے جو ایک خفیف الحرکات مسخرا انسان تھا بات کو کاٹنے کے لیے پکار کر کہا کہ: ''حبیب تم اپنی طرف ہر موقع پر اشارہ کرتے رہتے ہو کہ میں بڑا عبادت گذار ہوں'' یہ بے موقع گستاخی سن کر زہیرؓ کو غصہ آ گیا اور کہا: ''عزرہ! اس میں شک کا ہے کا۔ بیشک حبیبؓ کا نفس ایسا ہے جس کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اُس کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا کی ہے۔''

(طبری ج ٦ ص ٢٣٧)

شمر کی گستاخی کا جواب:

جب امام حسین علیہ السلام نے صبح روز عاشورا اپنا تاریخی یادگار خطبہ دیا ہے شمر نے انتہائی بے شرمی، بے حیائی اور کمینہ فطرتی سے پکار کر آواز دی کہ: ''میں منافق ہوں اور خدا کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں (یعنی صرف زبانی) اگر کچھ میری سمجھ میں آ رہا ہو کہ آپ کیا کہتے ہیں؟

اس گستاخی کا حبیب بن مظاہرؓ نے یہ جواب دیا:

"واللہ! انی لاراك تعبد اللہ علی سبعین حرفا وانا اشهد انك صادق ما تدری ما یقول قد طبع اللہ علی قلبك۔

''بیشک! خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی ستر حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت مخلصانہ حیثیت سے یکرنگ نہیں بلکہ ہفتاد رنگ ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے۔ تیری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ امامؑ کیا فرماتے ہیں کیوں کہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے''۔ (طبری ج ٦ ص ٢٤٣)

بنی اسد سے امداد:

حبیب ابن مظاہرؓ نے شب عاشور امام حسین علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ وہ جا کر اپنے

قبیلۂ بنی اسد سے جو اطراف میں مقیم ہیں آپؑ کی امداد کی خواہش کریں۔ امامؑ نے اجازت دی اور حبیبؓ گئے۔ بنی اسد کے مجمع میں جا کر اُن کو وعظ و نصیحت کی اور اُنھیں نصرت امامؑ پر ترغیب دلائی جس پر سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر اسدیؒ نے لبیک کہی اور پھر دوسرے لوگ بھی آمادہ ہوئے اور یہ سب حبیبؓ کے ساتھ روانہ ہوئے مگر اس کی خبر عمر سعد کو ہوگئی اور اُس نے پانچ سو سوار سد راہ ہونے کے لیے بھیج دئے جن کے مقابلے کی اُس جماعت کو تاب نہ ہوئی اور سب لوگ واپس چلے گئے حبیب تنہا خدمت امامؑ میں واپس پہنچ گئے۔ (ابصار العین ص ۵۷، ۵۸)

سرداری کا منصب:

روز عاشور جب امامؑ نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تو اس موقع پر زہیر بن قینؓ کو میمنہ کا افسر اور حبیب بن مظاہرؓ کو میسرہ کا سردار مقرر کیا تھا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۰)

ظاہری نگاہ میں اس سے زہیر بن قینؓ کی فضیلت زیادہ ظاہر ہوتی ہے مگر بعض ارباب نظر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ میسرہ کا مقابلہ دشمن کے میمنہ سے ہوتا ہے اس لیے وہاں زیادہ قابل اعتبار اور طاقتور انسان کی ضرورت ہے۔

سبقت الی الجہاد پر آمادگی:

جنگ چھڑنے کے بعد سب سے پہلے جو دو پہلوان دشمن کی طرف سے نکلے ہیں وہ یسار اور سالم دو غلام تھے۔ اُنھوں نے مبازطلبی کی تو حبیب بن مظاہرؓ اور بریر خضیر ہمدانیؒ یہی دو جواں ہمت مشتاق شہادت تھے جو جست کر کے کھڑے ہو گئے تھے مگر امامؑ نے اُن کو منع کر دیا جس کے بعد عبداللہ بن عمیر کلبیؒ اُٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر اُن دونوں کا مقابلہ کیا۔

فوج حسینی میں حبیبؓ، زہیرؓ اور بریرؒ یہ چند ایسے مجاہد تھے جن کی دشمن کی فوج میں خاص شہرت تھی چنانچہ جب عبداللہ بن عمیرؓ مقابلے پر نکلے اور اُن دونوں پہلوانوں یسار اور سالم نے نام و نسب پوچھا اور جب انھیں معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا کہ: ''ہم تم سے واقف نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلے پر زہیر بن قینؒ یا حبیب بن مظاہرؒ یا بریر بن خضیرؒ کو آنا چاہیے'' جس پر عبداللہ بن عمیر کو غصہ آ گیا اور اُنھوں نے حملہ کر دیا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۵)

مسلم بن عوسجہؓ سے گفتگو:

مسلمؓ اور حبیبؓ دونوں ہی قبیلۂ بنی اسد سے تھے ممکن ہے آپس میں اس کے علاوہ کچھ قرابت بھی ہو اور سن بھی دونوں مجاہدوں کا قریب ہی قریب تھا۔

جیسا کہ مسلم بن عوسجہؓ کے حالات میں لکھا جا چکا جب وہ مجروح ہو کر گرے اور امامؑ اُن کے سرہانے تشریف لے گئے تو حبیبؓ بھی حضرتؑ کے ساتھ ساتھ تھے حبیبؓ نے مسلمؓ کو مبارک باد دی اور اس کے بعد یہ کہا:

''اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ میں بھی تمہارے بعد ہی تم سے آ کر ملتا ہوں تو میں تم سے کہتا کہ کچھ وصیت کرو تاکہ میں اس وصیت کو پورا کروں اور جو تمہاری قرابت اور مذہبی خصوصیت کا حق ہے اُس کو ادا کروں''۔

مسلمؓ نے کہا: ''اور کچھ نہیں یہی وصیت میری تم سے ہے کہ ان کی نصرت سے ہاتھ نہ اُٹھانا'' اور اشارہ کیا امام حسین علیہ السلام کی طرف۔

حبیبؓ نے کہا: ''ضرور ایسا ہی ہوگا خدا کی قسم!۔'' (طبری ج ص ۲۴۹)

نماز ظہر کا ہنگام اور حصین کی جسارت:

جب ظہر کا وقت آیا اور امامؑ نے اپنے اصحاب سمیت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: ''فوج مخالف سے نماز پڑھنے کی مہلت لی جائے'' تو حصین بن تمیم نے جو عمر سعد کی فوج کا ایک افسر تھا پکار کر آواز دی کہ ''نماز پڑھنا ہو تو پڑھ لو مگر وہ قبول نہیں ہے''۔

بس یہ سننا تھا کہ حبیبؓ کو تاب نہیں رہی۔ اور پکار کر کہا کہ ''قبول نہیں ہے؟''

''فرزند رسولؐ کی نماز تیرے خیال میں قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہوگی اے شراب خوار؟''

حصین نے یہ سن کر حملہ کر دیا اور حبیبؓ بھی مقابلے پر آ گئے۔ اُس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی جس سے وہ الف ہو گیا اور حصین گر کر زمین پر آ گیا۔ دوسرے ساتھیوں نے بڑھ کر

حسینؑ کو حلقے میں لے لیا اور حبیبؓ کے ہاتھ سے چھڑا کر لے گئے۔

جنگ اور شہادت:

اب حبیبؓ میدان جنگ میں آ ہی چکے تھے۔ ایمان کا جوش اور شجاعت کی امنگ۔ دشمن کی جرأت وجسارت کا غصہ اور اُس کے زندہ نکل جانے کا دوسرا غم وغصہ وہ یہ شعر پڑھنے لگے:

اقسم لو کنا لکم أعدادا
او شطرکم و لیتم اکتادا
یا شز قوم حسبا و أدا

(یعنی) "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر تعداد میں تمھارے برابر ہوتے یا تمھارے آدھے بھی ہوتے تو تم سامنے سے یقیناً بھاگ جاتے۔ اے بدترین خلق قوم حسب ونسب اور اخلاق کے لحاظ سے۔"

پھر اُنھوں نے یہ رجز پڑھا:

انا حبیب و ابی مظاهر
فارس هیجاء و حرب نسعر
انتم اعد عدة و اکثر
و نحن اوفی منکم و اصبر
و نحن اعلی حجة و اظهر
حقا و اتقی منکم و اعذر

(یعنی) "میں حبیب ہوں اور میرے والد کا نام مظاہر تھا۔ میں میدان جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں۔ تمھاری تعداد ہم سے زیادہ اور لڑائی کا سامان تمھارے پاس فراواں ہے مگر ہم اپنی بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے زیادہ برداشت کرنے والے ہیں۔ نیز حجت ہماری بالا اور حقیقت نمایاں اور فرائض کی پابندی زیادہ اور دامن صاف ہے"۔

آخری باتیں جو ذکر ہوئی ہیں تمام وہ ہیں کہ دل میں طاقت اور نفس میں اطمینان پیدا

کرتی ہیں جن کے بعد انسان خطرات کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ حبیبؓ نے سخت جنگ کی یہاں تک کہ ایک تمیمی پہلوان نے جس کا نام بدیل بن صریم تھا حبیبؓ پر حملہ کیا حبیبؓ نے فوراً ایک ضرب شمشیر میں اُس کا کام تمام کیا لیکن اسی کے ساتھ بنی تمیم کے ایک دوسرے شخص نے اُن پر نیزے کا وار کر دیا جس سے وہ زمین پر آ گئے ابھی وہ اُٹھنا ہی چاہتے تھے کہ اُن کے پہلے کے شکست خوردہ حریف حصین بن تمیم نے اُن کے سر پر تلوار لگائی جس سے وہ بیجان ہو کر گر گئے تمیمی شخص جس کے نیزے نے حبیبؓ کو گرایا تھا سر کاٹنے کے لیے قریب آیا حصین نے کہا: ''میں ان کے قتل میں شریک ہوں۔'' تمیمی نے کہا: ''نہیں کام میں نے کیا ہے۔''

آخر حصین نے کہا کہ ''مجھے اتنا کر لینے دے کہ میں اُن کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر ایک دفعہ لشکر میں گردش کر لوں تا کہ لوگ دیکھ لیں کہ میں نے ان کے قتل میں شرکت کی پھر تم اس سر کو لے لینا اور ابن زیاد کے پاس لیجانا وہاں سے جو انعام ملے اس میں حصہ نہیں لوں گا''

تمیمی نے انکار کیا مگر لوگوں کے کہنے سے راضی ہو گیا اور حصین نے ایک مرتبہ سر کو اپنے ساتھ لے کر فوج کے اندر گردش کر لی۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۱۔ ۲۵۲)

اس طرح اس نے گویا اس شکست کی خفت کو مٹا دیا جو اُسے حبیبؓ کے مقابلے میں حاصل ہوئی تھی۔

امامؑ پر اثر:

تاریخ کی روایت ہے کہ جب حبیب بن مظاہرؓ شہید ہوئے تو امام حسین علیہ السلام پر شکستگی کے آثار نمودار ہو گئے اور آپؑ کی زبان پر کلمات حسرت و یاس جاری ہوئے۔

(طبری ج ۶ ص ۲۵۲)

نو عمر فرزند کا جذبۂ محبت:

قرارداد کے مطابق حصین بن تمیم سے اُس دوسرے شخص نے حبیبؓ کا سر لے لیا اور کوفہ

لے گیا پھر اپنے گھوڑے کی گردن میں آویزاں کر کے ابن زیاد کے قصر دارالامارہ کی طرف چلا۔ حبیبؓ کا ایک نوعمر فرزند" قاسم بن حبیبؓ" جو ابھی پورے طور پر بالغ نہ ہوا تھا اُس نے جو اپنے والد کے سر کو دیکھا تو ایک عجیب جذبہ بے قراری کے ساتھ اس سوار کے پیچھے ہولیا جدھر جدھر وہ جاتا یہ بھی اُس کے ساتھ جاتا تھا یہاں تک کہ اُسے احساس پیدا ہوا

اُس نے کہا: "صاحب زادے تم میرے ساتھ کیوں پھر رہے ہو"

قاسم نے بتایا کہ: "یہ میرے والد کا سر ہے کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تو مجھے اسے دیدے کہ میں دفن کر دوں؟"

اُس نے کہا: "امیر اس پر راضی نہیں ہوگا اور مجھے اس پر انعام حاصل کرنا ہے"

یہ سن کر وہ بچہ مایوس ہوا اور رونے لگا اور اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔

اُس دن کی گھڑی اور پھر کئی برس کی مدت وہ بات اُس بچے کے دل میں بیٹھ گئی اور جب وہ جوان ہوا تو اس فکر میں رہنے لگا کہ میں اپنے والد کے قاتل کو کسی طرح قتل کر ڈالوں یہاں تک کہ جب مصعب بن زبیر کا زمانہ ہوا اور مصعب نے "باجیرا" میں جا کر عبدالملک بن مروان سے لڑائی کے سلسلے میں چھاؤنی اپنی قرار دی تو حبیبؓ کا فرزند مصعب کی فوج میں ملازم ہوگیا اُس نے یہاں اپنے والد کے قاتل کو بھی دیکھا اور اس کے درپے ہوا کہ میں موقع پا کر اسے قتل کروں یہاں تک کہ ایک روز دوپہر کے وقت وہ اپنے خیمے میں سو رہا تھا قاسم نے جا کر اپنی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۲)

صاحب ناسخ نے اس واقعے میں جس تاریخی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

"گفتہ اند بدیل بن صریم سر حبیب را برید و از گردن اسپ آویخت و برنشست و بمکہ رفت و در مکہ پسر حبیب کہ ہنوز کودکے مراہق بود سر پدر را بشناخت بدیل را رابکشت و سر پدر را ماخوذ داشتہ مدفون ساخت۔ و ایں سخن در نزد من بندہ استوار نمی افتد چہ در مکہ کسی نبود کہ بدیل بن

صریم رابدیں کردار عطائی کندو جائزه دہد۔عبداللہ بن زبیربن العوام که این ہنگام دعویدار خلافت بودباحبیب کینی وکیدی راشت که بدیل این مسافت دراز را بپیماید وہمه جاسر حبیب علاقه گردن اسپ اوباشد اگر بطمع عطا بود البته بکوفه میشتافت واللہ اعلم۔(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۸)

اب ملاحظہ کیجیے! اوّل تو قاتلِ حبیب کا نام بدیل بن صریم نہیں ہے بلکہ بدیل بن صریم وہ تھا جسے حبیبؓ نے قتل کیا اور پھر ایک دوسرے تمیمی شخص نے اُنھیں نیزہ مارا۔ دوسرے یہ کہ روایت میں اس کا پتا بھی نہیں ہے کہ وہ اس سر کو لے کر مکہ گیا جس پر صاحب ناسخ نے یہ پوری عمارت کھڑی کردی ہے۔ تیسرے یہ کہ روایت میں اس جزو کا بھی نشان نہیں کہ فرزند حبیب نے وہ سر لے کر اُسے دفن کردیا اور قاتل کو اُسی وقت مار ڈالا۔

یہ ہے صاحب ناسخ کی تحقیق و تاریخی شان جس سے دنیا اب تک بے خبر رہی ہے۔

64۔ حُربن یزید ریاحیؒ

نام ونسب:

حُر بن یزید بن ناجیہ قعنب بن عتاب بن ھرمی بن ریاح بن یربوع بن حنظلۃ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی الیربوعی الریاحی۔

(ابصار العین ص ۱۱۵)

طبری میں ایک جگہ "الحربن یزید الحنظلی ثم النھشلی" لکھا ہے۔

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۲۲)

حنظلی لکھنے کی وجہ مذکورہ بالا سلسلۂ نسب سے ظاہر ہے کیوں کہ "یربوع" کے پہلے حنظلہ بن مالک کا نام سلسلۂ اجداد میں موجود ہے لیکن "نہشلی" لکھنے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے اس سلسلے میں حنظلہ کے بعد کہیں پر "نہشل" کا واسطہ ہو جو درمیان سے ساقط ہو گیا ہو۔

خاندانی خصوصیات:

حُرّ کا خاندان عرب میں قدیمی عزت کا مالک تھا۔ عتّاب جو حُرّ کی چوتھی پشت میں تھے نعمان بن منذر ملک حیرہ کے مخصوصین میں وہ درجہ رکھتے تھے کہ گھوڑے پر اُس کے "ردیف" کی صورت سے سوار ہوتے تھے۔

عتّاب کے دو فرزند تھے قیسؔ اور قعنبؔ۔ والد کے انتقال کے بعد یہ منصب قیس کو حاصل ہوا۔ بنی شیبان نے اُس سے منازعت کی جس کے نتیجے میں "یوم الطخفہ" کی خون ریز جنگ واقع ہوئی۔ قیس کے سلسلے میں اخوص شاعر ایک صحابی تھے جن کا نسب ہے "زید بن عمر بن قیس بن عتاب" طبقے کے لحاظ سے وہ حُرّ کے والد کے یزید کے چچازاد بھائی اور حُر کے رشتے کے چچا ہوتے ہیں۔

ذاتی عزّت:

حُرّ کوفہ کے رؤسا میں سے تھے اور ابن زیاد کی فوج میں افسر کی حیثیت رکھتے تھے۔
جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اور ابن زیاد کی جانب سے جو کوفہ کا حاکم تھا حدود کی ناکہ بندی ہوئی ہے جس کا تذکرہ میں نے اپنی متعدد کتابوں میں کیا ہے۔
(قاتلانِ حسین کا مذہب طبع چہارم ص ۹۵، مجاہدہ کربلا ص ۵۱، اسوۂ حسینی۔ ص ۱۳۴، و ۱۳۵)
حصین بن تمیم کو کئی ہزار سواروں کے ساتھ قادسیہ میں مقرر کیا گیا تھا۔
حُرّ بھی اس لشکر میں تھے اور وہیں سے ایک ہزار سواروں کے سردار ہو کر امام حسین علیہ السلام کے سدِ راہ ہونے کے لیے آگے بڑھے تھے۔

امامؑ سے پہلی ملاقات:

امام حسین علیہ السلام اپنے منازل سفر میں شراف سے آگے بڑھے ہیں۔ پہلی محرم ۶۱ھ دوپہر کا وقت تھا اُس وقت سامنے سے لشکر آتے ہوئے نظر آیا، میں نے "مجاہدۂ کربلا" میں اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے امامؑ نے فوج کو آتے دیکھ کر ذوحسم پہاڑ کا جو آپؑ کے بائیں طرف تھا

رخ کیا تا کہ اُسے پس پشت قرار دیکر دشمنوں سے سامنے کی جانب سے مقابلہ کریں آنے والی فوج نے بھی اسی طرف کا رخ کر دیا مگر حضرتؑ اس مقام تک پہلے پہنچ گئے تھے آپؑ کے خیمے نصب ہو چکے تھے اُس وقت وہ لشکر پہنچا۔ یہ حُرؑ ہی تھے جو اپنے رسالے کے ساتھ آئے تھے۔ فوج پر پیاس کا غلبہ تھا۔

امامؑ نے سب سے پہلے پورے لشکر کو پانی سے سیراب کرایا، اس کی تفصیل بھی میں نے اپنی اور کتابوں میں لکھی ہے۔ (مجاہدۂ کربلا۔ ص ۷۱۔ ۷۲۔ اسوۂ حسینی۔ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳)

فرزند رسولؐ کے اس ایثار، کرم، حُسن اخلاق، بلند حوصلگی اور انسانی ہمدردی کا سب سے پہلا اثر تھا جو حُرؑ کے دل پر قائم ہوا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ امامؑ کے مقابلے میں کسی مخالف طرزِ عمل کا اختیار کرنا اس سے بنتا ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب نماز ظہر کے وقت امامؑ نے حُرؑ کی فوج کے سامنے خطاب کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپؑ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''میں تمہارے خطوط کی بنا پر اور تمہارے بلانے پر آیا ہوں، اگر تم اس بات پر باقی ہو تو خیر نہیں تو جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں گا؟''

تو اس تقریر کا بھی حُرؑ کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا وہ بالکل خاموش تھا اور اُسے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔

نماز جماعت:

جب نماز کی اقامت ہوئی تو اس وقت امامؑ نے حُرؑ سے فرمایا کہ:

''کیا تم اپنے ساتھیوں کو علیحدہ نماز پڑھاؤ گے؟''

حُرؑ نے عرض کیا: نہیں! بلکہ آپؑ نماز پڑھائیں اور ہم سب آپؑ ہی کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے''۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دونوں طرف کے لشکروں نے امامؑ کے پیچھے نماز ادا کی۔

اس سے یہ نتیجہ تو نکالا نہیں جا سکتا کہ حُرؑ یا اُس کے ساتھی مذہبی حیثیت سے شیعہ تھے جبکہ عام اسلامی نقطۂ نظر سے امامت جماعت کے لیے امام یعنی جانشین رسولؐ ہونے کی ضرورت

نہیں بلکہ اکثریت کے نزدیک عدالت تک بھی معتبر نہیں ہے بلکہ صرف مسلمان ہونا کافی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غیر شیعہ مسلمان بھی حسین بن علی علیہ السلام کو ایک فرد مسلم سمجھنے پر مجبور ہی ہیں۔ پھر آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ شیعہ تھے، مگر پھر بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں امام حسین علیہ السلام کی نسبت کوئی خاص جذبہ عداوت ونفرت نہیں تھا بلکہ کسی نہ کسی حد تک آپ کی عظمت و بزرگی کے احساس سے متاثر تھے جب ہی وہ خود آپ کے مقابلے میں علیحدہ نماز جماعت قائم کرنے کو ایک غیر موزوں اور بے محل بات اور ایک طرح کی بے ادبی سمجھا۔

امامؑ کی دوسری تقریر اور حُرؑ کا جواب:

نماز کے بعد امامؑ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور حُرؑ اپنے خیمے میں۔ پھر عصر کے بعد امامؑ نے اپنے اصحاب کو روانگی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا اور عصر کی نماز پڑھائی جس کے بعد آپؑ نے فوج حُر کے سامنے دوسری تقریر کی جس میں دوبارہ خطوط کا تذکرہ کیا اور اسی بات کو دہرایا کہ: ''اگر تم اپنے خطوط کے مضمون پر قائم نہیں ہو تو میں واپس چلا جاؤں''۔

حُرؑ اس سے پہلے امامؑ کے اخلاقی اثر سے خاموش تھا مگر اُسے اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کا خیال تھا۔ وہ ابن زیاد کا نوکر تھا اور خاص طور پر حسین علیہ السلام کو روکنے کے لیے بھیجا گیا تھا وقت اب وہ آ گیا تھا کہ حسین علیہ السلام روانگی کے لیے آمادہ ہو چکے ہیں اور اب اگر حُرؑ خاموشی کی پالیسی پر قائم رہا تو اس کا مقصد بالکل فوت ہوتا ہے۔ اس لیے اب اپنے دل کو سخت کر کے وہ بولا اور اس نے کہا: ''ہمیں نہیں معلوم یہ خط کیسے ہیں جن کا آپ حوالہ دیتے ہیں؟''۔

حضرتؑ نے وہ تمام خطوط منگوا کر سامنے پھیلا دیئے۔

حُر نے کہا: ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط بھیجے تھے۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں آپ مل جائیں پھر ہم آپ سے جدا نہ ہوں۔ یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے سامنے لیجائیں''۔

بس حُر اب امامؑ کے سامنے ایک مخالف کی صورت سے تھا۔ امامؑ نے فرمایا:

"الموت ادنی الیك من ذلك."

''یہ بھلا کہاں ممکن ہے؟ اس سے پہلے موت تیرے سامنے ہوگی''۔

مخالفانہ اقدام اور ادب شناسی:

حُر کے لیے بڑا نازک مرحلہ تھا، اس لیے کہ اُس کا ضمیر بالکل مردہ نہ تھا۔ اُسے ایک فرض منصبی کا خیال اور دوسری طرف حسین بن علی علیہ السلام کی شخصیت کا احساس مگر موقع سخت سے سخت ہوتا جارہا تھا اس کے پہلے صرف الفاظ کی ضرورت تھی اور اب عمل کی۔ کیونکہ امامؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ یہاں تک کہ مخدرات بھی اپنی عماریوں میں سوار ہوگئیں حضرتؑ نے اصحاب سے فرمایا کہ:

''چلو جس راستے سے آئے ہیں اُسی راستے پر چلو''

اب حُرؓ کو کیا کرنا چاہیے؟ وہی جو اُس کو حکم دیا گیا ہے حُر کی فوج سامنے آ کر سدراہ ہوگئی اور اُس طرف جانے سے مزاحمت کی۔

اب حر سامنے تھا۔ امام علیہ السلام نے جلال کے عالم میں فرمایا:

"ثکلتك امك ماتريد."

''تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے کیا ارادہ رکھتا ہے؟''

حُر ایک شریف قوم و قبیلہ کا انسان تھا اور دنیاوی عزت رکھتا تھا۔ اُس کے لیے اس فقرے نے تازیانہ کا کام کیا۔ مگر پھر بھی وہ حسین علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے نفس کو چھوٹا پا رہا تھا اس لیے اُس نے ایک عجیب انداز سے اس فقرے پر احتجاج کیا۔ وہ کہتا ہے:

''خدا کی قسم! اگر کوئی اور قوم عرب میں سے مجھے یوں کہتا اس حالت میں کہ جس حالت میں آپ ہیں تو میں بھی ضرور اُس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا چاہے وہ کوئی بھی ہوتا مگر بخدا! آپؑ کی والدۂ ماجدہ وہ ہیں کہ جن کا ذکر بغیر انتہائی عزت و احترام کے میں کر ہی نہیں سکتا''۔

امامؑ نے فوراً اندازہ کر لیا کہ اس کا دل میرے مقابلے میں جھکا ہوا ہے آپؑ نے طرز کلام میں تبدیلی فرمائی اور کہا: ''پھر تم چاہتے کیا ہو؟''

حُر نے کہا: خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لیجاؤں۔

حضرتؑ نے فرمایا: "میں تمھارا کہنا ہرگز نہیں مانوں گا۔"

اُس نے کہا: "میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا"

تین مرتبہ ردّوبدل ہوئی۔ آخر میں پھر حُر کے نفس نے شکست کھائی اور اُس نے کہا:

"میں آپؑ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوا ہوں مجھے تو یہ حکم ملا تھا کہ آپؑ کے ساتھ ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچیں۔ جب آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو ایک ایسا راستہ اختیار کیجیے جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف واپسی کا راستہ ہو۔ اس کے بعد میں ابن زیاد کو لکھوں اور آپؑ بھی چاہیں تو یزید یا ابن زیاد کو خط لکھیں۔ شاید خدا اس طرح سے کوئی ایسی صورت پیدا کردے کہ مجھے آپؑ سے کوئی عملی مخالفت نہ کرنا پڑے۔"

دیکھا آپ نے حُر کی نیت کا پردہ چاک ہو گیا، معلوم ہو رہا ہے کہ اُس کا دل ڈانواں ڈول ہے۔ اُسے یہ فکر ہے کہ میں اس بلند ہستی سے عملی مخالفت کس طرح کروں گا؟ وہ پہلو ڈھونڈھ رہا ہے کہ کسی طرح اُسے آپؑ کے ساتھ تصادم نہ کرنا پڑے اور عملی مخالفت کی نوبت نہ آئے۔

اُسے اس کی بھی آرزو ہے کہ کسی طرح معاملات روبہ اصلاح ہو جائیں اور اس لیے وہ یہ مشورہ بھی دینا چاہتا ہے کہ آپ یزید یا ابن زیاد کو خط لکھیے۔ مگر ابھی اُس کے نفس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے خیال کو بالکل دل سے نکال دے اور دنیاوی زندگی کو اپنی بخیال خود فنا کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

راستے کی گفتگو:

جب امامؑ اُس راستے پر روانہ ہوئے جو آخر میں حُر نے معیّن کیا تھا تو راستے میں حُر کہنے لگا۔

"انی اذکرک اللہ فی نفسک فانی اشھد لئن قاتلت لتقتلن ولئن قوتلت لتھلکن فیما اری۔"

''میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں آپؑ اپنی زندگی پر رحم کیجیے! اگر آپؑ نے بڑھ کر جنگ کی تو یقیناً قتل کیے جائیں گے اور اگر دشمن نے بڑھ کر آپؑ پر حملہ کیا تب بھی میری رائے میں آپؑ ہلاک ہو گئے''۔

الفاظ میں یقیناً ہمدردی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے اُس کا دل حسین علیہ السلام پر کڑھ (ہمدردی کر) رہا ہے۔ مگر اُس کا نفس اُس بلندی پر نہیں ہے کہ وہ حسین علیہ السلام کے اس اقدام کے آخری نتائج تک پہنچ سکے اُس کو حسین علیہ السلام کی نفس کی پوری عظمت کا اندازہ بھی نہیں ہے جو دنیا کی زندگی کو اپنے سامنے ہیچ قرار دیتی ہے۔ پھر وہ ایک فوج مخالف کا فرد ہونے کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے جس میں ایک تہدید کا پہلو بھی مضمر معلوم ہوتا ہے۔

جس کو حسین علیہ السلام کی بلند ہمتی برداشت نہیں کر سکتی حسین علیہ السلام نے اُس کو اپنے مقصد کی گہرائیوں پر ایک عمیق ابہام کے پردے میں مطلع کر دیا یہ فرما کر کہ:

''افبالموت تخوفنی وھل یعدوبکم الخطب ان تقتلونی؟''

''کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو اور کیا تم اس سے زیادہ کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر دو؟''

یہ بظاہر عجیب چیز ہے، انسانی نگاہ میں آخری زیادہ سے زیادہ انجام قتل ہی ہے لیکن حسین علیہ السلام اس کو ایک درمیانی منزل قرار دے کر کسی اُس کے بعد کے درجے کو فتح و شکست کا معیار قرار دے رہے ہیں۔

حُر سمجھا نہیں سمجھا مگر وہ اتنا سمجھ لیا کہ میری نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس لیے اس نے اب حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چلنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور وہ حضرتؑ سے تھوڑے فاصلے پر علیحدہ ہو گیا اور دور دور روانہ ہوا مگر آپؑ سے جدا نہیں ہوا۔

ایک اور واقعہ:

جب امامؑ ''عذیب الہجانات'' میں پہنچے تو چار آدمی اہل کوفہ میں سے غیر معروف راستے سے امامؑ کی نصرت کے لیے آئے۔ یہ عمر بن خالد صیداوی اُن کا غلام سعید اور تین اور آدمی تھے۔

جیسا کہ بیان کے باب میں ماسبق گزر چکا ہے۔

حُر امامؑ کی نقل و حرکت کا نگراں تھا، اُس نے مداخلت کی اور کہا کہ ”یہ لوگ آپؑ کے ساتھ نہیں آئے ہیں۔ اس لیے یا تو میں انھیں گرفتار کر کے قید کرلوں گا یا کوفہ واپس کروں گا“۔

حضرتؑ نے فرمایا: ”اب جبکہ یہ میرے پاس پہنچ گئے اور میری امان میں آگئے تو میں انھیں تمھارے سپرد نہیں کرسکتا اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جب تک ابن زیاد کا خط تمھارے پاس نہ آجائیگا مجھ سے کچھ تعارض نہ کروگے اب اگر تم اس بات پر قائم نہیں رہوگے تو میں تم سے مقابلہ کروں گا“

حُر نے پھر خاموشی اختیار کی اور بات رفت و گذشت ہوگئی۔

ابن زیاد کا خط:

حُر کا رویہ امامؑ کے ساتھ مشکوک تھا جیسا کہ میں نے ”مجاہدہ کربلا“ میں خیال ظاہر کیا ہے ممکن ہے اُس کے رسالے کے کسی شخص نے ابن زیاد کو اطلاع دی ہو کہ حُر امامؑ کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کر رہا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد نے تنبیہ کی ضرورت محسوس کی اور حُر کے نام یہ خط بھیجا کہ:

”تم کو لازم ہے کہ جہاں پر یہ خط پہنچے اور میرا قاصد آئے فوراً حسین علیہ السلام کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انھیں ایسی جگہ قیام کرنے پر مجبور کرو جہاں آب و گیاہ موجود نہ ہو اور نہ کوئی قلعہ و جائے پناہ ہو۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ ساتھ رہے اور اُسوقت تک علیحدہ نہ ہو جب تک میرے حکم کی تعمیل نہ ہو جائے“۔

آخری الفاظ صاف بے اطمینانی کا پتا دے رہے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ حُر کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس معاملے میں رعایت کریگا یا سہل انگاری سے کام لے گا۔

اب حُر بھی مجبور تھا۔ حقیقۃً مجبور نہیں بلکہ اس دنیا کی بندگی کی بنا پر جس سے واقعی حریت اُسے ابھی نہیں حاصل ہوئی تھی۔

اس لیے اس خط کے آنے کے بعد اس نے امامؑ اور امامؑ کے اصحاب کے سامنے یہ

اعلان کردیا کہ:

"یہ امیر ابن زیاد کا خط ہے اور اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم سب کو اُسی جگہ اترنے پر مجبور کروں جہاں مجھے یہ خط پہنچے اور امیر کا قاصد موجود ہے اور اسے حکم ہے کہ یہ مجھ سے علیحدہ نہ ہو جب تک اس حکم کی تعمیل نہ ہو جائے"۔

ان الفاظ میں بھی کمزوری صاف نمایاں ہے۔

وہ حسین علیہ السلام کے سامنے اپنی بے بسی اور مجبوری کو پیش کیے دے رہا ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی طرف سے سختی نہیں کرنا چاہتا مگر اب میں خود زیر حراست ونگرانی ہوں۔

وہ ان الفاظ میں گویا درخواست کر رہا ہے کہ آپ مجھے اس کا موقع نہ دیجیے کہ میں اپنے ضمیر کے خلاف اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوں اور عملی حیثیت سے کوئی مزاحمت کروں۔

اُس کی اس صفائی کی حسین علیہ السلام نے قدر کی اور وہی حسین علیہ السلام جو اس کے پہلے اسی حُر کی مزاحمت پر بگڑ گئے تھے اور فرمایا تھا:

"الموت ادنی الیک من ذٰلک"

"تجھے اس کے پہلے کہ مجھے روک لے موت کا سامنا کرنا پڑیگا"

صرف اُس کے اتنے کہنے پر وہیں اتر پڑنے پر آمادہ ہو گئے بیشک کچھ قریبی آبادیوں کا نام لیا کہ وہاں ہم کو پہنچ لینے دیا جائے مگر حُر نے اُنہی الفاظ میں اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ مجھے حکم یہ ہے کہ آپ کو ایسی جگہ اتاروں جہاں آب وگیاہ نہ ہو۔ اور یہ شخص میرے اوپر نگراں مقرر کیا گیا ہے کہ یہ جا کر میرے طرز عمل کی اطلاع دے گویا وہ اپنی نسبت خطرے کا اظہار کر رہا ہے اور یہ کہ ابن زیاد مجھ سے بدگمان ہو چکا ہے اور میری جانب سے اب ذرا بھی مراعات میرے واسطے مناسب نہیں ہے۔

حسین علیہ السلام اُس کے انداز گفتگو اور طرز عمل کی ان تمام گہرائیوں کو سمجھ رہے تھے۔ وہ ابھی اُس سے اس کی توقع نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ دنیاوی زندگی کے خیال کو بالکل دل سے نکال دے اور اپنی جان کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کیونکہ اُس کا نفس ابھی خام تھا اور اُس

کے پختہ ہونے میں تھوڑا وقفہ تھا۔

اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصحاب میں جوش پیدا ہونے اور جنگ پر آمادہ ہو جانے کے باوجود امامؑ نے اُن سب کو روک دیا اور یہ فرمایا کہ: ''میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا''۔

اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ جب اس نے عملی تصادم نہیں کیا ہے بلکہ سچائی کے ساتھ اپنا معاملہ میرے سامنے رکھ دیا ہے اور صرف زبانی اپنے مقصد کو میرے سامنے پیش کیا ہے تو مجھے عملی طور پر ایسی صورت نہیں لانا چاہیے کہ اس سے اور مجھ سے جنگ درپیش ہو۔

چنانچہ آپؑ نے آگے بڑھنے کا خیال ترک کیا اور اُسی صحرا میں آپؑ اتر پڑے جہاں کے لیے حُر نے کہا تھا۔

کربلا پہنچنے کے بعد:

حسین علیہ السلام کے کربلا میں ٹھہرنے کے بعد حُر نے ابن زیاد کو اطلاع دی۔ وہاں سے عمر بن سعد اس مہم کا ذمہ دار بنا کر بحیثیت افسرِ اعلیٰ کے بھیج دیا گیا، حُر کی ذمہ داری ختم ہوئی اس کے بعد سے عاشور کے دن تک پھر حُر کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔

ذاکرین جو یہ روایت پڑھتے ہیں کہ ''شبہائے عاشور میں سے کسی شب حُر خدمت امامؑ میں حاضری کے لیے آئے۔ جناب عباسؑ طلایہ پھر رہے تھے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ''اگر امامؑ کے پاس جانا ہے تو اسلحہ یہیں رکھ دو'' حُر نے انکار کیا اور کہا کہ ''سپاہی اپنے ہتھیار کسی کے سپرد نہیں کرتا'' جناب عباسؑ نے فرمایا کہ: پھر تم امامؑ کی خدمت میں جا بھی نہیں سکتے''۔ اس گفتگو کی آواز امامؑ نے سُنی اور فرمایا: ''حُر کو آنے دو''۔ جناب عباسؑ حکم امامؑ سے مجبور ہوئے حُر کو حاضری کی اجازت دی مگر حُر کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس شان سے امامؑ کی خدمت میں لائے''۔

اس کی اصلیت بالکل اس سے مختلف ہے۔ میں نے اس واقعے کو ''معرکۂ کربلا'' ص ۱۶ میں یہ لکھا ہے:

آنے والا کثیر بن عبداللہ شعبی تھا۔ طلایہ پھرنے والے ابوثمامہ صائدیؓ تھے انھوں نے کہا: ''ہتھیار کھول کر رکھ دو۔'' اُس نے انکار کیا۔ اُنھوں نے کہا: ''اچھا! میں تمھاری تلوار کے

قبضے پر ہاتھ رکھے رہوں گا اور اس طرح تم کو لے جاؤں گا۔'' اُس نے اسے بھی گوارا نہ کیا۔ آخر ابوثمامہؓ نے اُسے خدمت امامؑ میں نہ جانے دیا اور وہ واپس گیا۔ یہ پورا واقعہ وہ ہے جو اس شکل میں مشہور ہو گیا ہے۔

اس طرح کی روایتیں بہت مشہور ہیں جن کی اصلیت کچھ اور ہے اور ہم نے اُن میں سے بعض کے متعلق حقیقت کا انکشاف اپنی مختلف کتابوں میں کیا ہے۔

عاشور کی صبح:

عمر سعد نے صبح عاشور جب لشکر کو ترتیب دیا اور میمنہ ومیسرہ مختلف افسروں کے سپرد کیا تو پھر قبائل کے اعتبار سے ایک تقسیم کی، اس میں حُر کو بھی افسری کا عہدہ دوبارہ ملا۔

''عبداللہ بن زہیر بن سلیم ازدی'' جماعت اہل مدینہ پر۔ ''عبدالرحمٰن بن ابی بسرہ حنفی'' مذحج واسد پر۔ ''قیس بن اشعث بن قیس'' ربیعہ وکندہ پر اور ''حُر بن یزید ریاحی'' تمیم وہمدان پر افسر مقرر کیے گئے۔ (طبری ج ص ۲۴۱)

دوسری تاریخ محرم سے دسویں تک، اس آٹھ دن میں حُر کی حالت کیا تھی؟ اسے تاریخ کے اندھیرے پردے میں رہنے دیجیے اور یہ راز منکشف ہوتا تو کیونکر؟ جبکہ اُس کا کوئی بتلانے والا رہا نہیں۔

لیکن بعد کی صورت حال اور حُر کی گفتگوؤں نے صاف بتلا دیا ہے کہ حُر جس وقت سے امام حسین علیہ السلام کو کربلا میں پہنچا کر ابن زیاد کو اطلاع دے چکے اُس وقت سے برابر خاموشی کے عالم میں انتہائی عمیق نگاہ سے مگر بے چینی کے ساتھ حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔

اُس نے راستے ہی میں اس طرح کی سلسلہ جنبانی کی تھی کہ کسی طرح امام حسین علیہ السلام اور یزید یا ابن زیاد کے درمیان کچھ خط وکتابت ہو اور معاملات روبا صلاح ہو جائیں۔ اُسے کربلا میں پہنچنے کے بعد بھی یہ توقع تھی کہ درمیان میں کوئی ایسا مشترک نقطہ پیدا ہو جائیگا جہاں امامؑ اور اُن کے مخالف مجتمع ہو جائیں اور جنگ کی صورت پیش نہ آئے۔ اُسے کوفہ سے متواتر فوجیں آنے سے انتشار ضرور پیدا ہوا ہوگا مگر عمر سعد کا طرز عمل اُس کے لیے امید افزا تھا جو خود صلح

کی گفتگوئیں کر رہا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ نہ ہو۔

ایسا بھی وقت آیا جب سلسلۂ گفتگو ایک ایسے نقطہ پر پہنچا جہاں عمر سعد تک نے یہ طے کرلیا کہ اب معاملہ یکسو ہو گیا۔ اور مقابلے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

پھر ایسی صورت میں حُر کو یہ سمجھنے کی کیا وجہ تھی کہ جنگ ضرور ہو گی۔؟

وہ دیکھ رہا تھا کہ امامؑ کا طرزِ عمل روادارانہ ہے۔ آپؑ اپنی جانب سے معقول شرائط پیش کر رہے ہیں جن پر صلح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ توقعات تھیں جو اُس کے دل میں نویں محرم کی سہ پہر تک قائم تھیں اور اُس پر کیا، کسی شخص کو اس وقت تک اس امر سے مایوسی کی اسباب نہ پیدا ہوئے تھے کہ صلح نہ ہو گی مگر ۹ محرم کی شام کو یہ سب امیدیں منقطع ہو گئیں ابن زیاد کے اُس خط سے جو شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھ عمر سعد کے پاس پہنچا جس کے بعد عمر سعد مجبور ہوا کہ وہ اُسی وقت امامؑ کے لشکر پر حملہ آور ہو جائے اور بہت مشکل سے صرف ایک شب کی مہلت عبادت خدا کے لیے منظور کرے۔

یقیناً یہ وہ وقت تھا کہ اب حقیقۃً حُر کے سامنے امام حسین علیہ السلام سے جنگ اور اُن کے قتل میں شرکت کا سوال پیش نگاہ تھا اور اب وہ سمجھا کہ میں نے اس کے پہلے جتنے اقدامات کیے وہ ایک مظلوم مقدس ہستی کو فنا کی منزل سے قریب کرنے کے سامان تھے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اس کے بعد پھر اب کیا مجھ کو اس سے بڑے اقدامات میں شرکت کرنا چاہیے۔؟ کیا میں حسین علیہ السلام کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگین کر سکتا ہوں؟

اُس کا ضمیر سختی سے انکار کرتا تھا کہ ”ہرگز نہیں! مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا“

اُسے اب سب کچھ یاد آتا تھا کہ حسین علیہ السلام وہ انسان تھے جس نے اُس سخت موقع پر مجھے اور میری تمام فوج کو پانی سے سیراب کیا۔ اب اُن پر پانی بند ہے اور میری بدولت کہ جس نے انھیں اس بے آب وگیاہ جنگل میں اترنے پر مجبور کیا۔ اُسے یہ احساس کر کے خود اپنی ہستی سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کا تدارک کیا ہے؟۔ میں حسین علیہ السلام کے پاس جا کر اپنی اس خطا کو معاف کراؤں۔ مگر کیا اتنا بڑا جرم دنیا میں معافی کے قابل بھی ہے؟!

پھر اگر حسین علیہ السلام نے میری خطا کو معاف نہ کیا تو میں کہاں کا رہا۔ نہ دنیا ملی نہ آخرت۔ پھر بھی اُس کا ضمیر کہتا تھا کہ چل کر معافی مانگنا تو چاہیے۔ اُنھوں نے نہ بھی معاف کیا پھر بھی اپنی امکانی کوشش تو اس دھبے کو اپنے دامن سے مٹانے کی کرلونگا۔ میں جب اپنی جان اُن کے قدموں پر ڈال دونگا تو پھر وہ بھی کریم النفس ہیں کہاں تک خیال نہ کریں گے۔

یہ خیالات تھے جو اُس کے دماغ میں ایک تلاطم برپا کیے ہوئے ہونگے۔ اور وہ شب عاشور ہی تھی جس کی سیاہی کے بے پایاں سمندر میں اُس کے خیالات کی کشتی تھپیڑے کھا رہی تھی اور کسی مرکز پر ٹھہرتی نہ تھی ہو مارتا ہوا جنگل اور رات کا سناٹا، صفحۂ تاریخ بھی سنسان ہے کون مؤرخ ہے جو اس معرکہ کی داستان قلمبند کرے جو حُرؒ کے دل و دماغ میں برپا رہی؟

ہاں! البتہ "الشعراء تلاسید الرّحمٰن" سچا شاعر حقیقت کا ترجمان ہوتا ہے۔"

میر انیسؒ اور اُن کے خاندان کے دوسرے باکمال مرثیہ گویوں نے جس طرح اس رات حُرؒ کی حالت کی تصویر کشی کی ہے وہ یقیناً ایک صحیح واقعہ ہے جس کی روایت خاموش فطرت کے واسطے سے شاعر کے دل تک پہنچی ہے اور واقعات کے قرائن اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔

رات کسی طرح گذری اور صبح ہوئی، حُرؒ کو پھر بھی یہ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے؟ کیا واقعی جنگ ہی ہوگی یا کوئی اور صورت رونما ہوگی؟ اُس نے انتہائی ضبط وصبر کے ساتھ دیکھا کہ فوج کی ترتیب ہوئی اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک حصہ فوج کا افسر قرار دیا گیا ہے۔ اُس نے امام کا بے نظیر اور موثر خطبہ سنا جس نے اُس کے دل کے تاثرات میں اور اضافہ کر دیا۔ مگر پھر اُس نے انتظار کیا کہ اس کا اثر مخالف فوج پر کیا پڑتا ہے؟ اُنھوں نے دیکھا کہ زہیر بن قینؒ نے بڑھ کر تقریر شروع کی اور ناصحانہ انداز میں اہل کوفہ کو مخاطب کیا، ان تمام باتوں کے بعد ہی اُسے احساس ہوا کہ فوج ابن زیاد جنگ پر آمادہ ہے اور اُس کے ارادوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔

بس اب حُرؒ کے ضبط وصبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ اور وہ خیال جو اُس کے دل میں پرورش پا رہا تھا اب رازداری کی حدود سے آگے بڑھ گیا۔

عمر سعد سے گفتگو:

حُرؓ آئے عمر سعد کے پاس اور کہا:

"أمقاتل انت ھذا الرّجل؟"

"کیا تم ان سے واقعی جنگ کروگے؟" (تاریخ طبری ج ٦ ص ٢٤٤)

یہ سوال اپنے اندر ان سب قلبی کیفیتوں کو مضمر رکھتا ہے جن کی تشریح کے لیے میں کئی صفحے سیاہ کر چکا ہوں۔

اُسے یہ یقین آنے کے قابل بات ہی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ فرزند رسولؐ سے جنگ عملی شکل بھی اختیار کرے گی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آثار و قرائن کو جنگ کے قطعی پا رہا تھا مگر پھر بھی اِس کی آرزو رکھتا تھا کہ یہ سب نمائشی ہو اور اس میں حقیقت بالکل نہ ہو۔

عمر سعد اُس کے ضمیر کے اندرونی کیفیات سے بالکل بیگانہ تھا اُس نے افسرانہ انداز میں بڑے اطمینان کے ساتھ کہا:

"ای واللہ! قتالا الیسرہ ان تسقط الرؤس وتطیح الایدی"

"ہاں ہاں بخدا! ایسی جنگ جس کا انتہائی کم نتیجہ یہ ہے کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ کٹ کٹ کر زمین پر گرتے ہوں"

حُرؓ نے کہا: "افمالکم فی واحدۃ من الخصال الّتی عرض علیکم رضا"؟

"کیا اتنے مطالبے جو حسین علیہ السلام نے پیش کیے ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں ہے؟

دیکھا آپ نے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کی گفتگو کو پورے غور سے نتیجے کی جستجو کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور اُسے یقین تھا کہ حسین علیہ السلام کے مطالبات ضرور مان لیے جائینگے۔

عمر سعد نے کہا: "واللہ لو کان الامر الّی لفعلت لکن امیرک قد ابی ذلک؟"۔

"خدا کی قسم! اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا لیکن کیا کروں کہ تمہارا حاکم (ابن زیاد) نہیں مانتا؟"

عمر سعد کے جواب میں خود کمزوری تھی، اُس کا مضمون حُرّ کی رائے اور خیال کو اور تقویت دینے والا تھا۔ وہ تسلیم کر رہا تھا کہ حسین علیہ السلام کا مسلک صلح پرورانہ ہے مگر ابن زیاد کی ضد حسین علیہ السلام کے قتل ہی کی طالب ہے۔

اس کے بعد حُرّ نے کچھ گفتگو کرنا بیکار سمجھا۔ اور اب یہ وقت آ گیا تھا کہ وہ اُس اپنے فیصلے کو جو بہت مشکل سے اُس کے دل و دماغ کی جنگ سے طے پایا تھا عملی لباس پہنائے

فوجِ مخالف سے علیٰحدگی:

حُرّ کو یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اگر فوج سے نکلنے کے پہلے یہ اطلاع ہو جائے کہ میری نیت میں کچھ تبدیلی ہو رہی ہے تو مجھے یہیں گرفتار کر لیا جائیگا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گا۔ اس لیے وہ اس وقت بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اُس کے قبیلے کا ایک شخص قرہ بن قیس اُس کے ساتھ تھا حُرّ کو اُس کا رہنا ناگوار ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کسی طرح میرے پاس سے ٹل جائے مگر کچھ بتانا نہ تھا۔ آخر اُس نے کہا: "قرہ آج تم نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟" اُس نے کہا: "نہیں ابھی نہیں" کہا: "پھر پلاؤ گے نہیں؟"

انسان کا چہرہ، اُس کی بات چیت، اُس کے چہرے کا رنگ، سب ہی اُس کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ حُرّ لاکھ چھپائے مگر دل کا اضطراب چھپنے کی چیز نہیں، قرہ نے کچھ نہ سمجھا، مگر اتنا تو سمجھ لیا کہ یہ مجھے اپنے پاس سے ٹالنا چاہتے ہیں اور چونکہ وہ سنجیدہ شخص تھا اس لیے وہ ہٹ گیا۔

(ملاحظہ ہو "معرکہ کربلا" صفحہ ۱۷)

حُرّ نے اپنے خیال میں بڑی فتح حاصل کی۔ اُس نے آہستہ آہستہ گھوڑا اپنا فوج امامؑ کی طرف بڑھانا شروع کیا۔

اُس کا دل دھڑک رہا ہوگا، اُس کے سینے میں طوفان برپا ہوگا وہ سمجھتا تھا اب میں کہیں اور ہوں مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، میں دنیا سے علیٰحدہ ہوں

اس وقت مہاجر بن اوس نے ٹوک دیا۔ جو اسی کے قبیلے کا شخص تھا اس نے کہا:

''کیوں حُر! کیا ارادہ ہے؟ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟''

وہ چونک پڑا یہ سن کر کہ ''حملہ کرنا چاہتے ہو؟'' حُر اس کا کیا جواب دیتے۔

اس نے پھر بھی پردہ داری کی کوشش کی، کچھ جواب نہیں دیا، مگر جسم میں لرزہ سا پیدا ہو گیا۔

راز فاش تھا، مہاجر نے کہا: ''حُر تمھاری یہ کیا حالت ہے؟ میں نے تو تمھاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے یہ پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو تمھارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ مگر اس وقت میں تمھاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں، یہ آخر ہے کیا؟''

یہ حُر کی شجاعت پر حملہ تھا، حُر اس غلط فہمی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اس نے چھپانے کی مہم میں اپنی شکست کا احساس بھی کر لیا اس لیے اب صاف اظہار کر دینا چاہا اور کہا:

''میرے سامنے اس وقت جنت و دوزخ کا سوال ہے''۔

وہ کہہ رہا تھا اور الفاظ کی رفتار کی ساتھ دل کی بےچینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اس نے کہا:

''میں تو جنت پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھوں گا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور آگ میں مجھے جلا دیا جائے''۔

اب دیر لگانے کا موقع نہ تھا۔ یہ کہتے ہی اس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور لشکر امام حسین علیہ السلام کی طرف پہنچ گیا۔ (طبری ج ٦ ص ٢٤٤)

عفوِ گناہ:

حُر کو اندیشہ تھا کہ اس کے اس بے تحاشا گھوڑا دوڑاتے ہوئے آنے سے انصار امامؑ میں دہشت نہ پیدا ہو۔ اور کہیں اس کی مزاحمت نہ کی جائے اس لیے اس نے لشکر امامؑ کے قریب پہنچتے ہی اپنی سپر پلٹ کر ہاتھ میں لے لی۔ (ابصار العین ص ١١٩)

یہ عرب کے دستور کے مطابق تھا۔ جب کوئی حملہ آور ہو تو اس کے ہاتھ میں تلوار کھنچی ہوئی ہوگی سپر حفاظت کے لیے سامنے ہوگی۔ لیکن اگر وہ تلوار کو نیام میں رکھ لے سپر کو الٹا کر لے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ امان کا طالب ہے یا کچھ پیام لا رہا ہے۔ حُر نے اپنی سپر اس طرح ہاتھ میں

لے کر گویا پہلے سے جتلا دیا کہ میں طالب امان ہو کر آ رہا ہوں جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔

(ابصار العین ص ۱۲۱)

حُرؑ کے اس اچانک آنے سے سب لوگ متعجب ضرور ہونگے اور چشم براہ ہونگے کہ یہ آکر کیا کہتا ہے: وہ سیدھا امامؑ کے سامنے آیا۔ کہنے لگا:

''میری جان آپؑ پر فدا اے رسول ﷺ کے فرزند! میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپؑ کو واپس جانے سے روکا، راستے میں آپؑ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپؑ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا''۔

------یہ وہ فردِ قرار دادِ جرم ہے جو اُس کے ضمیر نے خود اپنے خلاف مرتب کر لی تھی۔

------''قسم اُس خدائے برحق کی جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں کہ مجھے یہ گمان ہرگز نہیں تھا کہ یہ لوگ آپؑ کے تمام شرائط کو جو آپؑ پیش کرینگے مسترد کر دینگے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ کیا حرج ہے میں کسی حد تک ان لوگوں کا ساتھ دوں اور معلوم نہ ہو کہ میں ان کی اطاعت سے باہر ہوں! پھر یہ لوگ اُن شرائط کو تو قبول کر ہی لیں گے جو امام حسین علیہ السلام ان کے سامنے پیش کرینگے؟ بخدا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ لوگ ان شرائط کو آپؑ کی منظور نہیں کرینگے تو میں کبھی آپؑ کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار نہ کرتا۔ اچھا! اب میں حاضر ہوا ہوں انتہائی شرمسار اور توبہ کرتا ہوں اپنے گناہ سے خدا کی بارگاہ میں اور آپؑ کا شریک مصیبت ہو کر اپنی جان کے ساتھ یہاں تک کہ آپؑ کے قدموں پر مر جاؤں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو گی؟''

حُرؑ نے اپنے جرائم خود ہی پیش کر دیے تھے۔ اُس نے اپنی صفائی میں اسباب بھی وہ پیش کیے تھے جو حقیقت کے مطابق تھے اور جن پر شروع سے اُسکا طرزِ عمل صاف طور پر منطبق تھا، وہ معلوم ہوتا تھا کہ واقعی بے چین ہے اور اپنے جرم کے احساس سے مضطرب ہے۔

یہ موقع اس کا نہیں ہے کہ امامؑ کسی طول طویل تقریر کے ساتھ اُس کا جواب دیں آپؑ کو اُسے مطمئن کرنا چاہیے، فوری طور پر۔۔۔ آپؑ نے بلا توقف فرمایا:

''ہاں ہاں! خدا تمھاری توبہ قبول کریگا اور تمھیں بخش دیگا۔۔۔ ذرا اپنا نام تو بتاؤ۔''
یہ بشارت دینے کی تمہید ہے۔اسم سے مسمیٰ کو مطابقت دکھلانا ہے۔
اس نے کہا: ''حُر بن یزید''
امام نے فرمایا: ''انت الحرّ کما سمتك امك انت الحرّان شاء الله فی الدنیا و الاخرة۔''
''تم حُر ہو (یعنی آزاد) ہو اسی طرح جیسے تمھاری والدہ نے تمھارا نام رکھا ہے تم آزاد ہو انشاء اللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''
پھر امامؑ نے فرمایا: ''گھوڑے سے تو اتر آؤ''۔
حُرّ نے کہا: ''میں آپؑ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار رہوں بہتر ہے اس سے کہ نیچے اتروں۔بس ایک تھوڑی دیر ان سے جنگ کرلوں پھر تو (مر کر) گھوڑے سے نیچے اترنا ہی ہے''۔
امامؑ نے دیکھا کہ حُرّ کو ولولہ جہاد کا ہے۔فرمایا:
"فاصنع یرحمك الله مابدالك"
''اچھا! تمھاری جو خواہش ہو وہ کرو۔۔۔ خدا اپنی رحمت تمھارے شامل حال کرے۔''
(طبری ج ۶ ص ۲۴۴)

حُرّ کی پُرجوش تقریر:

وہ ضبط بہت کر چکے تھے، اب وقت تھا کہ ان کے خیالات کا کوہ آتش فشاں شگافتہ ہو، اس کی چنگاریں اُڑیں اور شعلے بلند ہوں۔
حُرّ نے اہل کوفہ کی فوج کے سامنے آکر تقریر شروع کی:
''اے کوفہ والو! تمھاری مائیں تمھارے غم میں روئیں! تم نے اس بزرگوار کو بلایا اور جب وہ آئے تو تم نے اُسے دشمن کے سپرد کردیا۔تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم اُن پر جان نثار کردو گے پھر تم نے خود اُن پر چڑھائی کردی اور اُن کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔تم نے اُن کے نفس کے آمد

ورفت کومسدود کر رکھا ہے اور گلا گھوٹنے پر آمادہ ہو اور چاروں طرف سے انھیں گھیر رکھا ہے۔ تم نے ان کو خدا کی چوڑی چکلی زمین میں جدھر وہ امن کا راستہ پائیں جانے سے روک دیا ہے اور وہ تمھارے ہاتھ میں قیدی کی طرح سے ہو گئے ہیں اور بے بس ہیں، اور تم نے اُن کو، اُن کے اہل حرم اور بچوں کو اور اُن کے اصحاب کو فرات کے بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے۔ وہ پانی جس کو یہودی، مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے جانور تک اِس پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ ہیں کہ ان کو پیاس نے جاں بلب کر رکھا ہے۔

کیا برا ہے وہ سلوک جو تم نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کی اولاد کے ساتھ کیا ہے؟ خدا تم کو اُس شدت کی پیاس والے دن سیراب نہ کرے۔ اگر تم ابھی آج، اسی دم توبہ نہ کرلو اور اپنے طرز عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آ جاؤ"۔

دشمن کو تقریر حُرؑ کی ناگوار تھی۔ کچھ پیادوں نے فوج کے حملہ کیا۔ تیر چلائے۔ حُرؑ نے تقریر موقوف کر دی۔ جنگ باقاعدہ شروع نہ ہوئی تھی اس لیے وہ آ کر امامؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۵)

اذن جہاد:

لڑائی شروع ہو چکی۔ عبداللہ بن عمیر کلبیؓ میدان جنگ میں ایک کارنمایاں کر چکے یعنی ابن زیاد کے دو غلام یسار و سالم ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے جس کے نتیجے میں وہ کچھ زخمی بھی ہوئے۔ ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئیں۔ اُس وقت حُرؑ کو خیال ہوا کہ میں تاخیر کر رہا ہوں۔ کسی ناصر امامؑ کو مجھ سے پہلے قتل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ پہلے مجھ ہی کو جاں نثار کرنی چاہیے یہ سوچ کر وہ خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"فرزند رسولؐ میں سب سے پہلے آپؑ سے لڑنے کو آیا تھا لہٰذا اب مجھے اجازت دیجیے کہ سب سے پہلے میں ہی آپؑ کے سامنے قتل ہوں اور آپؑ کے جد بزرگوار سے جا کر دست بوسی کروں"۔

ان الفاظ کے متعلق جو ایک بحث چھڑ گئی ہے وہ میں نے "محاربہ کربلا" صفحہ ۱۱۔ ۱۲ میں لکھی ہے۔

میں نے کہا ہے کہ: "حُرّ کے الفاظ بالکل حقیقت پر محمول ہیں۔ حُرّ کی اس اجازت جہاد کے پہلے ہرگز کوئی شخص شہید نہیں ہوا تھا، حُرّ نے اجازت اسی خیال سے مانگی کہ وہ جا کر لڑینگے اور شہید ہونگے تو اس صورت سے وہ اول شہید قرار پائیں گے"۔

امامؑ نے اجازت دی اور حُرّ میدان جنگ میں آئے۔

رجز:

حُرّ کی زبان پر یہ اشعار رجز جاری ہوئے:

انّی انا الحرّ و مأوی الضیف
اضرب فی اعناقکم بالسّیف
عن خیر من حل بارض الخیف
اضربکم و لا اری من حیف

"میں حُر ہوں اور مہمانوں کا پناہ دینے والا ہوں، میں تمھاری گردنوں پر تلوار چلاؤں گا اُس امامؑ کی جانب سے جو سرزمین مکہ کا سب سے بہتر رہنے والا ہے۔ میں تم کو تلواریں لگاؤں گا اور ذرا بھی اس کو ظلم نہیں سمجھوں گا"

حملہ اور جنگ:

اس رجز کے بعد حملہ کر دیا اور شمشیر زنی شروع کی اُس وقت جب حُرؓ لشکر سے جدا ہو کر امام حسین علیہ السلام سے جا کر ملے ہیں تو بنو حارث بن تمیم کے ایک شخص نے جس کا نام "یزید بن سفیان" تھا یہ کہا کہ: بخدا! اگر میں دیکھ لیتا حُر کو اُس وقت جب وہ نکل رہے تھے تو ایک نیزہ میں اُس کا کام تمام کر دیتا"

اب جبکہ حُرّ تن تنہا اتنی بڑی فوج میں جنگ کر رہے تھے۔ آگے بڑھ بڑھ کر تلواریں لگا رہے تھے اور عنترہ کا یہ شعر اُن کی زبان پر تھا:

ما زلت ارمیھم بثغرۃ نحرہ

ولبانہ حتّٰی تسربل بالدّم

"میں برابر اُن کے اوپر پھینکتا رہا اپنے گھوڑے کی گردن اور اُس کے سینے کو یہاں تک کہ اُس گھوڑے نے سر سے پاؤں تک خون کی چادریں اوڑھ لیں"۔

یہ شعر بالکل اُن کے حسب حال تھا کیونکہ اُن کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا، اُس کے سرو چہرہ پر تلواریں لگی تھیں اور خون بہہ رہا تھا۔ اس وقت حصین بن تمیم اُس قادسیہ والی فوج کے افسر نے جس کا حُر پہلے ماتحت تھا۔ یزید بن سفیان سے کہا کہ: "دیکھو حُر یہی تو ہے جسے قتل کرنے کی تم آرزو رکھتے تھے" اُس نے کہا: "اچھا! یہ کہہ کر وہ باہر نکلا اور آواز دی: "حُر بن یزید! کیا مقابلہ منظور ہے؟"

حُرؑ نے کہا: "ہاں! ضرور" یہ کہہ کر سامنے آگئے۔ خود حصین کا قول بیان کیا گیا ہے بس یہ معلوم ہوا کہ یزید کی جان حُر کے قبضے میں تھی۔ دم کے دم میں قتل ہو گیا۔ (طبری ج ٦ ص ٢٤٨)

یہ ایسا پُر ہیبت منظر تھا کہ دشمن کا پرا بند ہو گیا اور حُرؑ کے مقابلے کو پھر کوئی نہیں نکلا۔ آخر حُرؑ اپنے گھوڑے کو جو زخمی ہو چکا تھا موڑ کر اپنے مرکز کی جانب واپس آگئے

عام طور پر مشہور ہے کہ حُرؑ سب سے پہلے شہید ہیں اس کی بنیاد اُن کی طلب رخصت والے الفاظ پر ہے

مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس حملے میں شہید نہیں ہوئے۔ اُن کے پہلے وہ تمام لوگ شہید ہوئے جن کا تذکرہ اس سے پہلے گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے

جنگ مغلوبہ میں شرکت:

ظہر کے قریب جب فوج دشمن نے تیروں کا مینہ برسایا اور ادھر سے اصحاب امام حسین علیہ السلام نے بھی مجموعی حیثیت سے تلواریں کھینچ کر حملہ کر دیا یہی وہ عظیم جنگ ہے جو تاریخ میں حملۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "محاربہ کربلا" صفحہ ٢٥۔٢٧)

اس جنگ میں حُرؑ نے بھی حصّہ لیا اور اُن کا گھوڑا جو اس سے پہلے زخمی ہو چکا تھا اس موقع پر حرکا اور ساتھ نہ دے سکا اور وہ مثل تمام اصحاب امام حسین علیہ السلام کے جن کے گھوڑوں کا اس حملے میں خاتمہ ہو گیا تھا پیادہ ہو گئے جس کا تذکرہ اُن کے دشمن ایوب بن مشرح حیوانی نے اس طرح

کیا ہے کہ:

''میں نے حُر بن یزید کے گھوڑے کو تیر لگایا جس سے وہ تھرّا کر منھ کے بل گرا حُر چھلانگ مار کر زمین پر آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر ہے اور تلوار ان کے ہاتھ میں تھی وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے

ان تعقر و ابی فانا ابن الحرّ
اشجع من ذی لبد هزبر

''میں ایک شریف کا فرزند ہوں اور شیر سے زیادہ شجاعت کا مالک ہوں''

جنگ کا یہ عالم تھا کہ (راوی کہتا ہے) ''میں نے کوئی اس طرح کا شمشیر زنی کرنے والا نہیں دیکھا۔'' (طبری ج ۶ ص ۲۵۰)

اس جنگ مغلوبہ میں دشمن کو شکست ہوئی اور حُر اس موقع پر بھی شہید نہیں ہوئے۔

آخری جنگ اور شہادت:

دو پہر ڈھل چکی، نماز ظہر کا وقت آیا اور ابو ثمامہ صائدیؒ نے امامؑ سے نماز جماعت کے لیے کہا۔ امامؑ کی جانب سے فوج مخالف سے مہلت نماز کی درخواست کی گئی اور اُس کا جواب ناگوار ملا جس پر حبیب بن مظاہرؒ کو تاب نہ رہی اور اُنھوں نے حملہ کر دیا۔ آخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس کا اثر جو امامؑ پر ہوا وہ بھی آپ گزشتہ صفحات میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

کہاں حُرؒ کا وہ ارادہ کہ سب سے پہلے شہادت کا درجہ وہ حاصل کرے اور کہاں اتنی تاخیر کہ حبیب بن مظاہرؒ ایسا مخصوص امامؑ کا ساتھی شہید ہو جائے اور حُرؒ باقی رہے۔

امامؑ کے چہرے پر شکستگی کے آثار نے بھی اصحاب کے دل پر خاص اثر کیا، حُرؒ نے اب مضبوط ارادہ کر لیا کہ وہ اب اپنی منزل مقصد پر پہنچ جائے۔ اُس نے یہ رجز پڑھا:

آلیت لا اقتل حتّٰی اقتلا
و لن اصاب الیوم الا مقبلا
اضربهم بالسیف ضربا مفصلا

لا ناکلا عنھم و لا مھللا

"میں قسم کھاتا ہوں کہ قتل نہ ہوں گا جب تک دشمنوں کو قتل نہ کرلوں اور مارا نہ جاؤں گا مگر پیش قدمی کی حالت میں۔ میں آج تلواریں لگاؤں گا فیصلہ کن تلواریں، نہ میرے قدم پیچھے ہٹیں گے اور نہ کمزوری کا اظہار ہوگا"

کبھی یہ شعر پڑھتے تھے:

اضرب فی اعراضھم بالسیف

عن خیر من حل منی والخیف

"میں شمشیر زنی کروں گا اُس بہترین انسان کی جانب سے جس نے سرزمین حرم میں کبھی قیام کیا"۔

معلوم نہیں امامؑ کا اشارہ تھا اور حُرؑ کا خیال یا خود اپنی جانب سے کہ زہیر بن قینؒ نے حُرؑ کے ساتھ مل کر جہاد شروع کیا، حالت یہ تھی کہ جب ایک گھر جاتا تھا تو دوسرا بڑھ کر اُسے چھڑانے کی کوشش کرتا تھا، تھوڑی دیر یہی صورت قائم رہی، لیکن اس کے بعد پیادوں کی فوج نے حُرؑ کو سختی سے گھیر لیا اور زہیرؒ کی مدافعت ناکام ہوئی آخر حُرؑ شہید ہو گئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۲)

امامؑ کی قدر افزائی:

امامؑ نے اپنے اس ناصر کی یہ قدر کی جب اُس کی لاش میدان سے اُٹھا کر لائی گئی اور حضرتؑ کے سامنے رکھی گئی تو آپؑ خاک و خون حُرؑ کے چہرے سے صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے:

"انت الحرّ کما سمّتك امك وانت الحرّ فی الدّنیا و انت الحرّ فی الأخرة"

"تم بیشک حُر ہو تمھاری والدہ نے تمھارا نام حُر بہت ٹھیک رکھا تھا، تم دنیا میں بھی حُر ہو اور آخرت میں بھی حُر"۔

یہی الفاظ ہیں جو آپؑ خود حُرؑ سے اُس کی زندگی میں ارشاد فرما چکے تھے اور یہی اُس کی لاش پر بھی آپؑ نے ارشاد فرمائے۔

امامؑ کا سلام

زیارت شہداؑ میں جو تحفۃ الزائر میں مذکور ہے حُرؒ پر بھی سلام موجود ہے:

"السلام علی الحرّ بن یزید الریاحی۔"

کیا کہنا حُرؒ کی اس سعادت شہادت کا جس نے اُس کو سلام امامؑ کا مستحق بنا دیا۔

معتبر کتابوں سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حُرؒ کے ساتھ اُن کا فرزند، غلام یا بھائی بھی تھا۔ لیکن سپہر کاشانی نے بعض غیر معروف کتابوں سے اس کو نقل کیا ہے:

"حُر روئے با پسر خود علی کرد و گفت: اے فرزند ببیں! قوم ستمگار ترکتازی کن و چندکه توانی داد جہاد بدہ، پسر حُر اسپ برانگیخت و بر سپاہ کوفہ گزیں افگند کوفیاں اورا در پردہ افگندند و رزمے صعب دادند، در شرح شافیہ مسطور است کہ پسر حُر بیست و چہار کس از مشرکین را مقتول ساخت و ابو مخنف گوید ہفتاد کس بکشت آنگاہ مقتول گشت حُر از شہادت فرزند عظیم شاد شد و قال:

"الحمد لله الذی رزقك الشهادة بين يدی مولانا الحسين بن امير المومنين"۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۰)

"شرح شافیہ" جس کا حوالہ دیا گیا ہے بالکل مجہول ہے۔ ابو مخنف کی اصل تاریخ اگر دستیاب ہوتی تو وہ بہت کچھ معتبر سمجھی جاسکتی تھی مگر افسوس کہ اس اصل تاریخ کا وجود نہیں ہے اور ابو مخنف کا نام عام تاریخوں میں اس طرح لیا جانے لگا ہے جیسے مقامات حریری میں "حارث بن ہمام" کا نام لیا جاتا ہے۔

زیارت شہداؑ میں بھی حُرؒ کے فرزند کا تذکرہ نہیں ہے اسی لیے مصنف ابصار العین نے بھی انصار حسینؑ میں فرزند حُر کا تذکرہ نہیں کیا اور میں بھی اس کا اضافہ کرنے سے قاصر ہوں"۔

تاریخ "روضۃ الاحباب" میں جو محدث جمال الدین اصفہانی کی تصنیف ہے حُرؒ کے بھائی مصعب بن یزید ریاحی کا بھی تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب حُرؒ میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھنے لگے تو اُس کا بھائی مصعب جو ابھی لشکر عمر سعد میں تھے گھوڑا دوڑا کر آگے بڑھے، فوج

والے سمجھے کہ وہ اپنے بھائی کے مقابلے کو جا رہا ہے۔ جب وہ حرؑ کے قریب آئے تو اُس نے حرؑ کی تعریف کی اور کہا کہ "آپؑ نے مجھے بھی ہدایت کا راستہ دکھلا دیا، میں بھی توبہ کرنے کے لیے آیا ہوں حرؑ اُس کو امامؑ کی خدمت میں لائے اُس نے توبہ کی اور اصحاب امام علیہ السلام کی صف میں کھڑا ہو گیا"۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۰)

حرؑ کی شہادت کے بعد مصعب نے اجازت جہاد حاصل کی اور جنگ کر کے شہید ہوئے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۲)

نماز ظہر کے بعد کے شہداؑ

65۔ سعید بن عبداللہ حنفیؑ

کوفہ کے معزز شیعوں میں سے تھے اور شجاعت اور عبادت کی صفت سے موصوف تھے۔

نمائندگی:

جب اہل کوفہ نے جلسہ کر کے امام حسین علیہ السلام کو دعوت دینے کا فیصلہ کیا تو حضرتؑ کے نام پہلا خط عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ بھیجا گیا، پھر دو دن کے عرصے میں ترپن (۵۳) عرضداشتیں مختلف اشخاص کی طرف سے لکھی گئیں، وہ قیس بن مسہر صیداویؑ اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارحبیؑ اور عمارۃ بن عبید سلولیؑ کے ہاتھ روانہ کی گئیں، سب سے آخر میں ایک خط لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا:

"آپؑ جلدی تشریف لائیے، لوگ آپؑ کے منتظر ہیں، بہت جلدی کیجیے"۔

یہ خط ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ روانہ کیا گیا (طبری ج ۶ ص ۱۹۷)۔

یہ شیعیان کوفہ کی طرف کا سب سے آخری وفد تھا۔ اس کے علاوہ ایک خط شیث بن ربعی اور حجار بن ابجر وغیرہ کا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ: "کھیتیاں لہلہا رہی ہیں، میوے رسیدہ ہیں، چشمے پر آب ہیں اور لشکر آپؑ کی مدد کے لیے تیار ہے"

اس خط کی نوعیت پر میں نے امامیہ مشن کی سب سے پہلی کتاب (قاتلان حسین کا مذہب طبع چہارم ص ۶۶۔۶۹) میں مفصل تبصرہ کیا ہے۔

مؤلف ابصار العین نے دھوکا کھایا ہے کہ انھوں نے سعید بن عبداللہ حنفیؒ کے ہاتھ جانے والا خط یہی قرار دیا ہے جو شیث بن ربعی وغیرہ کا بھیجا ہوا تھا۔ (ابصار العین ص ۱۲۵)

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے ان خطوط کا جواب ان ہی دونوں نمایندوں کے سپرد کیا جن میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفیؒ تھے آپؑ کے خط میں اُن کے نام کا حوالہ بھی مذکور تھا۔ آپؑ نے لکھا تھا۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۷)

من حسین بن علی علیہما السلام الی الملاء من المومنین والمسلمین اما بعد فان هانئا وسعید اقدما علی بکتبکم وکانا اخر من قدم علی من رسلکم وقد فهمت کل الذی اقتصصتم ---- الاخرہ

"یہ خط ہے حسین بن علی کا جماعت مومنین و مسلمین کی طرف، ہانی اور سعید میرے پاس تمھارے خطوط لے کر وارد ہوئے اور یہ دونوں سب سے آخری تمھارے نمائندے تھے جو میرے پاس پہنچے میں نے تمھارے خطوط کو دیکھا اور ان کے مضمون پر مطلع ہوا"۔

اس کے بعد آپؑ نے تحریر فرمایا تھا کہ "میں تمھاری جانب اپنے چچازاد بھائی اور معتمد عزیز مسلم بن عقیلؑ کو بھیجتا ہوں۔ یہ تمھارے حالات سے مجھ کو مطلع کریں گے"

دونوں آدمیوں کو اس خط کے ساتھ حضرت مسلمؑ کے آگے روانہ کیا اور قیس بن مسہر اور عبدالرحمٰن اس کے بعد مسلمؑ کی ہمراہی میں روانہ ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۲۶)

جلسے میں تقریر:

جب حضرت مسلمؑ کوفہ میں وارد ہوئے اور مختارؒ کے مکان میں فروکش ہوئے اور شیعیانِ کوفہ آپؑ کے پاس مجتمع ہوئے اور آپؑ نے امام حسین علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا جس کے بعد عابس بن ابی شبیب شاکریؒ نے تقریر کی جو اُن کے حالات میں آچکی اور حبیب بن مظاہرؒ نے اُس کی تائید کی جس کا تذکرہ اُن کے حالات میں آچکا ہے۔

اس کے بعد سعید بن عبداللہ حنفیؓ کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے تائید کی ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم دوسروں کے ذمہ دار نہیں مگر اپنی جانب سے ہر طرح امداد کے لیے تیار ہیں۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۹)

اس کے بعد کے حالات:

جب جناب مسلمؑ کے لیے حالات میں انقلاب ہوا اور جنگ کی صورت پیش آئی، تو کوئی تذکرہ سعید بن عبداللہ کا دکھائی نہیں دیتا۔

''ابصار العین'' میں ہے کہ حضرت مسلمؑ نے آپؓ کو خط دے کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کے بعد وہ امامؑ ہی کے ساتھ رہے۔ (ابصار العین ص ۱۲۶)

ممکن ہے جناب مسلمؑ نے متعدد خطوط لکھے ہوں کیونکہ ایک خط کا تذکرہ عابس بن ابی شبیب شاکریؓ کے حالات میں آئیگا کہ وہ لیکر امامؑ کے پاس گئے تھے۔

امامؑ کا خطبہ اور اُس کا جواب:

شب عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپؑ نے سب کو اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: ''تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ اس لیے کہ ان لوگوں کو مجھ سے کام ہے تم سے نہیں ہے'' تو اسے سن کر پہلے تو بنی ہاشم نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا پھر انصار کی نوبت آئی تو مسلم بن عوسجہؓ نے تقریر کی جو اُن کے حالات میں پیش ہو چکی ہے۔

اس کے بعد سعید بن عبداللہ حنفیؓ کھڑے ہوئے اور یہ جوش و ولولے سے بھرے ہوئے الفاظ کہے:

واللہ! لا نخلّیک حتّٰی یعلم اللہ انّا قد حفظنا غیبۃ رسول اللہ ﷺ فیک واللہ لو علمت انّی اقتل ثمّ احیا ثمّ احرق حیّا ثمّ اذرّ یفعل ذٰلک بی سبعین مرّۃ ما فارقتک حتّٰی القی حمامی دونک فکیف لا افعل ذٰلک و انّما ھی

قتلة واحدة ثم هي الكرامة التي لا انقضاء لها.

''خدا کی قسم! ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑ ینگے جب تک کہ خدا کے سامنے سبکدوش نہ ہوں اُس ذمہ داری سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم پر آپؑ کے متعلق عائد ہوتی ہے۔ بخدا! اگر میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں، پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے اور یہی میرے ساتھ ستر مرتبہ سلوک ہو تب بھی میں آپؑ سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ آخری موت مجھے آپؑ کے قدموں پر آئے پھر ایسا میں کیونکر نہ کروں گا جبکہ یہ صرف ایک دفعہ کا قتل ہونا ہے اور پھر وہ عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں''۔

نماز ظہر:

نماز کا وقت آ چکا تھا، اسی کی مہلت مانگنے کے سلسلے میں حبیب بن مظاہرؓ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور اُس کے بعد بھی جنگ ملتوی نہیں ہوئی اور مہلت نہیں دی گئی۔ ایسے موقع کے لیے شرع نے نماز خوف کا حکم دیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ: ''فوج کے دو حصے ہو جائیں ایک دشمن کے ساتھ مقابلہ کرے اور دوسرا نماز میں شرکت کرے۔ امامؑ نماز کو طول دے یہاںتک کہ پہلا حصہ اپنی نماز کو تخفیف کے ساتھ تمام کر کے جائے اور دشمن کے سامنے کھڑا ہو تو دوسرا حصہ فوج کا آ کر نماز میں شریک ہو''

امامؑ نے اپنی اُس مختصر فوج کی تقسیم اسی طرح کی علامہ مجلسی نے بحار میں لکھا ہے:

''قال الحسين عليه السلام لزهير بن القين و سعيد بن عبد الله تقدما امامي حتى اصلي الظهر فتقدما امامه في نحو من نصف اصحابه حتى صلى بهم صلوة الظهر''

''امامؑ نے زہیر بن قینؒ اور سعید بن عبد اللہ حنفیؒ سے فرمایا کہ تم دونوں آگے بڑھو یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھوں۔ یہ دونوں اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرتؑ نے نماز خوف ادا کی''۔

بیمثال جانبازی اور شہادت:

ظہر کی نماز کے بعد جنگ شدّت کے ساتھ ہونے لگی۔ دشمن کی فوج آگے بڑھتی ہوئی امامؑ سے بہت نزدیک آگئی اس موقع پر سعید بن عبداللہؓ نے عجب طرح جاں نثاری کے فرض کو انجام دیا۔ وہ امامؑ کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہوگئے اور جو تیر داہنے یا بائیں طرف سے آتا تھا اُسے وہ اپنے جسم پر لینے لگے یہاں تک کہ زخموں کی کثرت سے زمین پر گرے اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ (طبری ج ۲ ص ۲۵۲)

اسی بے مثال وفاداری اور جان بازی کا نتیجہ ہے کہ زیارت شہداؑ میں اُن پر ممتاز الفاظ میں سلام کیا گیا ہے۔

السلام علی سعید بن عبداللہ الحنفی القائل للحسین وقد اذن لہ فی الانصراف لا و اللہ لا نخلّیک حتّٰی یعلم اللہ انا قد حفظنا غیبۃ رسول اللہ ﷺ فیک و اللہ لو اعلم انّی اقتل ثم احیی ثم احرق ثم ابعث حیا ثم اقتل ثم احرق ثم اذری ویفعل ذٰلک بی سبعین مرّۃ ما فارقتک حتّٰی القٰی حمامی دونک و کیف افعل ذٰلک وانّما ھی موتۃ اوقتلۃ واحدۃ ثم ھی الکرامۃ الّتی لا انقضاء لھا ابدا فقد لقیت حمامک و واسیت امامک و لقیت من الکرامۃ فی دار المقامۃ حشرنا اللہ معکم فی المستشھدین ورزقنا مرافقتکم فی اعلٰی علیین۔

''سلام سعید بن عبداللہ حنفی پر جنھوں نے حسین علیہ السلام سے کہا اُس وقت جب آپؑ نے انھیں واپس جانے کی اجازت دی کہ'' خدا کی قسم! ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا یہ جان لے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپؑ کے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا۔ بخدا! اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہونگا پھر زندہ کیا جاؤنگا پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا پھر میری خاک ہوا میں منتشر کردی جائیگی اور یہی میرے ساتھ ستر مرتبہ سلوک ہوگا تب بھی میں آپؑ سے جدا نہ ہونگا جب تک کہ آخر میں آپؑ ہی کے قدموں پر موت آئے پھر میں اس وقت کیونکر آپؑ کا ساتھ چھوڑوں جبکہ یہ ایک دفعہ کا مرنا یا قتل ہونا ہے پھر وہ عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی

نہیں" بیشک! تم نے جان دی اور امامؑ کے ساتھ جاں بازی کا فرض انجام دیا اور بہشت کی عزت کو حاصل کیا۔ خدا ہم کو تمھارے ساتھ شہدا کے زمرے میں محسوب کرے اور بلند ترین درجات آخرت میں تمھاری رفاقت نصیب کرے"۔

ابن شہر آشوب نے سعید بن عبداللہؓ کی شہادت کو عام طور پر مبارز طلبی کے عنوان سے لکھا ہے، وہ کہتے ہیں: "حجاج بن مسروق کے بعد سعید بن عبداللہ حنفیؒ میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھا، جنگ کی اور شہید ہوئے۔" (مناقب طبع بمبئی ج ۴ ص ۹۵)

66۔ زُہیر بن القین بن قیس البجلیؒ

ابتدائی حالات:

اشراف عرب میں سے کوفہ کے باشندے، بہادر اور لڑائیوں میں شریک ہو چکے تھے۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں کے بعد سے مسلمانوں میں "عثمانی" اور "علوی" کے نام کی تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ جو لوگ امیر معاویہ کے طرفدار تھے اُن کو "عثمانی" کہا جاتا تھا اور جو جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف تھے، وہ "علوی" کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ زہیرؒ عام طور پر "عثمانی" "معروف تھے"۔

زہیرؒ نے ۶۰ھ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ حج کیا۔

حج سے واپسی:

واپسی میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ ہو گیا۔ زہیرؒ اگرچہ امامؑ کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؑ کی خاندانی شخصیت وعظمت سے مرعوب ضرور تھے یعنی انھیں اس کا خیال تھا کہ اگر حسین بن علی علیہ السلام مجھ سے کوئی خواہش کریں گے تو مجھ سے رد کرنا اُس کا ممکن نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے قافلے سے دور دور رہتے تھے، امام حسین علیہ السلام اگر منزل سے آگے بڑھ گئے تو زہیرؒ نے منزل پر قیام کر لیا اور اگر امامؑ کسی منزل میں ٹھہر گئے تو زہیرؒ نے اپنے قافلے کو آگے بڑھا دیا یہ صرف اسی لیے تھا کہ امامؑ سے ملاقات نہ

ہونے پائے۔

امامؑ سے ملاقات:

اتفاق سے ایک منزل پر ایسا ہوا کہ زہیرؓ کو بھی اُسی جگہ قیام کرنا پڑا جہاں امامؑ فروکش تھے۔ امامؑ کے خیمے ایک طرف نصب تھے زہیرؓ کے خیام دوسری جانب نصب ہو گئے۔ ان لوگوں نے خورد و نوش کا تہیہ کیا اور دستر خوان بچھایا۔ ابھی کھانے میں مصروف ہی تھے کہ امام حسین علیہ السلام کا قاصد آ گیا اور سلام کیا اُس نے زہیر بن قینؓ سے کہا کہ ''مجھے آپ کے پاس ابو عبداللہ الحسین بن علی علیہما السلام نے بھیجا ہے اور آپؓ کو بلایا ہے۔''

جو اندیشہ دل میں تھا وہ سامنے آ گیا۔ ہاتھوں سے نوالے چھوٹ گئے اور سناٹا چھا گیا۔

زہیرؓ کی زوجہ الہم بنت عمرو ایک شریف خاندان کی خاتون تھی، اُس کا بیان ہے کہ: ''میں نے جو زہیرؓ کو متردّد دیکھا تو میں نے کہا: ''سبحان اللہ! فرزند رسولؐ تم کو بلوائیں اور تم جانے میں تامل کرو۔ ارے جا کر سنو تو کہ وہ کیا فرماتے ہیں پھر واپس چلے آنا''۔

زہیرؓ گئے اور تھوڑی دیر میں خوش خوش واپس آئے چہرہ اُن کا دمک رہا تھا۔ اُنھوں نے کہا: ''ہمارا خیمہ، اسباب اور سامان سب امام حسین علیہ السلام کے قافلے کی طرف پہنچا دیا جائے''

خیمہ اکھاڑا گیا اور پہنچایا گیا۔

اپنی زوجہ سے کہا کہ: ''میں تم کو طلاق دیتا ہوں، تم اپنے قبیلے میں چلی جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا میرے سبب سے تمھیں کوئی ناگوار امر درپیش ہو''۔

پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: ''جو شخص تم میں سے میرے ساتھ آنا چاہے وہ میرے ساتھ آئے ورنہ یہ آخری ملاقات ہے۔ میں تم سے واقعہ بیان کروں۔ بلنجر کی لڑائی میں جب ہم لوگوں کو فتح ہوئی اور اموال غنیمت مسلسل حاصل ہوئے تو سلمان باہلی نے کہا کہ ''تم لوگ خوش تو ہو رہے ہو اس فتح اور غنیمت کے مال سے لیکن! جب جوانان آل محمد علیہم السلام کی نصرت میں جہاد کرنا تو اس سے زیادہ خوش ہونا اُن فوائد کے لحاظ سے جو حاصل ہونگے''۔ اچھا! میں اب تم سب سے رخصت ہوتا ہوں''۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۲۴_۲۲۵)

خوش نہادی اور ضمیر کی صفائی داعی حق کی پُرخلوص آواز میں بجلی کی طاقت پیدا کر دیتی ہیں۔ بیشک! یہ زہیرؓ کے نفس کی پاکیزگی تھی کہ وہ اگرچہ ماحول اور دوسرے خارجی اسباب کی بنا پر ایک دوسری جماعت سے متعلق تھے لیکن سچی ہدایت کے مختصر جملوں ہی نے اُن کو ولولہ اور جوشِ ایمانی سے بھر دیا اُن کو وہ پیشین گوئی بھی یاد آ گئی جو رسولؐ کی زبانی سن کر بہت سے صحابہ و تابعین کی زبانوں پر آیا کرتی تھی۔

بلنجر کی لڑائی جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں ہوئی ہے اس موقع پر فوج کے سردار سلمان بن ربیعہ باہلی تھے اور وہ اس مہم کے سر ہونے کے بعد وہیں قتل ہوئے، اسی کے متعلق عبدالرحمن باہلی شاعر نے کہا:

و انّ لنا قبرین قبر بلنجر
و قبرا بارض الصین بالك من قبر

''ہمارے خاندان کی دو خاص قبریں ہیں ایک وہ جو بلنجر میں ہے دوسری چین کے قبرستان میں۔ کیا کہنا ان قبروں کا''

یہاں پہلی قبر سے مراد سلمان باہلی کی قبر اور دوسرے سے قتیبہ بن مسلم باہلی کی قبر مراد ہے۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس لڑائی میں سلمان فارسیؓ بھی موجود تھے۔ بہت ممکن ہے کہ مذکورہ پیشین گوئی حضرت سلمانؓ کی زبان سے نکلی ہو اور وہ سلمان باہلی کی جانب منسوب ہو گئی ہو۔ (ابصار العین ص ۱۰۰)

امامؑ کا خطبہ اور زہیرؓ کا پُر خلوص جواب:

''ذوحسم'' کے مقام پر جب حُر کا لشکر امامؑ کی مزاحمت کے لیے آ چکا ہے تو حضرتؑ نے اپنے اصحاب کے سامنے خطبہ ارشاد کیا جس میں حمد و ثنائے باری کے بعد فرمایا:

انّه قد نزل من الامر ما قد ترون وانّ الدنیا قد تغیرت و تنکرت و ادبر معروفها و استمرّت جذا فلم یبق منها الاصبابة کصبابة الاناء و خسیس عیش کالمرعی الوبیل الاترون انّ الحق لایعمل به وانّ الباطل

لا یتناھی عنه یرغب المؤمن فی لقاء الله محقا فانّی لا اری الموت الّا شھادۃ ولا الحیوۃ مع الظالمین الا برما.

''صورت حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو اور یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اُس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے سوائے تھوڑے حصے کے جو پانی کے بہنے کے بعد برتن میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی مثل زہریلی گھانس کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے علیحدگی نہیں اختیار کی جاتی؟ اس صورت میں مومن یقیناً خدا کی ملاقات کا آرزومند ہوتا ہے، میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے اور زندہ رہنا ان ظالموں کے ساتھ وبال جان ہے''۔

اس خطبے کا مقصد صرف اصحاب کو انجام سے مطلع کرنا اور اُن کے عزائم میں پختگی پیدا کرنا ہی ہوسکتا ہے۔ ضرورت تھی کی اس تقریر کو سن کر اصحاب کی جانب سے بھی اپنے اخلاص نیت اور پختگی عزائم کا کوئی اظہار ہو۔

زہیرؑ کو اس کا احساس تھا کہ میں اس جماعت میں تازہ شریک ہوا ہوں اس لیے مجھے ایسے مواقع پر سبقت کرنے کا پورا حق حاصل نہیں ہے لیکن اُن کا قلبی جوش و ولولہ اُن کو سکوت کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ امامؑ کی تقریر ختم ہوتے ہی وہ کھڑے ہو گئے اور اصحاب امامؑ سے اِن لفظوں میں تقریر کی اجازت مانگی کہ:

"تکلمون ام اتکلّم؟"

''آپ لوگ کچھ کہنا چاہتے ہیں یا میں کہوں؟''

یہ اخلاق ومروت سے بالکل بعید تھا کہ اُنھیں روکا جاتا۔ سب نے کہا کہ: ''نہیں آپ تقریر کریں۔''

زہیرؑ نے حمد الٰہی کے بعد کہا کہ:

"قد سمعنا ھداك الله یا ابن رسول الله! مقالتك والله لو کانت الدنیا لنا باقیة و کنا فیھا مخلّدین الّا فراقھا فی نصرتك مؤاساتك لاٰثرنا

الخروج معك على الاقامة فيها".

"خدا آپؑ کی رہنمائی کرے فرزند رسولؐ! ہم نے آپؑ کے ارشاد کو سنا۔ بخدا! اگر دنیا ہمارے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی مگر جدا ہوتا اُس سے آپؑ کی نصرت اور ہمدردی میں ہوتا تو ہم آپؑ کے ساتھ چلنے کو دنیا کے ہمیشہ قیام پر ترجیح دیتے۔"

امامؑ نے دعائے خیر دی اور اُن کے خلوص کی تعریف کی۔ (طبری ج ۶ ص ۲۲۹)

حُر کی مزاحمت پر زہیرؓ کا غصّہ:

اُس وقت جب امامؑ جا رہے تھے اور حُر ساتھ ساتھ تھے، اور ابن زیاد کا خط حُر کے پاس آیا کہ حسین علیہ السلام پر سختی کرو اور انھیں ایسے مقام پر ٹھہرنے پر مجبور کرو جہاں آب و گیاہ نہ ہو جس کا تذکرہ حُر کے حالات میں آ چکا۔

حُر نے امامؑ کو خط کے مضمون سے مطلع کیا، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ: "ہم کو اس قریہ میں جو یہاں سے نزدیک ہے قیام کرنے دو، یعنی "نینوا" یا اس میں یعنی "غاضریہ" یا اُس تیسرے میں یعنی "شفیہ" میں۔ لیکن حُر نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ: "مجھے حکم ہے کہ ایسی جگہ قیام کراؤں جہاں آب و گیاہ نہ ہو"

اُس وقت زہیر نے کہا: "فرزند رسولؐ! ان لوگوں سے جنگ کر لینا آسان ہے بہ نسبت اُس فوج سے جنگ کے جو اِن کے بعد آنے والی ہے یقین جانئے اس کے بعد اتنا لشکر آئے گا جس سے مقاومت کی طاقت ہم میں نہ ہوگی"۔

حضرتؑ نے فرمایا: "میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا"

زہیر بن قین نے کہا: "اچھا! بالکل قریب کے اس قریہ کی طرف چلیے جو محفوظ بھی ہے اور فرات کے کنارے بھی ہے۔ اگر انھوں نے ہم کو روکا تو ہم جنگ کریں گے" انھوں نے اس قریہ کا نام "عقر" بتایا۔ حضرتؑ نے اسے بھی مناسب نہ سمجھا اور وہیں اتر پڑے جہاں حُر کا اصرار تھا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۲)

فوج مخالف سے گفتگو:

نویں تاریخ کی شام کو جب اہل کوفہ نے دفعتہً امامؑ کی طرف کا رخ کیا اور حملہ کر دیا اور امامؑ نے جناب عباسؑ کو اُن کے پاس مکالمے کے لیے بھیجا۔ جناب عباسؑ بیس (۲۰) سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قینؑ اور حبیب بن مظاہر بھی تھے اُن کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ: ''تمھارا اس حملہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟'' جواب ملا کہ ابن زیاد کا حکم آ گیا ہے کہ: ''یا تم سے بیعت لی جائے اور یا جنگ کی جائے'' جناب عباسؑ یہ کہہ کر کہ: ''میں امامؑ سے جا کر دریافت کرلوں تو آ کر جواب دوں'' امامؑ کی خدمت میں واپس گئے۔ دوسرے اصحاب سب وہیں کھڑے رہے۔ حبیبؑ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ زہیر بن قینؑ سے کہا کہ: ''ان لوگوں سے کچھ گفتگو کرو اور کہو تو میں بات چیت کروں۔ زہیرؑ نے کہا کہ: ''تحریک اس کی آپ نے کی ہے تو آپ ہی گفتگو بھی کیجیے۔''

حبیبؑ نے تقریر شروع کی جو اُن کے حالات میں درج ہو چکی ہے۔

انھوں نے تقریر کے آخر میں کہا تھا کہ: ''تم ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہو جو عبادت گذار ہیں اور پچھلے پہر سے اٹھ کر خدا کا ذکر کرتے ہیں''۔

اس موقع پر عزرہ بن قیسؑ نے فوج دشمن میں سے یہ فقرہ کہا کہ: ''حبیب! تم اپنی تعریف ہر موقع پر کرتے ہو کہ میں بڑا عبادت گذار ہوں''

زہیرؑ کو اس بے موقع گستاخی پر غصہ آ گیا کہنے لگے:

''پھر اس میں شک کیا بیشک! حبیبؑ کے نفس کو خدا ہی نے قابل تعریف بنایا ہے اور اُس کی رہنمائی کی ہے۔ اے عزرہ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اور خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اس جماعت کے ساتھ شریک نہ ہو جو گمراہی کی حمایت کر رہی ہے اور پاک نفوس کو قتل کرتی ہے''۔

زہیرؑ کی آواز تعجب کے ساتھ سنی گئی۔ عزرہ نے انھیں پہچان کر کہا:

زہیرؑ تم تو اس گھرانے کے شیعہ نہیں تھے تم تو عثمانی گروہ میں سے تھے؟''۔

زہیرؑ نے کہا: ''اب اس وقت میرے یہاں کھڑے ہونے سے تو تم سمجھو کہ میں اس

گھرانے کا شیعہ ہوں، خدا کی قسم! میں نے نہ حسین علیہ السلام کو کبھی خط لکھا تھا، نہ کوئی قاصد بھیجا تھا اور نہ نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے میں اتفاق سے میرا اور اُن کا ساتھ ہو گیا۔ جب میں نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آئے اور ان کی قرابت کا اُن سے خیال آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ دشمنوں کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ بس میں نے طے کر لیا کہ مجھے ان کی مدد کرنا چاہیے اور میں اُن کی جماعت میں داخل ہو جاؤں اور اپنی جان اُن پر فدا کروں خدا اور رسولؐ کے اُس حق کو ادا کرنے کے لیے جسے تم لوگوں نے ضائع و برباد کر رکھا ہے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۷)

شب عاشور امامؑ کے خطبے کا جواب:

دسویں شب جب امام حسین علیہ السلام نے اصحاب کو جمع کیا ہے اور انھیں اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے، اُس کے جواب میں بنی ہاشم کے بعد پہلے مسلم بن عوسجہؓ اور سعید بن عبداللہ حنفیؒ نے تقریریں کیں جو اُن کے حالات میں درج ہو چکی ہیں۔ پھر زہیر بن قینؓ نے تقریر کی اور کہا:

"واللہ! لوددت انی قتلت ثم نشرت ثم قتلت حتّٰی اقتل کذا الف قتلۃ ان اللہ یدفع بذلك القتل عن نفسك وعن انفس ھٰؤلاء الفتیۃ من اھل بیتك".

"بخدا! میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں کہ یوں ہی ہزار مرتبہ ہو۔ لیکن آپؑ اور آپ کے خاندان کے یہ جوان قتل ہونے سے محفوظ رہ جائیں"۔
(طبری ج ۶ ص ۲۳۹)

سرداری کا منصب:

صبح عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تو زہیر بن قینؓ کو میمنہ کا افسر اور حبیب بن مظاہرؓ کو میسرہ کا سردار مقرر کیا تھا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۱)
اس سے اگر حبیبؓ کے مقابلے میں اُن کی ترجیح نہ بھی ثابت ہو تب بھی ایک نمایاں درجہ اُن کے لیے ضرور ثابت ہوتا ہے۔

جنگ کے میدان میں موعظہ:

ترتیب لشکر اور صف بندی کے بعد جب امامؑ اپنا وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرما چکے جس میں آپؑ نے اپنی خاندانی خصوصیات اور بیگناہی اور اُس کے ساتھ فوج دشمن کے ظالمانہ رویّے پر دلائل قائم کیے تھے تو زہیر بن قینؓ میدان میں نکلے، گھوڑے پر سوار، سر سے پاؤں تک اسلحۂ جنگ سے آراستہ، اُنھوں نے کہا:

یا اھل الکوفة! نذارلکم من عذاب الله نذاراِنّ حقاً علی المسلم نصیحة اخیه المسلم ونحن حتّٰی الأن اخوة و علی دین واحد و ملّة واحدة مالم یقیع بیننا و بینکم السّیف و انتم للنصیحة منا اھل فاذا وقع السّیف انقطعت العصمة و کنّا امّة و انتم امّة ان الله قد ابتلانا و ایّاکم بذرّیة نبیّه محمدﷺ لینظر ما نحن و انتم عاملون انّا ندعوکم الی نصرھم وخذلان الطّاغیة عبیدالله بن زیاد فانکم لا تدرکون منھما الّا بسوء عمر سلطانھما کلّه لیسملان اعینکم و یقطعان ایدیکم و ارجلکم و یمثلان بکم و یرفعانکم علی جذوع النخل و یقتلان اماثلکم و قرّاء کم و امثال حجر بن عدی و اصحابه وھانی بن عروة واشباھه۔

''اے کوفہ والو! خدا کے عذاب سے ڈرو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی اور ہم ابھی تک آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دین کے پیروکار ہیں اور ایک ملت پر ہیں جب تک کہ ہمارے تمھارے درمیان تلوار سے مقابلہ نہ ہو جائے اُس وقت تک ہماری جانب سے نصیحت اور فہمائش کے مستحق ہو۔ ہاں! جب تلوار کی نوبت آ جائے تو پھر ذمہ داری ختم۔ پھر ہم ایک امت اور تم دوسری امت۔ یقیناً خدا نے ہمارا اور تمھارا امتحان لیا ہے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں تاکہ وہ دیکھے کہ ہم اور تم کیا کرتے ہیں؟ تو ہم تم کو دعوت دیتے ہیں کہ اُن کی مدد کرو اور سرکش عبداللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ تم ابن زیاد اور اُس سے پہلے اُس کے باپ سے اُن کی تمام مدت سلطنت میں سوائے برائی کے کچھ نہیں پاؤ گے، وہ

تمھاری آنکھوں میں سلائیاں پھرواتے رہے ہیں، تمھارے ہاتھوں پیروں کو قطع کراتے اور تمھارے اعضائے جسم کو جدا کراتے اور تم کو سولیوں پر چڑھاتے رہے ہیں اور تمھارے منتخب لوگوں کو اور حفاظ قرآن جیسے حجر بن عدیؓ اور اُن کے ساتھی اور ہانی بن عروہؓ اور ان کے ایسے لوگوں کو قتل کراتے رہے ہیں"۔

کوفہ والے حقیقت کے طالب ہوتے تو اس نصیحت سے اثر بھی لیتے وہ سب سمجھتے تھے مگر وقتی طمع اور دنیا کی ہوس اُن کی آنکھوں پر پردے ڈالے ہوئے تھی۔ اُنھوں نے زہیرؓ کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور ابن زیاد کی تعریف کرنے لگے اور کہا:

"ہم اُس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک تمھارے سردار (حسین علیہ السلام) اور اُن کے تمام ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جائیں"۔

زہیرؓ اب بھی خاموش نہ ہوئے۔ اور ہدایت کرتے رہے سرداران فوج کو ہر اس طرح کی تقریر سے یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں کسی کے دل پر اثر نہ ہو جائے۔ شمر نے جب دیکھا کہ زہیرؓ کسی طرح خاموش نہیں ہوتے تو زہیرؓ کو تیر مارا اور کہا: "بس خاموش! خدا تیری زبان کو خاموش کرے"۔ زہیرؓ کو شمر کی اس بیجا مداخلت سے غصہ آ گیا۔

اُنھوں نے سخت لہجے میں شمر کو مخاطب کیا اور کہا کہ: "میں تجھ سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں، تو تو جاہل ہے۔ تیرے لیے عذاب جہنم کی خوشخبری ہی کافی ہے۔"

شمر نے کہا: "دیکھو! تھوڑی دیر میں تم اور تمھارے سردار سب قتل ہوا چاہتے ہیں"۔

زہیر نے کہا:

"افبالموت تخوفنی فواللہ الموت معہ احب الی من الخلد معکم"۔

"تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم! حسین علیہ السلام کے ساتھ مرنا مجھے تمھارے ساتھ دائمی زندگی حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے"۔

اس کے بعد پھر وہ لشکر کی طرف مخاطب ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے کہ:

یا عباد اللہ! لا یغرنکم من دینکم ھذا الجلف الجافی و اشباھہ

فواللہ لاتنال شفاعۃ محمد ﷺ قوما ھراقوا دماء ذریتہ واھل بیتہ وقتلوا من نصرھم وذب عن حریمھم"

اے اللہ کے بندو! اس بدمعاش، ظالم اور اس کے جیسے لوگوں کے فریب میں نہ آؤ، خدا کی قسم! پیغمبر خدا ﷺ کی شفاعت ان لوگوں کو نصیب نہیں ہوسکتی جو اُن کی اولاد اور اہلبیتؑ کا خون بہائیں اور ان کے اعوان وانصار کو قتل کریں۔

امامؑ زہیرؓ کے مقابلے میں فوج دشمن کا رویہ دیکھ چکے تھے، اُنھوں نے شمر کا تیر لگانا اور سخت کلامی کرنا بھی دیکھا۔ اس کے بعد اُنھیں زہیرؓ کا میدان میں رہنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ آپؑ نے کسی کے ذریعے سے پکار کر کہلوایا:

"اقبل فلعمری لئن کان مؤمن آل فرعون نصح لقومہ وابلغ فی الدعاء لقد نصحت لھؤلاء وابلغت لو نفع النصح والابلاغ۔"

"اگر مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اور دعوت حق کے فرض کو انجام دیا تھا تو بخدا! تم نے اس جماعت کو نصیحت کر دی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا مگر نصیحت و تبلیغ کا کوئی اثر بھی تو ہو" اس آواز کو سن کر زہیرؓ واپس چلے آئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۳)

نموداری اور شہرت:

زہیر بن قینؓ حسینی فوج کے اُن نمودار اشخاص میں سے تھے جن کا نام فوج دشمن کے لوگوں میں بھی پوری طرح مشہور تھا اور اُسے امتیاز حاصل تھا، چنانچہ لڑائی شروع ہوگئی اور فوج مخالف سے یسار اور سالم میدان میں آئے اور مبارز طلب کیا انصار امامؑ میں سے عبداللہ بن عمیر کلبیؓ مقابلے کے لیے باہر نکلے۔ اُن دونوں نے نام و نسب پوچھا جب انھیں معلوم ہوا تو کہا: "ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ ہمارے مقابلے کے لیے زہیر بن القین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہیے"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۵)

کارنامۂ شجاعت:

حملۂ اولیٰ کے بعد جس میں پچاس آدمی فوج حسینی میں سے ایک ہی مرتبہ شہید ہو گئے تھے۔ لشکر مخالف کی ہمتیں بہت بڑھ گئی تھیں اور کوشش تھی کہ اب دم کے دم میں اس مہم کو سر کر دیا جائے۔ اس لیے مختلف صورتوں سے حملے کیے جا رہے تھے مگر امام حسین علیہ السلام کی بے نظیر سیاست حرب اور اُن کے اصحاب کی بے مثال شجاعت ہر حملے کو ناکام بنا دیتی تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محاربہ کربلا ص ۳۳ تا ۴۷)

آخر میں شمر نے مخصوص امام حسین علیہ السلام کے خیمے پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ خیمے پر مار کر کہا کہ: "لاؤ آگ لاؤ، میں اس خیمے کو اس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں"۔

خیمے میں ایک شور گریہ و فریاد کا بلند ہو گیا۔

اس وقت زہیر بن قینؓ ہی تھے جنھوں نے اپنے دس بہادر ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور شمر اور اُس کے ساتھ کی فوج کو خیموں کے پاس سے دور ہٹا دیا اور ابوعزہ ضبابی کو جو شمر کا خاص آدمی اور اس کے قبیلے سے تھا قتل کر دیا۔

دشمن کی فوج نے جو اپنے ایک ممتاز سپاہی کو قتل ہوتے دیکھا پورے جوش و خروش سے ان دس آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور سخت خونریز لڑائی ہوئی مگر ان بہادروں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن کو شکست ہوئی اور زہیرؓ واپس ہوئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۱)

حُرّؓ کی امداد:

جب حبیب بن مظاہر شہید ہو گئے تو حُرؓ میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھا۔ زہیر بن قینؓ حُرؓ کے پاس میدان جنگ میں آ گئے اور حُرؓ کے ساتھ مل کر جنگ کرنا شروع کی اور سخت جنگ کی۔ حالت یہ تھی کہ جب ایک نے حملہ کیا اور وہ دشمنوں میں گھر گیا تو دوسرا حملہ کر کے اُسے فوج کے حلقے سے نجات دیتا تھا۔ یہی صورت کچھ دیر تک قائم رہی۔ آخر میں پیادوں کی فوج نے حُرؓ کو گھیر کر شہید کر دیا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۲)

ظہر کی نماز:

ابھی سعید بن عبداللہ حنفیؒ کے حال میں اس نماز کی کیفیت درج کر چکا ہوں۔

بحار میں ہے کہ: ''امامؑ نے زہیر بن قینؒ اور سعید بن عبداللہ حنفیؒ سے فرمایا: ''تم دونوں آگے بڑھو یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھ لوں''۔ یہ دونوں آدمی اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرتؑ نے نماز خوف ادا کی۔''

آخری جنگ اور شہادت:

ایک انسان کی قوت وطاقت کہاں تک وفا کر سکتی ہے؟ ملاحظہ تو کیجیے۔ زہیرؒ نے ایک دفعہ ظہر کے پہلے امامؑ سے مدافعت کے سلسلے میں شمر کی فوج سے جنگ کی اور وہ سخت جنگ کی جس میں اُن کا زندہ بچنا اُن کی شجاعت کا ایک کارنامہ ہی تھا پھر حرؒ کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کی۔

پھر اب امامؑ کی نماز کے موقع پر تھوڑی تعداد کے ساتھ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیا۔

یقیناً ان لڑائیوں میں اُن کے دست وبازو جواب دے چکے ہونگے اور ممکن ہے اُن کے کچھ زخم بھی آئے ہوں۔ نماز ظہر کے بعد دشمن بہت قریب آگئے تھے۔ سعید بن عبداللہ حنفیؒ جس طرح شہید ہو چکے جن کا حال آپ مطالعہ کر چکے۔ اب زہیر بن قینؒ نے آخری جنگ کی اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

انا زهیر و انا ابن القین

اذودهم بالسیف عن حسین

''میں زہیر ہوں اور قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے اُن کو حسین علیہ السلام کے پاس سے دور کرونگا''

یوں ہی تھوڑی دیر تک وہ شمشیر زنی کرتے رہے۔ آخر کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس دو شخصوں نے حملہ کیا جن کے ہاتھ سے وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(طبری ج۶ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳)

زیارت شہداءؑ میں اُن پر مخصوص الفاظ میں سلام کیا گیا ہے

67۔ سلمان بن مضارب بن قیس البجلیؓ

زہیر بن قینؓ کے چچازاد بھائی تھے، زہیرؓ ہی کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کو گئے تھے۔ واپسی میں جب زہیرؓ امامؑ کی نصرت کے لیے حضرتؑ کے ساتھ ہوئے تو سلمانؓ نے بھی اُن کا ساتھ دیا اور روز عاشور ظہر کے بعد شہید ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۴۸)

68۔ عمرو بن قرظۃ بن کعب الانصاریؓ

نام و نسب:

عمرو بن قرظۃ بن کعب بن عمر بن عائذ بن زید مناۃ بن ثعلبۃ بن کعب بن الخزرج الانصاری۔

ان کے والد قرظہ بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے۔ جنگ احد اور اُس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے ۲۳ھ میں زمانہ عمر بن خطاب میں "رے" ان کے ہاتھوں پر فتح ہوا امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنی خلافت کے دور میں ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا، پھر جب آپؑ جنگ صفین کے لیے جانے لگے تو ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور کوفہ کی حکومت ابو مسعود بدری کے سپرد کی۔ قرظہ سب لڑائیوں میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ رہے اور آپؑ ہی کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں انتقال کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی دوسرا قول یہ ہے کہ معاویہ کے ابتدائی زمانے میں جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کا حاکم تھا انتقال کیا۔

(الاستیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۲۶۵۔۲۶۷)

میں نے ان کے حالات تاریخ "وفیات الشیعہ" میں ۵۱ھ میں درج کیے ہیں۔ ان کے دو فرزند تھے عمروؓ اور علی۔ کربلا میں عمروؓ امام حسین علیہ السلام کی طرف تھے۔ غالباً بڑے یہی تھے۔ اس لیے کہ ان کے والد قرظہ بن کعب کی کنیت ان ہی کے نام پر ابو عمرو تھی، اور زیادہ تر عرب میں کنیت بڑے فرزند کے لحاظ سے ہوا کرتی تھی۔ ان کا چھوٹا بھائی علی لشکر عمر سعد میں تھا۔

ابتدائی حالات:

عمرو بن قرظہ کوفہ ہی میں قیام رکھتے تھے، وہ امامؑ کی خدمت میں کربلا میں ابتدائی تاریخوں میں محرم کی پہنچے جب ابھی جنگ شروع نہیں ہونے پائی تھی (ابصار العین ص ۹۳)۔
ممکن ہے یہ صحیح ہو کہ وہ چھٹی تاریخ محرم کی تھی۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۳۶)
امامؑ نے ان کو عمر سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم مجھ سے شب کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان میں ملاقات کرو۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۵)

جاں نثاری:

نماز ظہر کے وقت جب تمام اصحاب میں شہادت کا جذبہ تیز ہو گیا تھا اور شمع امامت کے پروانے جانبازی میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے عمرو بن قرظہؓ نے جنگ کرنا شروع کی، اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے

قد علمت كتيبة الانصار
انی ساحمی حوزة الذمار
ضرب غلام غير نكس شاری
دون حسين مهجتی وداری

"تمام انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں ذمہ داری کے حدود کی حفاظت کرونگا ایسے جوانمرد انسان کی طرح شمشیر زنی جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ حسین علیہ السلام پر میری جاں اور میرا گھر بار سب فدا ہو"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۸)
شیخ ابن نما نے لکھا ہے کہ اُن کا مقصود اس سے عمر سعد پر تعریض ہے اس لیے کہ جب امامؑ نے اُسے اپنی جانب آنے کی دعوت دی ہے تو اُس نے کہا کہ "مجھے اپنے گھر کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ کھود ڈالا جائیگا۔"
کچھ دیر تلوار چلانے کے بعد پھر عمروؓ امامؑ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ جو تیر آتا

اُسے اپنے اوپر روکتے اور جو وار ہوتا خود سپر بن جاتے تھے۔ آخر زخموں سے چور ہو گئے۔ امامؑ کی طرف مخاطب ہو کر کہا: "کیوں فرزند رسولؐ میں نے فرض کو ادا کیا؟"

حضرتؑ نے فرمایا: "ہاں! تم جنت میں میرے آگے جاؤ گے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب آتا ہوں"۔

بہادر جانباز زخموں کی کثرت سے زمین پر گرا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔

(ابصار العین ص ۹۲)

اُن کا بھائی علی بن قرظہ جو فوج عمر سعد میں تھا صف سے باہر نکلا اور اُس نے امامؑ کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کرا دیا۔

امامؑ نے فرمایا کہ: "خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اُس کی ہدایت کی اور گمراہی میں تو تجھے چھوڑ رکھا ہے۔"

اُس نے کہا "خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمہیں قتل نہ کروں یا خود ہلاک ہوں"

یہ کہہ کر حملہ کیا۔ نافع بن ہلال مرادی نے آگے بڑھ کر اُسے نیزہ لگایا جس سے وہ گر گیا مگر پھر علاج کے بعد اُس کا زخم اچھا ہو گیا۔۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۸)

عمرو بن قرظہ انصاریؒ پر زیارت شہدأ میں سلام موجود ہے۔

سپہر کاشانی نے اُن کا نام عمرو بن قرطہ لکھا ہے (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۲) جو غلط ہے۔

69۔ نافع بن ہلال جملیؒ

نام و نسب اور قبیلہ:

نافع بن هلال بن نافع بن جمل بن سعد العشيرة بن مذحج.

(تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۶۶)۔

"عام طور سے لوگوں کی زبان پر اور نیز کتب مقاتل میں "ہلال بن نافع بجلی" کا ذکر کیا

جاتا ہے مگر یہ درست نہیں ہے"۔ (ابصار العین ص ۸۹)

"قبیلۂ مراد" کی ایک شاخ "قبیلہ مذحج" ہے اُسی کا ایک شعبہ "جمل" ہے جس کی طرف نافع بن ہلال کی نسبت ہے۔ ہلال بن نافع ان کے والد کا نام جن کی موجودگی واقعۂ کربلا میں ثابت نہیں ہے۔

ہلال کی مشہور روایت وہ شب عاشور کا واقع ہے جو "المعقسا کبہ" میں مذکور ہے۔ امام کا تاریکی شب میں خیمے سے نکلنا اور میدان میں جانا اور ہلال کا ساتھ ساتھ چلنا اور امامؑ کا ہلال کو اپنے اور نیز دوسرے شہداؑ کے محل قتل کو دکھلانا پھر واپس آکر جناب زینبؑ کے خیمے میں جانا اور ہلال کا در خیمہ پہ کھڑے رہنا اور مخدرۂ علیا کا امامؑ سے کہنا کہ "آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان بھی لے لیا ہے؟" اور ہلال کا اصحاب کو جا کر اس کی اطلاع دینا اور اُن سب کا در خیمہ پر آنا اور اطمینان دلانا۔

لیکن جب ہلال کا وجود ہی کربلا میں ثابت نہیں ہے تو اس روایت کی حقیقت کیا معلوم کریں؟

پھر ایک ہلال کی روایت وہ ہے جس میں حضرت سید الشہداؑ کی تشنگی اور ہلال کا عمر سعد کی اجازت سے پانی پلانے کے ارادے سے جانا اور اس طرف امامؑ کا شہید ہو جانا مذکور ہے۔ اُس سے صاف ظاہر ہے کہ ہلال عمر سعد کی فوج میں سے کوئی شخص ہے مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

زیارت شہداؑ میں جو تحفۃ الزائر میں مذکور ہے ہلال کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن نافع بن ہلال کا ذکر موجود ہے:

"السلام علی نافع بن ھلال البجلی المرادی"

سپہر کاشانی نے جو اس زیارت کو نقل کیا ہے اُس میں ہے:

"السلام علی نافع بن ھلال بن نافع البجلی المرادی"

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴)

علامہ ابن شہر آشوب نے بھی زہیر بن قینؓ کی شہادت کے بعد نافع بن ہلالؓ ہی کی

جنگ کا تذکرہ کیا ہے۔(مناقب ج ۴ ص ۹۵)

''بجلی'' کا لفظ یقیناً کتابت کی غلطی ہے اس لیے کہ قبیلۂ مراد کی شاخ ''بجیلۃ'' نہیں ہے وہ ''خثعم'' کا شعبہ ہے جس سے زہیر بن قینؓ تھے اور مراد کا شعبہ ''جمل'' ہے جس سے نافع بن ہلالؓ تھے۔

خصوصیات:

وہ اپنے قبیلے کے بڑے سردار، بہادر شخص اور حافظ قرآن بھی تھے اسی لیے تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اوّل ص ۱۵۹ میں بھی اُن کے حالات درج کیے گئے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور احادیث کے حامل تھے وہ حضرتؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہرواں کی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے تھے۔(ابصار العین ص ۸۶)

ابتدائی واقعات:

نافع کوفہ سے امامؑ کی روانگی عراق کی اطلاع پا کر روانہ ہوئے اور امامؑ سے راستے میں جا کر ملحق ہوئے وہ اپنا ایک گھوڑا جس کا نام ''کامل'' تھا کوفہ میں چھوڑ گئے تھے اور ہدایت کر گئے تھے کہ وہ اس کے بعد اُن کے پاس پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ''عذیب الہجانات'' میں عمرو بن خالد صیداویؓ، مجمع بن عبداللہ عائذیؓ اور جنادہ بن حارث سلمانیؓ وغیرہ پانچ آدمیوں کا جو قافلہ امامؑ کے پاس پہنچا ہے اُس کے متعلق تصریح ہے کہ:

"یجنبون فرسا لنافع بن هلال یقال له الکامل"

''یہ لوگ اپنے ساتھ ایک گھوڑا نافع بن ہلال کا لیے ہوئے تھے جس کا نام ''کامل'' تھا''۔

(طبری ج ۶ ص ۲۳۰)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود اس قافلے کے ساتھ نہ تھے، وہ اس کے پہلے امامؑ کے پاس آچکے تھے اس وقت جب جناب مسلمؑ کی خبر شہادت بھی نہ آئی تھی۔

(ابصار العین ص ۸۶)

امامؑ کے خطبے کا جواب:

جب امام علیہ السلام سے حُرؓ کے لشکر کی ملاقات ہوئی اور حضرتؑ نے ''ذوحسم'' میں وہ خطبہ دیا جو زہیرؓ کے حالات میں گذر چکا ہے اور زہیر بن قینؓ اُس کے جواب میں تقریر کر چکے تو نافعؓ کھڑے ہوئے اور کہا:

"یا ابن رسول الله! انت تعلم ان جدك رسول الله ﷺ لم یقدر ان یشرب الناس محبة ولا ان یرجعوا الی امره ما احب وقد كان منهم منافقون یعدونه بالنصر ویضمرون له الغدر یلقونه باحلی من العسل ویخلفونه بامرّ من الحنظل حتّٰی قبضه الله الیه وانّ اباك علیا قد كان فی مثل ذٰلك فقوم قد اجمعوا علی نصرة وقاتلوا معه الناكثین والقاسطین والمارقین وقوم خالفوه حتّٰی اتاه اجله ومضی الی رحمة الله و رضوانه و انت الیوم عندنا فی مثل تلك الحالة فمن نكث عهده وخلع نیة فلن یضر الّا نفسه و الله مغن عنه فسر بنا راشدا معا فی مشرقا ان شئت وان شئت مغربا فو الله ما اشفقنا من قدر الله ولا كرهنا لقاء ربنا فانا علی نیاتنا وبصائرنا نوالی من والاك و نعادی من عاداك.

''فرزندِ رسول! آپؑ کو معلوم ہے کہ آپؑ کے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ممکن نہیں ہوا کہ لوگوں کو اپنی محبت سے سیراب کر دیں اور وہ آپ کی اُسی طرح اطاعت کرنے لگیں جس طرح آپؐ چاہتے تھے اور آپؐ کے ساتھ والوں میں سے بہت منافق تھے جو آپؐ سے نصرت کا وعدہ کرتے تھے اور دماغ میں غداری کا خیال مضمر رکھتے تھے۔ وہ باتیں ایسی کرتے تھے جو شہد سے زیادہ شیریں ہیں اور کردار میں مخالفت کرتے تھے ایسی جو انتہائی تلخ تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ آپؑ کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کو بھی اسی صورت سے دوچار ہونا پڑا۔ کچھ لوگ آپ کی نصرت پر متفق ہوئے اور آپؑ کے ساتھ رہ کر ناکثین وقاسطین ومارقین (جمل صفین اور نہروان والوں) سے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی یہاں تک کہ اُن کی شہادت ہوئی اور آج ہمارے نزدیک آپؑ کو وہی صورت درپیش ہے لہٰذا جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا اور نیت

کو خراب کرے گا وہ خود اپنا بُرا کرے گا اور خدا آپؑ کو اُس سے لاپرواہ کردے گا اس لیے کہ بخدا! ہم کو خدا کے مقررہ فیصلے سے کوئی اندیشہ نہیں ہے اور نہ اپنے رب کی ملاقات (موت) سے ہم کو کوئی کراہت ہے۔ ہم اپنی نیتوں اور اعتقادات پر قائم ہیں موالات رکھتے ہیں اُس شخص سے جو آپؑ کے ساتھ موالات رکھے اور دشمن ہیں اُسکے جو آپؑ سے دشمنی کرے"۔

اس کے بعد بُریرؓ نے تقریر کی جو اُن کے حالات میں آئیگی۔ (ابصار العین ص ۸۷)

علامہ مامقانی نے لکھا ہے:

"خرج الی الحسین علیه السلام حین اتی فلقیه فی الطریق بعد وصوله عذیب الهجانات و هو الذی قام بعد خطبة الحسین علیه السلام عند تضییق الحرّ علیه ونطق بما هو منقول فی کتب السیر مما یرضی الله ورسوله و اظهر الثبات علی نصرته."

(تنقیح المقال ج۳ص ۲۶۶)

"وہ امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچنے کے لیے کوفہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپؑ کے پاس "عذیب الہجانات" میں پہنچے اور یہی وہ ہیں جو امام حسین علیہ السلام کے خطبے کے بعد جب حُر نے امامؑ سے مزاحمت کی ہے کھڑے ہوئے تھے اور وہ تقریر کی تھی جو کتب سیر میں مذکور ہے جس سے خدا اور رسول خوشنود ہوئے ہوں گے اور حضرتؑ کی نصرت پر ثبات و استقلال کا اظہار کیا"۔

یہ اسی خطبے کا حوالہ ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ لیکن یہ خطبہ "عذیب الہجانات" پہنچنے سے پہلے کا ہے۔ اس لیے یہ درست نہیں ہو سکتا کہ وہ امامؑ کے پاس اس منزل میں پہنچے۔ حقیقت وہی ہے کہ اس منزل پر ان کی سواری کا گھوڑا آیا ہے اور وہ خود اس کے بہت پہلے آچکے تھے۔

نہر پر جنگ:

جب عمر سعد کی جانب سے نہر پر پہرے بٹھا دئے گئے اور امامؑ اور اُن کے اصحاب پر پانی بند کر دیا گیا، جس سے ان پر پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا تو امامؑ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کو پانی لانے پر مامور کیا۔ یہ غالباً آٹھویں یا نویں شب کا ذکر ہے۔ جناب عباسؑ تیس سوار اور بیس پیادوں کے ساتھ بیس مشکیزے لے کر آگے بڑھے اور نہر کے قریب پہنچے۔ نافع بن ہلال

جملؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور سب کے آگے ہو گئے۔ عمرو بن حجاج زبیدی نے جو نہر کا محافظ تھا ٹوکا اور کہا کون ہے جو نہر پر جاتا ہے؟ نافع بن ہلالؓ نے نام بتلایا عمرو بن حجاج ''قبیلۂ زبیدہ'' سے تھا جو مذحج اور مراد کی ایک شاخ ہے اور ''جمل'' بھی مراد کی شاخ۔ اس لیے نافع نے نام بتایا اور قبیلہ کا پتا دیا۔

اُس نے کہا: ''آنے کا سبب؟''

کہا: ''اسی پانی کے پینے کو جس سے تم نے ہمیں روک رکھا ہے''۔

عمرو نے کہا: ''پیو تم شوق سے تمھیں پینا گوارا ہو''۔

نافع نے کہا ''میں تو خود پیوں گا نہیں درصورت یہ کہ حسین علیہ السلام اور اُن کے سب اصحاب پیاسے ہیں''۔

یہ سُن کر فوج آگے بڑھی اور کہا: ''یہ تو ممکن ہی نہیں کہ یہ لوگ سیراب ہوں۔ ہم یہاں مقرر اسی لیے کیے گئے ہیں کہ ان کو پانی پینے سے مانع ہوں''۔

پاسبانوں کی فوج نے پھر بڑھ کر حملہ کیا اور کچھ جنگ ہوئی۔ اس موقع پر نافع بن ہلالؓ نے عمرو بن الحجاج کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو ''قبیلۂ صدا'' سے تھا نیزہ لگایا۔ بظاہر وار اوچھا تھا اور کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ زخم مہلک ثابت ہوا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ بریر کے پانی لانے کی روایت جو مشہور ہے اس کی اصلیت بظاہر یہی ہے۔

امامؑ پر حملے کی مدافعت:

عمرو بن قرظہؓ کے شہید ہونے کے بعد اُن کا بھائی علی بن قرظہ جو فوج عمر بن سعد سے تھا صف سے باہر نکلا اور امامؑ کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کر کے کہنے لگا کہ ''تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور فریب دے کر قتل کرا دیا۔'' حضرتؑ نے فرمایا کہ: ''خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اُن کی تو ہدایت کی۔ ہاں! تجھے گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے''۔ جاہل بد بخت شخص نے کہا: ''جب تو سہی کہ میں تمھیں قتل کروں یا خود ہلاک ہوں'' یہ کہہ کر امامؑ پر حملہ کیا۔ یہ دیکھ کر نافع بن ہلالؓ سامنے آ گئے اور نیزہ مار کر اُسے گرا دیا۔ اُس کے ساتھی اُسے اُٹھا کر لے گئے اور پھر علاج

کے بعد وہ اچھا ہو گیا۔ (طبری ج ٦ ص ٢٤٨)

مقابلہ:

ظہر کے بعد نافع بن ہلالؒ نے جنگ شروع کی۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"انا الجملی انا علی دین علی."

"میں قبیلہ جمل کا شخص ہوں۔ میں علیؑ کے دین پر ہوں"۔

ایک شخص جس کا نام مزاحم بن حریث تھا۔ فوج مخالف سے باہر نکلا،

اُس نے کہا: "میں عثمان کے دین پر ہوں"۔

نافع نے کہا: "تم شیطان کے دین پر ہو" پھر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔

(طبری ج ٦ ص ٢٤٩)

تیر اندازی:

نافع تیر اندازی میں بڑے مشاق تھے۔ انھوں نے اپنے تیروں کے سوفار پر اپنا نام لکھ دیا تھا اور تیروں کو زہر میں بجھا لیا تھا۔ تیر لگانا شروع کیے اور بارہ آدمیوں کو لشکر مخالف سے قتل کیا اس کے علاوہ بہت سوں کو زخمی کیا۔

گرفتاری اور شہادت:

فوج دشمن نے اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مارنا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں بازو اُن کے شکستہ ہو گئے اور وہ گرفتار کر لیے گئے۔ شمر کچھ سپاہیوں کے ساتھ اُن کو پکڑ کر عمر سعد کے پاس لے گیا

اُس نے کہا: "نافع! یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

نافعؒ نے کہا: "میرے ضمیر سے خدا واقف ہے"

اُن کی ڈاڑھی پر خون جاری تھا۔ اس حالت میں وہ کہہ رہے تھے:

"خدا کی قسم! میں نے بارہ آدمی تم میں جان سے مارے ہیں اور زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے اس طرح گرفتار ہرگز نہ کر سکتے"۔

شمر نے کہا: "اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے"۔

عمر سعد نے کہا: "تم گرفتار کر کے لائے ہو۔ تم ہی کو اختیار ہے"۔

شمر نے تلوار کھینچی۔ نافعؓ نے کہا: "اگر تم لوگ مسلمان ہوتے تو کبھی ہم لوگوں کے خون میں ہاتھ نہ بھرتے، شکر خدا کا کہ اُس نے ہم لوگوں کی موت اپنی مخلوق میں سے بدترین لوگوں کے ہاتھ سے قرار دی"

شمر نے تلوار لگائی، نافعؓ شہید ہوئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۳)

صاحب ناسخ نے سلسلۂ شہدا میں ہلال بن نافع اور نافع بن ہلال کو دو شخص قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"بروایت صاحب روضۃ الاحباب بعداز شہادت مسلم ہلال بن نافع بجلی آہنگ میدان کرد او جوانے بدیع جمال ونیکواندام بود و دوشیزہ در خطبہ داشت کہ ہاوے طریق مضاجعت نسپردہ بود چوں ہلال را نگریست کہ آہنگ قتال دارد آب از دیدہ فروریخت وبردامن اودر آویخت کہ بکجا میروی ومرا باکہ میگذاری و بہ ہائے ہائے بگریست۔ سیدالشہدا چوں قصۂ ایشاں را اصغا نمود ہلال را فرمود امروز اہل تو حرمان ترا نتوانند برتافت وایشاں را از خویش خورسند نتواں یافت اگر خواہی در کار جہاد طریق مسامحت سپاری وایشاں را از خویش خورسنداری عرض کرد یا ابن رسول اللہ! اگر امروز نصرت تو بخویم فردا بارسول خدائے چہ گویم وزن را وداع گفت وآہنگ جہاد کرد وبدیں اشعار انشاد ارجوزہ فرمود۔

ارمی بہا معلمۃ افواقہا
و النفس لا ینفعہا اشفاقہا

مسمومة تجری بها اخفاقها
یملان ارضها رشائها

ہمانا ہلال مردے دلیر و کماندارے دلاور بود کہ ہرگز عقاب خدنگش جز مرکز ہدف را نشیمن نساخت۔ ہشتاد تیر در کنانہ آگندہ داشت باہر خدنگ مردے راز پشت شبرنگ برزمین افگند چوں در کنانہ نماند مردانہ باتیغ حملہ درگشت وگفت

انا الغلام الیمنی البجلی
دینی علی دین حسین و علی
ان اقتل الیوم فهته املی
فذاك را بی و الاقی عملی

مردے ازسپاہ ابن سعد کہ اورا قیس می نامیدند باشمشیر آختہ بمیداں تاخت ہلال اُورا مجال نہ دادے توانی اُورا بطمورۂ نیراں فرستاد و باتیغ سر افشاں سیزدہ تن از بد اندیشاں را از پائے در آورد ایں وقت انبوہ لشکر بضرب سیف وسناں۔ اور ابجستند و بازواں اُورا درہم شکستند و اورا ماخوذ داشتہ بہ نزد شمر ذی الجوشن بردند۔ شمر حکم دادتا سر مبارکش را از تن دور کردند۔ ایں وقت نافع بن ہلال بجلی آغاز مبادرت نمود - الخ۔ (ناسخ التواریخ ج۲ ص۲۶۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہلال بن نافع میدان جنگ میں گئے اور شہید ہوئے پھر نافع بن ہلال۔

صاحب ناسخ نے زیارت شہداء سے جو سلام نقل کیا ہے وہ پہلے درج ہو چکا ہے اس میں ان کا پورا نام اس طرح درج ہے:

"السلام علی نافع بن هلال بن نافع البجلی المرادی"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلال بن نافع والد تھے اور نافع اُن کے فرزند تھے۔

اس روایت میں جو مبارز طلبی کے سلسلے میں درج کی گئی ہے اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ ہلال بن نافع کے ساتھ اُن کے فرزند نافع تھے یا نافع کے ساتھ اُن کے والد ہلال بھی تھے۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ ہلال نوعمر نوجوان شخص تھے اور ابھی تازہ اُن کی شادی ہوئی تھی اور اُن کی تازہ عروس اُن کے ساتھ تھی۔ یہ امر کہ وہ تیرانداز تھے اور اُن کے رجز کا یہ مضمون کہ اُن کے تیروں کے سوفار پر اُن کے نام کی نشانی موجود تھی نافع کی روایت سے مطابق ہے۔

اُن کے بازوؤں کا ٹوٹنا اور اُن کا گرفتار کیا جانا اور پھر شہید ہونا یہ سب نافع کے حالات سے ماخوذ ہے۔ مگر صاحب ناسخ کی مورخانہ نگاہ کو ان میں سے کسی امر کی طرف بھی توجہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی

علامہ مامقانی کے قلم سے عجیب طرح کی غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے نافع بن ہلالؒ کے حال میں پانی لانے کے واقعے کے تذکرہ میں لکھا ہے:

كان فى حملة تلك طعنه من اصحاب عمر بن سعد طعنة ظن هلال انها ليست بشيئ ثم انها انتقضت بعد ذلك فمات منها وروى انه اخذ سيرا الى عمر بن سعد فقتله شمر وعلى التقديرين هو من المستشهدين مع الحسينؑ

(تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۶۶)

"اسی حملے میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے ایک شخص نے نیزہ لگایا جسے ہلال نے کوئی اہمیت نہیں دی لیکن اُسی زخم میں پھر طول ہوا اور اُن کا اُس سے انتقال ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ اُن کو گرفتار کر کے عمر سعد کے پاس لیجایا گیا اور شمر نے اُن کو قتل کیا۔ بہرحال وہ امامؑ کی ہمراہی میں شہید ہونے والوں میں سے ہیں"۔

یہ تاریخ کی عبارت سمجھنے میں کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

اُس حملے میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے کسی شخص نے نیزہ نہیں لگایا تھا بلکہ نافع نے ایک

شخص کو نیزہ لگایا اور وہ اُس زخم کو کوئی چیز نہیں سمجھا پھر وہی زخم اس کے لیے سبب ہلاکت ثابت ہوا نافع کو اس موقع پر کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے بعد جنگ کر کے زخمی ہوئے اور گرفتار ہوئے اور پھر شمر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔

یہ تاریخ کی عبارت سمجھنے میں کوتاہی کا نتیجہ ہے اس حملے میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے کسی شخص نے نیزہ نہیں مارا تھا بلکہ نافعؒ نے ایک شخص کو نیزہ مارا تھا اور وہ اس زخم کو کوئی چیز نہیں سمجھا پھر بعد میں وہی زخم اس کے لیے سبب ہلاکت ثابت ہوا نافع کو اس موقع پر کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے بعد جنگ کر کے زخمی اور گرفتار ہوئے اور پھر شمر کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

70۔ بُریر بن خضیر ہمدانیؓ

اوصاف و خصوصیات:

سن رسیدہ، تابعی، عبادت گذار اور حافظ قرآن تھے۔ میں نے اُن کے حالات "تذکرۂ حفاظ شیعہ" (حصہ اول ص ۱۴۹ تا ۱۵۳) میں بھی درج کیے ہیں۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے اور کوفہ کے باشندے ہمدانی قبیلے کے اشراف میں سے تھے

ابو اسحٰق ہمدانی سبعی مشہور محدّث و حافظ کے ماموں تھے (ابصار العین ص ۷۰)

مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے (طبری ج ۶ ص ۲۴۷)

لوگ اُن کو سید القراء (حفاظ کا سردار) کہتے تھے۔ (رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۸۳)

ابتدائی حالات:

اُن کا قیام کوفہ میں تھا۔ مگر شاید حضرت مسلمؑ کے ورود کوفہ کے موقع پر وہ وہاں موجود نہ تھے اس لیے کوئی ذکر اُن کا نظر نہیں آتا۔ بیشک امام حسین علیہ السلام کے پاس وہ حُر کی ملاقات کے موقع پر موجود تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں کسی جگہ وہ امامؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں۔

امامؑ کا خطبہ اور اُسکا جواب:

راہ میں حُر کی ملاقات کے بعد جو خطبہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا ہے جس کے سلسلے میں زہیر بن قینؓ اور نافع بن ہلالؓ نے تقریریں کیں جو اُن کے حالات میں درج ہو چکیں۔ نافع کے بعد بُریرؓ کھڑے ہوئے اور کہا:

واللہ یا ابن رسول اللہ! لقد منّ اللہ بك علینا ان نقاتل بین یدیك تقطع فیك اعضاؤنا حتّٰی یکون جدّك یوم القیامۃ بین ایدینا شفیعا لنا فلا افلح قوم ضیّعوا ابن بنت نبیّھم وویل لھم ماذا یلقون بہ اللہ وانّ لھم یوم ینادون بالویل والثبور فی نار جھنّم۔

"خدا کی قسم! اے فرزند رسولؐ! یہ خدا کا احسان ہے ہم پر کہ ہم کو موقع دیا اس بات کا کہ ہم آپؑ کے سامنے جنگ کریں اور آپؑ کی نصرت میں ہمارے اعضا قطع کیے جائیں یہاں تک کہ آپؑ کے جد بزرگوار روز قیامت ہمارے شفاعت خواہ ہوں کیونکہ وہ جماعت کبھی نجات نہیں پا سکتی جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو برباد کیا اور وائے ہو ان کے لیے کیا یہ خدا کو منہ دکھائیں گے اور کیا حال ہوگا اُس دن جب وہ آتش جہنم میں نالہ و فریاد کرتے ہونگے"۔ (ابصار العین ص ۷۰)

دشمن کی جسارت اور بُریرؓ کی گفتگو:

عاشور کی شب امامؑ اور اُن کے اصحاب نے عبادت خدا میں گذاری اور لشکر عمر سعد کا طلایہ کبھی خیام امامؑ کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا۔ امامؑ ان آیات کی تلاوت فرما رہے تھے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ. ﴿آل عمران: ۱۷۸، ۱۷۹﴾

(یعنی) "نہ سمجھنا چاہیے اُن لوگوں کو جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ ہم جو انھیں مہلت دیتے ہیں یہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو انھیں مہلت دیتے ہیں اس لیے کہ اُن کے گناہوں میں

اور اضافہ ہو جائے اور اُن کے واسطے حقارت آمیز عذاب ہے۔ خدا نہیں چھوڑے گا مومنین کو اس حالت میں جس پر تم ہو جب تک کہ امتیاز نہ کر دے ناپاک لوگوں کا پاک لوگوں سے"۔

عمر سعد کے طلایہ کی فوج میں سے ایک شخص نے اسے سنا تو وہ کہنے لگا:

"خدا کی قسم! ہم ہیں پاک لوگ جن کا تم سے امتیاز ہو گیا"۔

ضحاک بن عبداللہ مشرقی نے جو اصحاب امام علیہ السلام میں سے تھے لیکن درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوئے۔ بیان کیا ہے کہ میں نے اُس کو پہچانا اور بریر بن خضیرؓ سے کہا کہ:

"تم جانتے ہو یہ کون ہے؟"

اُنھوں نے کہا: "نہیں"

میں نے کہا: "یہ ابو حرب عبداللہ بن شہر سبیعی ہے۔ وہ ایک مسخرہ اور بیہودہ انسان لیکن بہادر اور جری ہے۔ سعید بن قیس ہمدانی جو امیر المومنین علیہ السلام کی فوج کے ایک سردار تھے اکثر اُس کو جرائم کی پاداش میں قید کر دیا کرتے تھے"۔

بریرؓ کو اس امر سے تکلیف محسوس ہوئی کہ یہ اُنہی کے قبیلہ کا ایک شخص ہے جو اس طرح سے کہہ رہا ہے۔ اُنھوں نے پکار کر کہا:

"اے فاسق بھلا تو وہ ہو گا جسے خدا پاک لوگوں میں محسوب کرے"۔

اُس نے کہا: "تم کون ہو" بتایا کہ "بریر بن خضیر"

جاہل انسان کہنے لگا کہ:

"مجھے بڑا صدمہ ہے بریر تم ہلاک ہوئے خدا کی قسم! بخدا ہلاک ہوئے"۔

بریرؓ نے کہا: "اے ابو حرب کیوں نہیں توبہ کر لیتا اپنے بڑے گناہوں سے، خدا کی قسم! پاک لوگ ہم ہیں اور خبیث و ناپاک تم ہو"۔

مسخرے شخص نے کہا: "اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں"

ضحاک مشرقی نے کہا: "پھر یہ جانتے ہو تو عمل کیوں نہیں کرتے ہو"

اُس نے کہا: "قربانت شوم! پھر یزید بن عذرۃ الشری کی مصاحبت کون کرے گا؟"

یہ فوج عمر سعد کا ایک شخص تھا جو اس وقت اُس کے ہمراہ تھا۔
معلوم ہو گیا یہ شخص سنجیدہ گفتگو کا اہل نہیں ہے۔ وہ بات کو مذاق میں اُڑاتا ہے۔
ضحاک نے کہا: ''بہر حال خدا تجھے غارت کرے تو جاہل و احمق ہے''۔
(تاریخ طبری ج ٦ ص ٢٤٠)

ذوقِ شہادت:

عاشور کی صبح کو ترتیب لشکر کے بعد امامؑ نے ایک خیمہ نصب کرایا اور اُس میں بعض افراد آداب طہارت کے ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو دروازے پر خیمہ کے عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاریؒ اور بریرؒ کھڑے ہوئے تھے اور آپس میں اس امر پر پُر لطف بحث و مباحثہ ہو رہا تھا کہ کون امامؑ کے بعد پہلے خیمے میں جائے گا۔؟

اس موقع پر بریرؒ عبدالرحمٰنؒ سے مذاق کر رہے تھے۔
عبدالرحمٰنؒ نے کہا: ''چھوڑو ان باتوں کو، اس وقت دِلگی کا موقع نہیں ہے''۔
بریر نے کہا: ''خدا کی قسم! میرے قبیلے کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی دِلگی کو پسند نہیں کیا نہ جوانی میں نہ ادھیڑ پن میں۔ لیکن اس وقت تو میں مستقبل کے خیال پر خوش ہوں۔ بخدا ہم میں اور حوروں کی ملاقات میں صرف اتنا فاصلہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر تلواریں لیکر حملہ کریں اور مجھے تو تمنا ہے کہ کہیں یہ وقت جلدی آئے۔ (طبری ج ٦ ص ٢٤١)

فاضل سماوی نے اس واقعے کو نویں محرم سے متعلق قرار دیا ہے اس کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔ (ابصار العین ص ٧٠)

جہاد میں سبقت:

حبیب بن مظاہرؒ کے حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جنگ چھڑنے کے بعد سب سے پہلے جو دو پہلوان دشمن کی طرف سے نکلے۔ وہ یسار اور سالم دو غلام تھے۔ انھوں نے مبارز طلبی کی تو حبیب بن مظاہرؒ اور بریر بن خضیرؒ یہی دو جواں ہمت انسان تھے جو کھڑے ہو گئے مگر امامؑ نے

اُن کو منع کر دیا۔

یہ بھی وہاں لکھا گیا ہے کہ بُریرؓ تو جِ حسینؑ کے اُن مخصوص اشخاص میں سے تھے جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب عبداللہ بن عمیر کلبیؓ اُن دونوں کے مقابلے پر نکلے تو اُنھوں نے کہا "کہ ہم تم سے واقف نہیں ہیں، ہمارے مقابلے پر زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بُریر بن خضیر کو آنا چاہیے" جس پر عبداللہؓ کو غصہ آگیا اور انھوں نے حملہ کر دیا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۵)

مباہلہ اور جنگ:

واقعۂ کربلا میں اصحاب حسینؑ کے استقلال اور ثبات قدم کا تمام راز اُن کے اس یقین واطمینان میں مضمر تھا جو اُنھیں اپنی حقانیت کے بارے میں حاصل تھا۔ اس کے مظاہرے مختلف صورتوں سے ہوتے رہتے تھے اُن میں سے بڑا شاندار واقعہ یہ ہے جس میں بُریرؓ کے اطمینان قلبی کا ثبوت پیش ہوا ہے

یزید بن معقل فوج عمر سعد میں، بنی عمیرہ بن ربیعہ میں سے، بنی سلیمہ بن عبدالقیس کا حلیف تھا۔ اُس سے اور بُریرؓ سے پرانی شناسائی تھی۔ اور آپس میں مذہبی نوک جھوک بھی ہوا کرتی تھی، وہ صف سے باہر نکلا اور اُس نے بریرؓ کو پکار کر آواز دی کہ:

"دیکھا تم نے خدا نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

بریرؓ نے کہا: "خدا نے میرے ساتھ تو بڑا اچھا سلوک کیا۔ ہاں! اپنی کہہ کہ تو بڑا بد نصیب ہے"۔

یزید نے کہا: "تم جھوٹ کہتے ہو حالانکہ اس سے پہلے تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے، اچھا! کیا تمھیں یاد ہے؟ ایک دن ہم اور تم بنی دودان کے کوچہ میں جارہے تھے اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان بن عفان گنہگار تھے اور معاویہ بن ابوسفیان خود گمراہ اور دوسروں کا گمراہ کرنے والا ہے اور سچے راہنما اور امام علی بن ابیطالبؑ ہیں"۔

بریرؓ نے کہا: "میں اس وقت بھی اقرار کرتا ہوں کہ میری رائے یہی ہے اور میں اسی قول پر قائم ہوں"۔

یزید نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو''۔

بریرؓ نے کہا: ''اچھا! اس پر تیار ہو کہ میں تم سے مباہلہ کروں اور ہم دونوں مل کر خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو اُس کے ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کرا دے۔ پھر میں تم سے نکل کر جنگ کروں''۔

یزید نے اس کو منظور کر لیا۔

دونوں فوجوں کی آنکھیں لڑی ہوئی ہونگی، حق اور باطل کا سخت مقابلہ اور فیصلہ کن امتحان تھا۔

دونوں نے نکل کر ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور خدا سے دعا کی۔ پھر جنگ کے لیے مقابلہ پر آ گئے۔

بس دو ضربتوں کی آمد و رفت ہونے پائی، پہلے یزید نے تلوار لگائی جو بریرؓ پر اُچٹتی ہوئی پڑی اور کوئی صدمہ اُنھیں نہیں پہنچا پھر بریرؓ نے تلوار ماری جو خود (لوہے کی ٹوپی) کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچی وہ گھوڑے پر سے زمین پر گر پڑا اس حالت میں کہ بریرؓ کی تلوار اُس کے سر میں قائم تھی اور وہ اُسے سر کے اندر سے کھینچ رہے تھے۔

شہادت:

رضی بن منقذ عبدی نے بریرؓ پر حملہ کیا اور بریرؓ سے لپٹ گیا کشتی لڑنے لگا بریرؓ اُس کو گرا کر سینے پر سوار ہو گئے۔ کمینہ بزدل دشمن اب چیخنے لگا اور پکارنے لگا:

''کہاں ہیں جنگجو پہلوان، کہاں ہیں مدافعت کرنے والے جوان''؟

کعب بن جابر بن عمرو ازدی حملے کے لیے آگے بڑھا۔ عفیف بن زہیر بن ابی الاخنس جو واقعۂ کربلا میں لشکر عمر سعد میں موجود تھا اُس کا بیان ہے کہ میں نے کعب سے کہا: ''یہ تو بریر بن خضیرؓ وہ حافظ قرآن ہیں جو ہم کو مسجد میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔'' مگر اُس نے عفیف کی بات سماعت نہ کی اور پشت کی جانب سے بریرؓ پر نیزے کا وار کر دیا۔ بریرؓ کو نیزہ کی اَنی کا احساس ضرور ہوا مگر چارۂ کار کوئی نہ تھا۔ انی سینے کے پار تھی اور بریرؓ اپنے دشمن کے

سینے پر سے الگ گرے ہوئے تھے پھر اُس نے تلوار لگا کر بُریرؓ کا کام تمام کر دیا۔

رضی بن منقذ جس نے ابھی بُریرؓ کے مقابلے میں شکست کھائی تھی کپڑوں سے خاک جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور قاتل بُریر کا شکریہ ادا کرنے لگا کہ تم نے مجھ پر آج وہ احسان کیا جس کو میں کبھی نہ بھولونگا۔ (طبری ج ٦ ص ٢٤٧)

انجام ستم:

حسین علیہ السلام کے ساتھ والے مجاہد اپنے حسن عمل میں تمام عرب میں شہرۂ آفاق تھے، وہ مال وجاہ دنیا کی ہوس تھی جواُن کے خلاف شمشیر زنی پر آمادہ کرتی تھی، مگر بعد میں اُنھیں خود اپنی وابستگان اعزّاؤاقارب کی طرف سے لعنت وملامت سے دوچار ہونا پڑتا تھا، یہ اور بات ہے کہ قتل کرنے والے ظالم خود اپنے کردار کی برائی کا اقرار نہ کریں اور اپنے غلط طریقۂ کار پر اصرار رکھیں۔

بُریرؓ کا قاتل کعب بن جابر جب کوفہ واپس گیا تو اُس کی ہمشیرہ نوار بنت جابر نے کہا کہ:

''تونے غضب کیا۔ فرزند فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے خلاف تونے جنگ کی اور سیّد القرّا (بُریرؓ) کو شہید کیا۔ تونے بڑا عظیم اقدام کیا ہے۔ میں تجھ سے اب کبھی بات نہیں کرونگی۔''

اسے سن کر کعب بن جابر نے کچھ اشعار نظم کیے۔ جنھیں میں نے ''قاتلانِ حسین کا مذہب'' (طبع چہارم ص ٤٢۔٤٦) میں درج کیا ہے۔

اُن میں سے آخری شعر جسے وہاں نہیں لکھا گیا ہے حسب ذیل ہے۔

قتلت برير ثم حملت نعمة

ابا منقذ لما دعا من يماصع

''میں نے بریر کو قتل کیا اور ابو منقذ کو اپنا احسان مند کیا جبکہ وہ پکار اُٹھا تھا کہ کون میری مدد کرتا ہے''۔؟

بے دین جاہل شخص بُریرؓ کے شہید کرنے پر فخر کر رہا ہے۔

عبدالرحمن بن جندب کی روایت ہے کہ میں نے اُس کو مصعب بن زبیر کے زمانے میں یہ کہتے سنا کہ: "خداوندا! ہم نے وفاداری سے کام لیا، ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جو غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے"۔

راوی کا بیان ہے کہ میرے والد جندب نے کہا کہ: "بالکل سچ! وفاداری کے معنی یہی ہیں۔ بیشک! تو نے اپنے نفس کے ساتھ خود برائی کی ہے۔

ہٹ دھرم ظالم کہنے لگا: "ہرگز نہیں! میں نے کوئی برائی نہیں کی۔ میں نے تو اپنے نفس کے ساتھ اچھا ہی سلوک کیا"۔

مگر وہی رضی بن منقذ جس کی حمایت پر وہ آج فخر کر رہا تھا اُس نے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ:

لو شاء ربّي ما شهدت قتالهم
ولاجعل النعماء عندي ابن جابر
لقد كان ذاك اليوم عارا وسبة
يعيره الابناء بعد المعاشر
فيا ليت انّي كنت من قبل قتله
ويوم حسين كنت في رمس قابر

(یعنی) "مقدر میں اس طرح لکھا نہ ہوتا تو میں اس جنگ میں شریک نہ ہوتا اور نہ ابن جابر کا احسان مجھ پر ہوتا۔ وہ دن ہمیشہ کے لیے ایک عار و ننگ کا موقع تھا جو نسلوں تک طعن و تشنیع کا باعث رہے گا۔ کاش میں بریر کے قتل اور حسین علیہ السلام سے مقابلے کے دن سے پہلے مر کر قبر میں پہنچ گیا ہوتا۔" (طبری ج ۶ ص ۲۴۸)

یہ ہر کمزور نفس کے انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کو تقدیر کے حوالے کرتا ہے۔

بریر کی شہادت کے وقت کا تعین حقیقتاً نہیں ہوسکا ہے اُن کی جنگ کی صورت اور واقعۂ شہادت کی نوعیت کی بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ وہ اوائل جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔

ابن شہرآشوب نے اُن کی شہادت کو حرؑ کے بعد لکھا ہے۔ اور تحریر کیا ہے کہ اُن کو بحیر بن اوس ضبی نے شہید کیا۔ (مناقب مطبوعہ بمبئی ج ۴ ص ۹۴)

مگر یہ لوگ خود حرؑ کی شہادت کو اوائل جہاد میں بتلاتے ہیں حالانکہ حرؑ جیسا کہ میں نے لکھا ہے نماز ظہر کا وقت آنے کے بعد شہید ہوئے ہیں بہت ممکن ہے کہ میں دوسرے ایڈیشن میں بریرؑ کے تذکرے کو ظہر سے قبل شہید ہونے والے اصحاب میں جگہ دیدوں۔

71۔ شوذب بن عبداللہؓ

غلام زادوں میں سے "قبیلۂ شاکر" کے رہنے والے تھے جو "ہمدان" کی ایک شاخ تھی اور عابس بن ابی شبیب شاکری کے ساتھ جن کا تذکرہ ابھی ان کے بعد آئیگا اتصال رکھتے تھے۔ وہ شیعیان کوفہ میں اپنے اوصاف کی بنا پر نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اور ایک طرف تو میدان جنگ کے شہسوار تھے دوسری طرف احادیث کے حافظ تھے اور امیر المؤمنین علیہ السلام سے استفادہ کیے ہوئے تھے۔ وہ کوفہ میں اس باب میں مرجعیت کی حیثیت رکھتے تھے، اور لوگ اُن سے احادیث حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۸۸)

جب عابسؓ جناب مسلمؑ کا خط لیکر کوفہ سے مکۂ معظمہ روانہ ہوئے جس کا تذکرہ اس کے بعد آئیگا تو شوذبؓ اُن کے ساتھ گئے اور امامؑ کے ساتھ مکۂ معظمہ سے پھر عراق آئے اور کربلا پہنچے۔ (ابصار العین ص ۷۶)

روز عاشور عابسؓ نے اپنے باوفا غلام سے کہ "کیوں شوذب تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

شوذبؓ نے کہا: "ارادہ کیا ہے یہی کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہوں"

عابسؓ نے کہا: "شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اچھا! تو پھر بڑھو آگے اور امامؑ کے اوپر جان نثار کرو، تاکہ امامؑ تمھاری مصیبت بھی اُس طرح دیکھ لیں جیسے اپنے دوسرے اصحاب کی اور میں بھی تمھارے غم کو برداشت کرکے ثواب کا مستحق بنوں۔ یقیناً اگر اس وقت کوئی ایسا شخص

میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے اس سے زیادہ اختیار ہوتا جیسا مجھے تم پر اختیار حاصل ہے تو میری خوشی ہوتی کہ وہ میرے سامنے جائے تاکہ میں اُس کی مصیبت کو برداشت کروں کیوں کہ آج تو دن ایسا ہے جس میں جتنا انسان سے ہو سکے اُتنا اجر و ثواب حاصل کرلے کیونکہ آج کے دن کے بعد پھر عمل کا دفتر ختم ہے اور حساب کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

میں نے اس گفتگو پر "محاربہ کربلا۔ ص ۵۴۔ ۵۵" میں تبصرہ کیا ہے

شوذبؓ آگے بڑھے۔ امام حسین علیہ السلام کو سلام کیا اور پھر جنگ کر کے شہید ہوئے

(طبری ج ۶ ص ۲۵۴)

وہ غلام عالم کے سرتاجوں سے زیادہ عزت دار تھا کہ اُس پر امامؑ نے زیارت شہداؑ میں سلام کیا

"السلام علی شوذب مولی شاکر"

72۔ عابس بن ابی شبیب شاکریؓ

نام ونسب:

عابس بن ابی شبیب بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معویۃ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الھمدانی الشاکری۔

"بنو شاکر" "قبیلۂ ہمدان" کی ایک شاخ تھی۔ اور اُن ہی کی نسبت امیر المومنین علیہ السلام نے روز صفین فرمایا تھا کہ اگر ان کی تعداد ایک ہزار ہو جائے تو خدا کی عبادت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونا چاہیے۔

یہ لوگ عرب میں بڑے شجاع اور جنگ آزما تھے اور "فتیان الصباح" کے لقب سے مشہور تھے اس کے معنی ہوئے "وقت صبح کے جوانمرد" چونکہ غارت گری اور جنگ کے زیادہ تر اوقات صبح میں ہوتے تھے۔ اسی لیے اس وقت کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

ہمدان کی ایک دوسری شاخ ''بنو وادعہ'' کے پاس ان لوگوں نے جا کر قیام کیا تو وہ لوگ بھی اس لقب سے ملقب ہو گئے اور اس لیے عابسؓ کو شاکری بھی کہا جاتا ہے اور وادعی بھی۔

(ابصار العین ص ۷۴)

شیخ الطائفہ نے اپنے رجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام کے ذیل میں ان کے والد کا نام ابو شبیب ہی لکھا ہے۔

علامہ مامقانی نے اس کی تبعیت کرتے ہوئے اُن کو ''عابس بن ابی شبیب'' کے نام سے معنون کرنے کے بعد نہ معلوم کس بنا پر لکھ دیا ہے کہ:

"ظاهر غيره كون شبيب بغير كلمة ابى اسما لابيه لا كنية له"

شیخ طوسی کے علاوہ دوسرے لوگوں کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام شبیب تھا ''ابی'' کے لفظ کے بغیر، نہ کہ ابو شبیب کنیت کے طور پر ہے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۱۲)

ممکن ہے کسی کتاب میں ایسا ہو لیکن ہمارے سامنے تاریخ طبری موجود ہے اس میں بھی جہاں جہاں اُن کا ذکر ہوا ہے ''عابس بن ابی شبیب'' ہی لکھا ہے۔

(طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ ۲۱۱، ۲۵۴)

زیارت شہداءؑ کے بعض نسخوں میں "السلام علی عابس بن شبیب" ہے لیکن اسی زیارت کو سپہر کاشانی نے جو درج کیا ہے اس میں "السلام علی عابس بن ابی شبیب الشاکری" ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴)

اوصاف:

وہ شیعیان کوفہ میں سے رئیس قوم، بہادر، مقرر، عبادت گزار اور شب زندہ دار تھے۔ اور بہت سی لڑائیوں میں کارنمایاں انجام دے چکے تھے۔ اور دلوں میں اُن کی شجاعت کا سکہ قائم تھا۔

جلسے میں تقریر:

اُس موقع پر جب جناب مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں وارد ہوئے اور آپؑ نے مختارؒ کے گھر قیام فرمایا اور شیعیان کوفہ کا اجتماع ہوا اور مسلمؑ نے امامؑ کا خط پڑھ کر سنایا تو اُس وقت سب سے پہلے عابس بن ابی شبیب شاکریؒ ہی کھڑے ہوئے تھے اور اُنھوں نے حمد وثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ:

"اما بعد فانی لا اخبرك عن الناس ولا اعلم ما فی انفسهم و ما اغرّك منهم و الله احدثك عما انا موطن نفسی علیه و الله لاجیبنكم اذا ادعوتم ولاقاتلن معكم عدوّكم ولاضربن بسیفی دونكم حتّٰی القی الله لا ارید بذلك الا ما عند الله"

"میں آپؑ کو دوسرے لوگوں کی نسبت کچھ بتانا نہیں چاہتا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ اُن کے دلوں میں کیا ہے؟ اور میں آپؑ کو اُن کے بارے میں جتلائے فریب نہیں بنانا چاہتا۔ بخدا! میں آپؑ کو وہ بتلاتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ بخدا! میں جب آپؑ آواز دیجیے گا تو آپؑ کی صدا پر حاضر ہونگا اور آپ لوگوں کے ساتھ آپؑ کے دشمن سے جنگ کرونگا اور اپنی اس تلوار سے آپؑ کی طرف سے جہاد کرونگا یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کروں اس سے میرا مقصود سوائے خوشنودیٔ خدا کے کچھ اور نہیں ہوگا"۔

دیکھا جائے تو عابسؒ کی یہ مختصر تقریر بڑی معنی خیز ہے۔ وہ عام اہل کوفہ پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ اُن کے ارادوں کے ثبات اور مواعید کے استقلال کی کمزوری کا انکشاف کر رہے ہیں اور اُسے ایک فریب نگاہ قرار دے رہے ہیں بیشک! وہ صرف اپنے نفس کی ذمہ داری کر رہے ہیں اور عہد وفاداری کے پورا کرنے کی قسم کھا رہے ہیں۔

اس امر سے عابسؒ کی شخصیت کا ممتاز درجہ بھی سامنے آجاتا ہے کہ اس جلسے میں بڑے بڑے صاحب مرتبت اشخاص موجود تھے، جیسے حبیب بن مظاہرؒ، سعید بن عبداللہ حنفیؒ وغیرہ۔ لیکن ان تمام لوگوں میں عابسؒ نے تقدم کی جرأت کی اور اُن کی تقریر اتنی جامع اور پر مغز تھی کہ حبیب

بن مظاہرؒ نے اُن کی تعریف کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ:

"رحمك الله قد قضيت ما في نفسك بواجز من تولك"

" خدا اپنی رحمت تمھارے شامل حال کرے تم نے کتنے مختصر الفاظ میں اپنے پورے خیالات کا اظہار کر دیا ہے"

اس کے بعد اُنھوں نے اپنی طرف سے نصرت واعانت کی اُسی طرح ذمہ داری ادا کی جس طرح عابسؒ نے کی تھی۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۹)

کوفہ سے روانگی:

جب جناب مسلمؑ کی کوفہ میں اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ آپؑ نے صورت حال سے امامؑ کو مطلع کرنے کے لیے خط لکھا۔ یہ خط آپؑ نے عابس بن ابی شعیب شاکریؒ ہی کو دیا کہ امامؑ کے پاس لیجائیں۔ چنانچہ عابسؒ اس خط کو لے کے امامؑ کے پاس گئے (طبری ج ۶ ص ۲۱۱)

اسی لیے جناب مسلمؑ کے واقعے میں آپؑ کی جنگ اور شہادت کے موقع پر پھر عابس کا نام دکھلائی نہیں دیتا۔ وہ امامؑ کے ہمراہ تھے اور پھر آپؑ سے جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ کربلا پہنچے اُن کا غلام شوذبؒ اُن کے ساتھ تھا۔

جذبۂ قربانی:

ابھی شوذب بن عبداللہؒ کے حال میں عابسؒ کے وہ الفاظ درج ہو چکے ہیں جو انھوں نے اپنے باوفا غلام سے کہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ: "اگر میرے پاس اس وقت کوئی ایسا شخص ہوتا جو تم سے زیادہ میرے ساتھ خصوصیت رکھتا ہوتا تو میری خوشی ہوتی کہ وہ میرے سامنے جا کر قتل ہوتا کہ اُس کی مصیبت کو میں برداشت کروں اور اجر کا مستحق بنوں۔ کیونکہ آج وہ دن ہے جس میں ہم کو ہر امکانی ذریعے سے آخرت کے ثواب کا استحقاق حاصل کرنا ہے۔ پھر آج کے دن کے بعد عمل کا موقع نہیں ہے"۔

یہ وہ الفاظ ہیں جنھیں اطمینانی مواقع پر شاعری کے طور پر ہر شخص کہہ سکتا ہے۔ لیکن عین

معصیت کے موقع پر واقعی طور پر اُن کا کہنا بہت مشکل ہے معلوم ہوتا ہے مصائب کے اٹھانے کا ایک شوق ہے اور تکالیف کے برداشت کرنے کا جذبہ جو خود اختیاری طور پر عملی اقدامات کا محرک ہے۔ آپ یہ مطالعہ کر چکے کہ "غلام گیا اور شہید ہو گیا" آج اُس کو وہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ اُس کے مالک کے تذکرے سے پہلے اُس کا ذکر سامنے آیا۔ لیکن حقیقۃً وہ عابسؓ ہی کی قربانی کا ایک باب ہے جو تمہید کی صورت سے مقدم ہو گیا ہے۔

امامؑ سے رخصت:

شوذبؓ کے شہید ہونے کے بعد عابسؓ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"بخدا روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مجھے آپؑ سے زیادہ عزیز اور آپؑ سے زیادہ محبوب ہو۔ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں اپنی جان سے زیادہ کوئی عزیز شئے آپؑ کی خدمت میں پیش کروں تو اُسے پیش کرتا مگر اب تو بس میری جان ہی باقی ہے، تو پھر اجازت دیجیے۔ میں آخری سلام کرتا ہوں اور خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں آپؑ کے اور آپؑ کے والد کے دین پر قائم ہوں"۔

ان الفاظ کو کہہ کر امامؑ سے رخصت ہوئے۔

بے مثال جنگ:

عابس تلوار کھینچے ہوئے فوجِ دشمن کے سامنے آئے۔ اُن کی پیشانی پر اس وقت ایک زخم تھا جو شاید پہلے کے حملوں میں آ گیا تھا۔ فوجِ کوفہ کا ایک شخص ربیع بن تمیم جو واقعۂ کربلا میں موجود تھا، بیان کرتا ہے کہ میں نے عابسؓ کو آتے دیکھا تو پہچان لیا۔ میں اُنھیں اس کے پہلے لڑائیوں میں دیکھ چکا تھا اور اُن کی شجاعت سے واقف تھا۔

میں نے کہا: "ایہا الناس! یہ شیروں کا شیر ہے یہ ابن شعیب ہے، دیکھو کوئی ایک شخص تم میں سے اس کے مقابلے کو باہر نہ نکلے"۔

عابسؓ نے آواز دینا شروع کی: "الا رجل الرّجل"

کیا کوئی مردِ میدان جو ایک مردِ میداں کے مقابلے کو نکلے؟"

طبری کے مطبوعہ نسخے میں یہی الفاظ ہیں۔ ابصار العین میں ہے:

"الارجل الارجل" کیا کوئی مرد نہیں ہے، کوئی مرد نہیں ہے؟

مگر فوج میں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکلا۔

عمر سعد نے کہا: "اس بہادر کو پتھر مارنا شروع کردو"۔

ہر طرف سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ یہ عجیب طریقہ جنگ دیکھ کر عابسؓ نے زرہ خود و بکتر اُتار کر پھینک دیا اور تلوار لیے فوج پر ٹوٹ پڑے جس صف کی طرف رخ کرتے تھے سینکڑوں آدمی اُن کے سامنے سے بھاگتے نظر آتے تھے۔

شہادت:

تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد فوج کے بڑے حصے نے اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور شہید کیا۔ اُن کو شہید کرنے کے بعد اُن کا سر قلم ہوا اور بہت سے آدمیوں نے فوج کے آپس میں جھگڑنا شروع کیا۔ ہر ایک کہتا تھا اس شخص کو میں نے قتل کیا، عمر سعد نے اس کا یہ کہہ کر فیصلہ کیا کہ جھگڑا نہ کرو۔ اس شخص کا قاتل کوئی ایک نہیں ہوسکتا۔ تم سب اس کے قاتل ہو، اس طرح یہ نزاع برطرف ہوئی۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۴)

73۔ عبداللہ بن عروہ بن حراق الغفاریؓ

یہ وہی قبیلہ ہے جس قبیلے کو حضرت ابوذرؓ کی نسبت کا شرف حاصل ہے۔ حراق غفاری امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور حضرتؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہرواں میں شریک رہے تھے۔ ان کے دونوں پوتے عبداللہ بن عروہؓ اور عبدالرحمٰن بن عروہؓ اشراف و شجاعان کوفہ میں اور شیعیان علی بن ابیطالب علیہم السلام میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ یہ دونوں بھائی امام حسین علیہ السلام کے پاس کربلا میں آکر پہنچے اور حضرتؑ کے انصار میں شامل ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۰۴)

روز عاشور بعد ظہر جب اصحاب امام حسین علیہم السلام کی تعداد بہت کم رہ گئی اور دشمن کی یورش بہت بڑھ گئی تو اصحاب ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے اور ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ ہم پہلے اپنی

جان نثار کریں۔

چنانچہ یہ دونوں بھائی خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یا ابا عبداللہ! ہمارا سلام قبول کیجیے۔ دشمن اب آگے بڑھے چلے آتے ہیں اور ہمارا بس نہیں چلتا اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ خود آپؑ کے سامنے قتل ہو جائیں اور آپؑ کی حفاظت میں اپنی جان نثار کریں''

حضرتؑ نے فرمایا: ''خدا تمہارا بھلا کرے آؤ میرے قریب آؤ''

یہ دونوں امامؑ کے پاس کھڑے ہو گئے اور ایک اُن میں سے یہ رجز پڑھ رہا تھا:

قد علمت حقاً بنو غفار
و خندف بعد بنی نزار
لنضر بن معشر الفجار
بکل عضب صارم بتار
یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار
بالمشرفی و القنا الخطار

''حقیقۃً تمام بنی غفار اور خندف و بنی نزار کے قبائل اس امر سے واقف ہیں کہ ہم فاسق و فاجر گروہ پر حملے کریں گے ہر باڑھ دار براں شمشیر کے ساتھ۔ اے میرے ساتھیو! شریف خاندان کی طرف سے شمشیر و نیزہ کے ساتھ جنگ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھو''

طبری کے الفاظ یہی ہیں کہ ''کان احدھما یقول'' اُن میں سے ایک یہ رجز پڑھ رہا تھا'' (طبری ج ۶ ص ۲۵۳)

لیکن مؤلف ابصار العین نے لکھا ہے:

''ان احدھما الیر تجزو تیتم له الأخر فیقولان۔

(یعنی) ''ایک اُن میں سے رجز کا مصرع شروع کرتا تھا اور دوسرا اُس شعر کو ختم کرتا تھا، اس طرح دونوں مل کر رجز پڑھ رہے تھے''۔ (ابصار العین ص ۱۰۴)

آخر وہ دونوں جہاد کرکے شہید ہوئے۔

طبری نے اُن کا نام عبداللہ بن عزرہ اور عبدالرحمٰن بن عزرہ غفاری لکھا ہے۔ اسی کا تتبع میں نے ''محاربہ کربلا ص ۴۹'' پر پہلے کیا ہے۔ مگر زیارت شہداؑ میں ''عزرہ'' کے بجائے ''عروہ'' ہے اور ابن شہر آشوب نے بھی یہی لکھا ہے (مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۹۹)

مولف ابصارالعین بھی اسی کے موافق ہیں۔

علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ رجال شیخ کے بعض نسخوں میں ''عبدالرحمٰن بن عزرہ'' ہے اور منہج المقال کے ایک صحیح اور معتبر نسخے میں بھی رجال شیخ سے یہی منقول ہے لیکن خود رجال شیخ کے معتبر اور تصحیح شدہ نسخے میں ''عروہ'' ہے اور تمام کتب سیر و مقاتل اسی پر متفق ہیں۔
(تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۴۶)

صاحب مناقب نے عبداللہ بن عروہؓ کو ''حملۂ اولیٰ'' کے مقتولین میں قرار دیا ہے۔

سپہر کاشانی نے عبداللہؓ اور عبدالرحمٰنؓ کے تذکرے کے بجائے یہ جدت آفرینی کی ہے کہ اُن اصحاب کی فہرست میں جن کا ذکر بحار اور دوسری کتابوں میں نہیں ہے محمد بن مطاعؑ کی شہادت کے بعد ''جابر بن عروہ غفاریؓ'' کی جنگ درج کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

''ازپس او چنانکه در شرح شافیه مرقوم است و ابومخنف حدیث می کند جابر بن عروه غفاری که مردے سالخورده و پارس بود و در عزوهٔ بدر و دیگر غزوات ملازمت خدمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می فرمود و عصابه بر پیشانی بستة بود که جلد ابرو ہائے او فرد نیفتد و چشم اُو را از دیدار باز نه دارد حسین علیہ السلام چوں نگر بست که جابر آہنگ جنگ دارد فرمود شکر الله سعیك یا شیخ! و جابر ایں شعر را بار جوزه قراءت کرد:

قد علمت حقاً بنو غفار
و خندف ثم بنو نزار
بنصرنا لاحمد المختار

یا قوم حاموا عن بنی الاطہار
الطیبین السادۃ الاخیار
صلّی علیہم خالق الابرار

پس آغاز جنگ نمود و در پیش روئے امامؑ ہشتاد تن مرد رزم آزمائے را بخاک انداخت و خود نیز جائے بپرداخت۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۸)

اب اس حکایت کے متعلق میں کیا کہوں؟

اگر صاحب ناسخ کچھ بھی تحقیقات سے کام لیتے تو اُنھیں معلوم ہو جاتا کہ صحابہ میں اور خصوصاً جنگ بدر کے شریک ہونے والوں میں جابر بن عروہ غفاریؓ کوئی شخص نہیں ہے۔

جو رجز درج کیا گیا ہے اُس کا پہلا شعر تقریباً بالکل وہی ہے جو عبداللہ بن عروہ غفاری کے حال میں درج ہوا۔

شرح شافیہ بالکل مجہول ہے۔ اور ابو مخنف کی نہ معلوم یہ کس طرح کی حدیث ہے جس کی خبر نہ طبری کو تھی اور نہ ابن شہر آشوب کو نہ علامہ مجلسی کو۔ اور براہ راست صرف صاحب ناسخ کو اُس کی اطلاع ہو سکی۔؟

74۔ عبدالرحمٰن بن عروہ بن حراق الغفاریؓ

وہ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ساتھ کربلا آئے اور اُن ہی کے ساتھ میدان جہاد میں نکلے اور لڑ کر شہید ہوئے۔ زیارت شہدا میں بھی ان دونوں بھائیوں پر ساتھ ساتھ سلام کیا گیا ہے۔

"السلام علی عبداللہ وعبدالرحمٰن ابنی عروۃ بن حراق الغفاریین"

75۔ حنظلہ بن اسعد شبامیؓ

نام و نسب:

"حنظلہ بن اسعد بن شبام بن عبداللہ بن اسعد بن حاشد بن ہمدان

الھمدانی الشبامی۔

سپہر کاشانی نے حنظلہ بن اسعد شامی لکھا ہے (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۱)۔ یہ بالکل غلط ہے۔

زیارت شہداؑ میں جسے ناسخ نے درج کیا ہے" السلام علی حنظلة بن اسعد الشیبانی " لکھا ہے (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴) یہ بھی غلط ہے، صحیح "شبامی" ہے جیسا کہ زیارت کے دوسرے نسخوں میں موجود ہے۔ "بنو شبام" "قبیلۂ ہمدان" کی شاخ تھی۔ (ابصار العین ص ۷۷)

اوصاف:

حنظلہؓ شیعیان کوفہ میں سے نام آور، خوش تقریر، بہادر اور حافظ قرآن تھے۔ اُن کے ایک فرزند علی تھے جن کا ذکر تاریخ میں موجود ہے (ابصار العین ص ۷۷)۔

میں نے تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اوّل ص ۵۴ تا ۵۶ میں اُن کا حال اسی لیے درج کیا ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے۔

حنظلہؓ امامؑ کے پاس حضرتؑ کے کربلا وارد ہونے کے بعد پہنچے اور امامؑ نے گفتگوئے صلح کے دوران میں اکثر اُن کو عمر سعد کے پاس نامہ و پیام کے ساتھ بھیجا ہے۔

تقریر:

روز عاشور ظہر کے بعد جب اصحاب میں سے بہت سے افراد شہید ہو چکے ہیں تو وہ امامؑ کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے اور فوج کوفہ کو مخاطب کر کے با آواز بلند کہنے لگے کہ:

یاقوم! انّی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب مثل دأب قوم نوح وعاد وثمود والذین من بعدھم وما اللّٰہ یرید ظلما للعباد ویاقوم! انّی اخاف علیکم یوم التناد یوم تولون مدبرین مالکم من اللّٰہ من عاصم ومن یضلل اللّٰہ فماله من ھاد یاقوم! لا تقتلوا حسینا فیسحتکم اللّٰہ بعذاب وقد خاب من افترٰی.

''اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمھارے متعلق اندیشہ ہے اُس دن کا جو بہت سی قوموں کو نصیب ہوا جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُن کے بعد والوں کا انجام ہوا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اُن کی بداعمالیوں ہی کا بدلا دیتا ہے اے میری قوم! میں تمھارے لیے اندیشہ رکھتا ہوں قیامت کے دن سے جس وقت تم اس دنیا سے پشت پھراؤ گے اور کوئی تمھارا بچانے والا خدا کے عذاب سے کوئی نہ ہوگا اور جس کی ہدایت سے خدا ہاتھ اُٹھائے اُس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہے اے میری قوم والو! حسین علیہ السلام کو قتل نہ کرو نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اور جھوٹ کہنے والے کا انجام ناکامی ہے''۔

دشمن پر ایسی تقریروں سے اثر ہی کب ہوتا تھا۔ امامؑ نے پکار کر فرمایا کہ:

''اے ابن اسعد! خدا اپنی رحمت تمھارے شامل حال کرے۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اُسی وقت ہو گئے جب انھوں نے حق کی بات کو قبول نہ کیا اور تم لوگوں کے خلاف فوج کشی کی۔ چہ جائیکہ اب؟ اب تو یہ تمھارے بہت سے نیک ساتھیوں کو شہید بھی کر چکے ہیں''۔

حنظلہؓ نے کہا: ''حضور سچ فرماتے ہیں، حضورؑ سے بڑھ کر ان باتوں کو کون سمجھ سکتا ہے؟'' اچھا! پھر ہم بھی نہ جائیں خدا کی طرف اور اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں؟''

اذن جہاد:

ان الفاظ میں حنظلہؓ نے اجازت جنگ طلب کی تھی۔ امامؑ نے فرمایا:

''جاؤ دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جس کو زوال نہیں ہے''۔

شہادت:

حنظلہؓ نے سلام رخصت کیا۔ میدان جنگ میں گئے۔ لڑے اور شہید ہو گئے۔

(طبری ج ٦ ص ٢٥٤)

76۔ سیف بن حارث بن سریع بن جابر ہمدانیؓ

یہ اور مالک بن عبد بن سریع جن کا ذکر ابھی ان کے بعد آئیگا دونوں آپس میں چچازاد

بھائی اور ایک والدہ کی اولاد (برادر اخیافی) تھے اور کربلا میں اُن دنوں میں جب صلح کی گفتگو ہو رہی تھی یہ دونوں آکر امامؑ کے ساتھ ملحق ہوئے (تنقیح المقال ج ۲ ص ۷۸)۔

ان کا غلام شبیبؓ بھی ان کے ساتھ تھا۔ (ابصار العین ص ۷۸)

روزِ عاشور جب بازارِ شہادت گرم ہوگیا تو دونوں جوان امامؑ کی خدمت میں آئے اور نزدیک کھڑے ہوکر رونے لگے۔

یہ اُن کے دل کی بے چینی تھی جس نے الفاظ کو سرشکِ غم کی صورت میں تبدیل کردیا تھا۔ اُن کے منہ سے رنج کی وجہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ مگر کیا کہنا امامؑ کے اطمینانِ قلب کا۔

آپؑ نے فرمایا: ''کیوں میرے بھائی کے فرزندو! روتے کیوں ہو؟ دیکھو تھوڑی دیر میں تمھیں خوشی ہی خوشی کے سامان مہیا ہو گئے۔''

دونوں نے عرض کیا: ''ہماری جان آپؑ پر قربان! ہم اپنے لیے تھوڑی روتے ہیں ہمیں تو آپؑ کی بیکسی پر رونا آرہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور ہم سے آپؑ کی حفاظت کا امکان نہیں ہورہا ہے''۔

حضرتؑ نے فرمایا: ''خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے اے میرے بھائی کے فرزندو! تمھارے اس صدمے پر جو میری وجہ سے ہے اور اس ہمدردی پر جو تمھیں میرے ساتھ ہے خدا تمھیں بہترین جزا عطا فرمائے''۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۳)

حنظلہ بن اسعد شبامیؓ کی شہادت کے بعد ان دونوں مجاہدوں نے امامؑ کو سلام رخصت کیا اور لڑکر شہید ہوئے (طبری ج ۶ ص ۲۵۴)۔

اُن کے غلام شبیبؓ کی شہادت کا ذکر حملۂ اولیٰ کے شہداء میں ہو چکا ہے۔

77۔ مالک بن عبد بن سریع بن جابر ہمدانیؓ

ان کا ذکر ابھی ان کے چچازاد بھائی اور (برادر اخیافی) سیف بن حارث بن سریع کے حال میں ہو چکا ہے۔

یہ دونوں بھائی ساتھ ہی آئے ساتھ ہی امامؑ سے رخصت ہوئے اور ساتھ ہی لڑ کر شہید ہوئے۔
شیخ طوسی نے اپنے رجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں اُن کو "مالک بن سریع" کے نام سے درج کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سریع اُن کے دادا تھے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۴۹)
اُن کے والد کا نام طبری نے عبد لکھا ہے (طبری ج ٦ ص ۲۵۳)
اور تنقیح المقال میں بھی اسی کی موافقت کی گئی ہے۔
مگر ابصار العین میں "مالک بن عبداللہ بن سریع" ہے۔
زیارت شہداءؑ کے بعض نسخوں میں بھی یہی ہے، مگر صاحب ناسخ نے جو اس زیارت کو درج کیا ہے تو۔ السلام علی مالک بن عبد بن سریع۔ نقل کیا ہے۔
(ناسخ التواریخ ج ٦ ص ۳۱۴)

78۔ ابوثمامہ صائدیؓ

نام و نسب:

عمرو بن عبداللہ بن کعب الصائد بن شرحبیل بن شراحیل بن عمرو بن جشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عوف بن ھمدان الھمدانی الصائدی۔
ابوثمامہ اُن کی کنیت تھی۔ عام لوگ "ابوتمامہ صیداوی" کہتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ابوثمامہ صحیح ہے اور "صیداوی" کے بجائے "صائدی" درست ہے۔
شیخ طوسی نے اپنے رجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں "عمرو بن عبداللہ انصاری" درج کیا ہے۔ اس میں وہ متفرد ہیں۔ دوسرے تمام مؤرخین "صائدی" لکھتے ہیں۔ "بنو صائد" "قبیلۂ ہمدان" کی ایک شاخ تھی۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۳۳)

اوصاف:

وہ عرب کے شہسواروں میں سے اور فرقۂ شیعہ کے ممتاز افراد میں سے تھے۔
(طبری ج ٦ ص ۲۰۳)

maablib.org

امیر المومنین علیہ السلام کی صحبت سے شرفیاب ہوئے۔ اور حضرتؑ کے ساتھ آپؑ کے زمانے کی تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ آپؑ کے بعد امام حسن علیہ السلام کی صحبت اختیار کی اور حضرتؑ کے مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہونے کے بعد وہ کوفہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ (ابصار العین ج ۶۹)

مسلم کی مدد:

جناب مسلم بن عقیلؑ امامؑ کی طرف سے نمائندہ ہو کر کوفہ آئے تو ابو ثمامہ صائدیؒ اُن ممتاز افراد میں سے تھے جنھوں نے آپؑ کی گرم جوشی کے ساتھ تائید کی۔ جناب مسلمؑ نے اُن کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی تھی کہ وہ زراعانت اپنے پاس جمع کریں اور اسلحۂ جنگ کی خریداری کریں اس لیے کہ وہ اس امر میں بڑی واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب معقل غلام ابن زیاد نے فریب کاری سے جناب مسلمؑ کی خدمت میں پہنچ کر جو کچھ وہ رقم لایا تھا وہ پیش کی تو اُسے جناب مسلمؑ نے ابو ثمامہؒ ہی کے سپرد کیا جو کہ اس کام پر خصوصیت کے ساتھ معتین تھے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۰۴)

جب ہانی بن عروہؒ گرفتار ہوئے اور جناب مسلمؑ حالات کے تقاضے سے مجبور ہو کر جنگ پر آمادہ ہوئے۔ جناب مسلمؑ نے فوج کو مرتب کیا تو عبید اللہ بن عمرو بن عزیز کندی کو کندہ و ربیعہ کے دستے کا افسر کیا اور اُن سے کہا کہ تم آگے آگے سواروں کی جماعت کے ساتھ جاؤ۔ مسلم بن عوسجہ اسدیؒ کو مذحج و اسد کا افسر کیا اور انھیں پیادوں میں جانے کا حکم دیا اور ابو ثمامہ صائدیؒ کو تمیم و ہمدان کی افسری عطا کی۔ (طبری ج ۶ ص ۲۰۷)

خدمت امامؑ میں حضوری:

جس وقت جناب مسلمؑ کی شہادت یقینی ہوگئی تو ابو ثمامہ بھی مثل دوسرے اشخاص کے مخفی ہو گئے اور خفیہ طور پر کوفہ سے نکل کر نافع بن ہلالؒ کے ساتھ روانہ ہوئے اور چونکہ امامؑ مکۂ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہو چکے تھے یہ لوگ راستے میں امامؑ سے ملحق ہوئے۔

وفاداری:

عاشور سے قبل کسی رات کو عمر بن سعد نے امامؑ کے پاس کثیر بن عبداللہ شعبی کے ہاتھ

پیغام بھیجا۔ یہ شخص انتہائی سخت دل اور جاہل سفاک تھا۔ اُس نے پیغام لیجانے کے وقت ہی عمر بن سعد کے سامنے اپنی سختی و درشتی کا ان الفاظ میں اظہار کر دیا تھا:

"میں جانے کو تیار ہوں اور اگر آپ کہیے تو میں اُن کو قتل ہی کر آؤں"۔

عمر سعد نے کہا: "نہیں! یہ منظور نہیں ہے بس تم جا کر اتنا دریافت کرلو کہ آپ کس لیے آئے ہیں"۔

ابوثمامہؓ نے جو اُس کو آتے دیکھا امامؑ سے عرض کیا کہ "دیکھیے! آپؑ کے پاس ایسا شخص آرہا ہے جو بدترین اہل زمین میں سے ہے اور سب سے زیادہ خونریز اور سفاک ہے"۔

یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ: "اپنی تلوار یہیں رکھ دو"۔

اُس نے کہا: "یہ ممکن نہیں ہے، میں تو پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگ سننا پسند کرو گے تو میں پیغام پہنچا دونگا۔ نہیں تو واپس جاؤ نگا"۔

ابوثمامہؓ نے کہا: "اچھا! میں تمھاری تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے لیتا ہوں پھر تم جو کہنا چاہتے ہو وہ کہو"۔

اُس نے کہا: "نہیں! یہ بھی نہیں ہوگا تمھیں میری تلوار کو چھونا تک نہیں مل سکتا"۔

ابوثمامہؓ نے کہا: "پھر میں وہاں تمھیں نہیں جانے دوں گا۔ جو کچھ کہنا ہو مجھ ہی سے کہہ دو میں تمھاری جانب سے امامؑ تک پیغام پہنچا دوں گا"۔

وہ اس پر بھی آمادہ نہیں ہوا اور آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور وہ واپس چلا گیا۔ آخر دوسرا قاصد بھیجا گیا جس نے پیغام رسانی کے فرض کو انجام دیا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۳)

یہ ابوثمامہؓ کی محبت تھی امامؑ کے ساتھ اور حضرتؑ کی حفاظت کی فکر تھی۔

ممکن ہے جناب عباس علیہ السلام کی طرف جو اس طرح کا واقعہ منسوب ہے اس کی بھی کوئی اصلیت ہو لیکن تاریخ میں اُس کا پتا نہیں ہے، میں حُر کے حالات میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔

نماز ظہر:

ظہر سے قبل جنگ میں شدت ہو چکی تھی۔ حملۂ اولیٰ میں پچاس مجاہد شہید ہو چکے تھے جس سے اصحاب امامؑ کی تعداد بالکل کم ہو گئی تھی۔ دشمن کو اب یہ فکر تھی کہ کسی طرح جنگ جلدی ختم ہو اور یہ مہم سر کر لی جائے۔ قلت اور کثرت کے غیر متوازن فرق کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ ادھر ایک یا دو بھی شہید ہوتے تھے تو نمایاں کمی پیدا ہوتی تھی۔ اُدھر بہت قتل ہوتے تھے تب بھی کمی کا کچھ پتا نہ چلتا تھا۔

اس حالت کو ابو ثمامہؒ نے دیکھا تو وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
''مولا میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اب آپؑ کے بالکل قریب آ گئے ہیں اور یہ یقینی ہے کہ آپؑ تک کوئی آنچ نہ آنے پائے گی جب تک انشاء اللہ میں آپؑ کے سامنے قتل نہ ہو جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ نماز جس کا وقت آ گیا ہے آپؑ کے ساتھ پڑھ لوں پھر خدا کی بارگاہ میں جاؤں''۔

یہ تھا جذبۂ عمل اور شوق اطاعت جو اتنے سخت موقع پر نماز کا خیال اُن کے پیش نظر کیے ہوئے تھا۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ امامؑ نے تعریف کی اور فرمایا: ''تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا۔ خدا تم کو نماز گذاروں اور یاد رکھنے والوں میں محسوب کرے۔ ہاں! یہ اوّل وقت نماز کا ہے''۔

اس کے بعد حضرتؑ نے اصحاب سے فرمایا کہ ان لوگوں سے نماز کی مہلت طلب کرو۔
(طبری ج ٦ ص ٢٥١)

شہادت:

نہیں کہا جا سکتا کہ ابو ثمامہؒ کی یہ تمنا کہ وہ نماز ظہر امامؑ کے ساتھ پڑھ لیں پوری ہوئی یا نہیں؟

مہلت نماز کے مانگنے کے سلسلے میں جنگ ہوئی۔ حبیب بن مظاہرؒ شہید ہوئے۔ زہیر بن قینؒ اور حُرؒ نے مل کر جہاد کیا جس کے نتیجے میں حُرؒ کی شہادت ہوئی۔

اس کے بعد طبری کے مطبوعہ نسخے میں جو الطبعة الاولی بالمطبعة الحسینیة المصریة علی نفقة السید محمد عبد اللطف الخطیب و شرکائه. جو میرے سامنے ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

"و قتل ابو ثمامة الصائدی ابن عم له کان عدوّا له ثم صلوا الظهر صلی بهم الحسین صلوة الخوف". (طبری ج ۶ ص ۲۵۲)

اس کا ترجمہ جو مجھے کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ: "ابوثمامہ صائدیؓ نے قتل کیا اپنے ایک چچازاد بھائی کو جو اُن کا دشمن تھا۔ پھر نماز ظہر ہوئی امام حسین علیہ السلام نے اصحاب کے ساتھ نماز خوف کے طور پر نماز ادا کی"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابوثمامہؓ نماز ظہر میں شریک ہوئے۔ اسی لیے میں ابوثمامہؓ کو نماز ظہر کے بعد کے مقتولین میں درج کر رہا ہوں۔

مؤلف ابصار العین نے ابوثمامہؓ کو نماز ظہر میں تو شریک قرار دیا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد ابوثمامہؓ نے امامؑ سے عرض کیا کہ: "فرزند رسولؐ اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں سے جا کر ملحق ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں باقی رہ جاؤں اور آپؑ میرے سامنے شہید ہو جائیں"۔

امامؑ نے فرمایا: "اچھا! آگے بڑھو ہم بھی تمھارے بعد آتے ہیں"۔

ابوثمامہؓ آگے بڑھے اور کچھ دیر جنگ کی یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گئے اس کے بعد اُن کے الفاظ یہ ہیں:

"فقتله قیس بن عبد الله الصائدی ابن عم له کان له عدوّا و کان ذلك بعد قتل الحُر"

اُن کو قیس بن عبداللہ صائدی اُن کے چچازاد بھائی نے جو اُن کا دشمن تھا شہید کیا اور یہ حُرؓ کے شہید ہونے کے بعد کا واقعہ ہے"۔ (ابصار العین ص ۷۰)

یہ طبری کے گذشتہ فقرے سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں ابوثمامہ صائدیؓ مقتول ہیں اور اُن کا چچازاد بھائی قاتل اور طبری کی عبارت اصل میں یوں ہونا چاہیے کہ:

"قتل اباثمامة الصائدی ابن عم له"۔ الخ۔

اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ پھر اس کے بعد کہیں ابوثمامہ کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس صورت میں یہ درست نہیں ہے کہ ابوثمامہ نماز ظہر میں شریک ہوئے اور نماز کے بعد شہید ہوئے بلکہ تاریخ صراحت کر رہی ہے کہ یہ نماز ظہر سے قبل کا واقعہ ہے اور نماز اس کے بعد ہوئی ہے۔

79۔ جونؓ (غلام ابوذر غفاریؓ)

نام و نسب:

جون بن حوی بن قتادة بن الاعور بن ساعدة بن عوف بن کعب بن حوی مولی ابی ذر الغفاری۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۳۸)

طبری کے مطبوعہ نسخے میں اس واقعے کے ذیل میں جو امام زین العابدینؑ کی زبانی آئندہ ذکر ہوگا "حوی مولی ابی ذر" لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ زیارت شہداء جو ناسخ میں درج ہے اس میں ہے:

"السلام علی عون بن حوی مولی ابی ذر الغفاری۔"

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴)

یہ بھی بظاہر چھاپہ کی غلطی ہے۔ ابن شہر آشوب نے "عمرو بن مطاع جعفیؓ" کی جنگ کے بعد لکھا ہے:

"ثم برز جوین بن ابی مالک مولی ابی ذر مرتجزا کیف تری الفجار ضرب الاسود"۔۔۔ الخ۔

(یعنی) "پھر جوین بن ابی مالکؓ جو ابوذرؓ کے غلام تھے میدان جنگ میں آئے یہ رجز پڑھتے ہوئے کہ "دیکھو! فاسق و فاجر لوگ کس طرح دیکھیں گے شمشیر زنی کو ایک حبشی غلام کی۔"

(مناقب ج ۴ ص ۹۵)

یہ ایک بہت بڑا اشتباہ ہے جس کی طرف میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے

"جون بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی" اصحاب امام حسین علیہ السلام میں سے

ایک بزرگوار تھے جو حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے،
صاحب مناقب نے اُن کو جون غلام ابی ذر کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔

ابتدائی حالات:

جون حبشی تھے اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب کی ملکیت میں تھے، امیر المومنین علیہ السلام نے ڈیڑھ سو اشرفی کو اُنھیں ادا کر کے جونؓ کو خرید فرمایا اور ابوذر غفاریؓ کو ہبہ کیا کہ اُن کی خدمت کریں۔ وہ جناب ابوذرؓ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ اُنھیں ربذہ کی طرف شہر بدر کیا گیا۔ باوفا غلام اُن کے ساتھ گیا۔ جب ۳۲ھ میں ابوذرؓ کا انتقال ہو گیا تو وہ مدینہ واپس آ گئے اور امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں رہنے لگے اور حضرتؑ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام اور پھر امام حسین علیہ السلام کے پاس رہے۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۳۸)

کربلا کے حالات میں جونؓ کا تذکرہ عاشور سے قبل نویں محرم کی شام کے حال میں ملتا ہے جسے امام زین العابدینؑ نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی جناب زینبؑ میری تیمارداری میں مصروف تھیں اس وقت میرے پدر بزرگوار اپنے اصحاب سے علیحدہ ایک اکیلے خیمے میں تشریف رکھتے تھے اور آپؑ کے پاس جونؓ غلام ابوذر غفاریؓ تھے جو آپؑ کی تلوار پر صیقل کر رہے تھے اُس وقت یہ اشعار حضرتؑ نے پڑھے:

يا دهراف لك من خليل
كم لك بالاشراق والاصيل (الخ)

(طبری ج ۶ ص ۲۳۴)

اس پورے درد انگیز واقعے کو میں نے "معرکہ کربلا صفحہ ۵۲ تا ۵۷" میں لکھا ہے۔

طلب رخصت اور امامؑ سے گفتگو:

روز عاشور جب جنگ کے شعلے بلند ہو گئے تو جونؓ نے امامؑ سے جہاد کی اجازت مانگی۔ حضرتؑ نے فرمایا: "میں تمھیں خصوصیت سے اجازت دیتا ہوں کہ تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ اس لیے کہ تم ہمارے ساتھ راحت کے لیے آئے تھے، اب ہماری وجہ سے کوئی

ضرورت نہیں کہ تم مصیبت میں مبتلا ہو"

وفادار غلام امامؑ کے قدموں پر گر پڑا اور بوسے دینے لگا۔ عرض کیا:

"فرزند رسول! یہ کیسے ہو سکتا ہے راحت کے زمانے میں تو آپؑ کے یہاں کے پیالے چاٹوں اور سختی میں آپؑ کا ساتھ چھوڑ دوں۔ خدا کی قسم! میرے جسم سے بدبو آتی ہے اور میرا حسب و نسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ آپؑ اپنے صدقے میں مجھے جنت کا مستحق بنا دیجیے کہ میری بو خوشبو سے بدل جائے اور میرا حسب و نسب شریف ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے، بخدا! میں آپؑ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون آپؑ لوگوں کے سفید خون میں مل نہ جائے۔"

آخر امامؑ نے جہاد کی اجازت دی۔ (ناسخ التواریخ ج۶ ص ۲۷۲)

جنگ اور شہادت:

بہادر غلام میدان جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھنا شروع کیا:

کیف تری الفجار ضرب الاسود

بالمشرفی و القنا المدد

یذب عن آل النبی احمد

"ذرا گناہگار لوگ دیکھیں تو ایک سیاہ غلام کی جنگ کو شمشیر و نیزہ کے ساتھ جب کہ وہ آل رسول ﷺ کی امداد میں مصروف ہے"۔

اُس نے جنگ کی اور شہادت حاصل کی۔ (ابصار العین ص ۱۰۵)

امامؑ کی دعا:

حضرتؑ کے دل میں غلام کے الفاظ اثر کر گئے تھے، آپؑ لاش پر تشریف لائے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا کی کہ:

"اللّٰھم بیّض وجھه وطیّب ریحه واحشره مع الابرار وعرّف بینه وبین

محمد و آلہ۔

''پروردگار اس کے چہرے کو روشن کردے اور اس کی بد بو کو خوشبو سے مبدل کردے اور اسے اچھے آدمیوں کے ساتھ محشور فرما اور اس میں اور محمد و آل محمد علیہم السلام کے درمیان شناسائی قرار دے''۔

شیخ صدوق نے خصال میں امام محمد باقرؑ کی زبانی امام زین العابدینؑ کی حدیث درج کی ہے کہ جب بنی اسد شہداؑ کو دفن کرنے قتل گاہ میں آئے تو جونؑ کے جسم سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۳۸)

80۔ غلام ترکی

نام:

''غلام ترکی'' کی شہادت امامؑ کے ساتھ اکثر کتب میں مذکور ہے لیکن اُس کے نام کی تعین انتہائی دشوار ہے، ابن شہر آشوب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ:

"روی انّه برز غلام ترکی للحسین علیہ السلام وجعل یقول"

''روایت میں ہے کہ ایک ترکی غلام امام حسین علیہ السلام کا میدان جنگ میں آیا اور وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

اس میں نہ تو اُس کا نام ہے اور نہ کچھ ابتدائی حالات۔

علامہ مجلسیؒ نے عبداللہ و عبدالرحمٰن غفاریینؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے:

ثم خرج غلام ترکی للحسین علیہ السلام و کان قاریا للقران فجعل یقاتل و یرتجز و یقول.

''پھر ایک ترکی غلام حضرت کا میدان میں نکلا جو حافظ قرآن تھا وہ جنگ کرنے لگا اور یہ رجز پڑھ رہا تھا۔ (بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۹۹)

اس سے اتنا زیادہ معلوم ہوا کہ وہ حافظ قرآن تھا۔

سپہر کاشانی نے اتنا لکھا ہے کہ:

حسین علیہ السلام را غلام ترکی بود۔ در بحر اللئالی مسطور است کہ آں غلام را سید الشہدا علیہ السلام ابتیاع نمود و بفرزند خود زین العابدین علیہ السلام ہبہ فرمود"۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۵)

اس میں بھی نام مذکور نہیں ہے اتنا پتا چلتا ہے کہ اُسے حضرتؑ نے خرید فرما کر اپنے فرزند امام زین العابدین علیہ السلام کو ہبہ کیا تھا۔

علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ:

اسلم بن عمرو مولی الحسین وقد ذکر اهل السیر و المقاتل انه عه اشتراه بعد وفاة اخیه الحسن ووهبه لابنه علی بن الحسین و کان ابوه عمرو ترکیا و کان اسلم کاتبا عند الحسین فی بعض حوائجه فلمّا خرج الحسین من المدینة الی مکّه کان اسلم ملازما له حتّی اتیٰ معه کربلا فلمّا کان الیوم العاشر وشبّ القتال استاذنه وکان قاریًا للقران۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۲۵)

اس سے حسب ذیل خصوصیات کا پتا چلتا ہے:

(۱) اُس کا نام اسلم بن عمرو ہے (۲) امام حسین علیہ السلام نے اس کو حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد خرید فرمایا تھا اور اپنے فرزند زین العابدینؑ کو ہبہ کیا تھا (۳) اُن کے والد عمرو ترکستان کے رہنے والے تھے (۴) وہ امامؑ کے پاس خطوط وغیرہ کی کتابت کا کام انجام دیتا تھا (۵) وہ حافظ قرآن بھی تھا۔

اس آخری خصوصیت کی بنا پر میں نے اُس کا ذکر حفاظ قرآن کے حالات میں بھی کیا ہے۔ (تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اوّل ص ۱۶۱)

شیخ محمد سماوی نے اسلم بن عمرو کو بھی درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے غلام تھے اور اُس کے والد ترکی تھے۔ وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

امیری حسین و نعم الامیر
سرور فؤاد البشیر النذیر

"میرے امیر حسین علیہ السلام ہیں اور وہ بہترین امیر ہیں جو پیغمبر خدا کے دل کے چین ہیں"
وہ جنگ کر کے زخمی ہوئے اور زمین پر گرے۔ امامؑ اُس کے سرہانے آئے اور اُس کو گلے سے لگایا اور اپنا رخسارہ اُس کے رخسارے پر رکھا۔ وہ مسکرائے اور جان بحق تسلیم ہوئے۔
(ابصار العین ص ۵۳۔ ۵۴)

اس کے بعد پھر عنوان قائم کیا ہے:

"واضح الترکی مولی الحارث المذحجی السلمانی"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا نام "واضح" تھا۔ وہ لکھتے ہیں وہ ترکی غلام بہادر تھا اُور حافظ قرآن تھا اُور حارث سلمانی کی ملکیت تھا اور جنادہ بن حارث کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں آیا تھا جیسا کہ صاحب حدائق وردیہ نے لکھا ہے۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ یہی "واضح" وہ ہے جس کے متعلق اہل مقاتل نے لکھا ہے کہ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"البحر من ضربی وطعنی یصطلی"...الخ۔ (ابصار العین ص ۸۵)

میں پہلے اس کا تتبع کر چکا ہوں مگر اس کی صحت میں شک ہوتا ہے اس بنا پر کہ اُس قافلے میں جو "عذیب الہجانات" میں امامؑ کی خدمت میں آیا تھا کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ جنادہ بن حارث سلمانی کے ساتھ اُن کا کوئی غلام بھی تھا۔ ہاں! بیشک عمرو بن خالد صیداویؒ کا غلام سعدؒ اُن کے ساتھ تھا جس کا تذکرہ ماسبق اوراق پر گزر چکا ہے۔

غلام ترکی کے متعلق تمام ناقلین اس کے پہلے تقریباً متفق ہیں کہ وہ امام حسین علیہ السلام کا غلام تھا۔ ان کے مقابلے میں "حدائق وردیہ" ایسی مجہول کتاب پر جو ایک زیدی المذہب مصنف کی تالیف ہے اعتماد مشکل ہے۔ اگر وہ جنادہ بن حارث کا غلام ہوتا تو اُسی ابتدائی موقع پر جس میں اُس قافلے کے تمام افراد اجتماعی طور پر جنگ کر کے شہید ہوئے تھے یہ بھی شہید ہوتا مگر ایسا

نہیں ہے۔اُس کی شہادت کے بعد امامؑ نے جو برتاؤ اُس کے ساتھ کیا ہے وہ بھی ایک خاص خصوصیت کا پتا دیتا ہے۔

جنگ اور شہادت:

اس بنیاد پر کہ امامؑ نے یہ غلام اپنے فرزند زین العابدینؑ کو ہبہ کر دیا تھا۔روضۃ الاحباب کی یہ روایت بالکل قرین قیاس ہے جب امامؑ سے اُس نے اجازت جہاد مانگی تو حضرتؑ نے فرمایا کہ: ”خیمے میں جا کر سید سجادؑ سے اجازت حاصل کرو“۔غلام گیا اور امام زین العابدینؑ سے اجازت حاصل کی پھر تمام اہل حرم کو سلام رخصت کر کے وہ میدان جنگ میں آیا۔(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۵)

اُس نے یہ رجز پڑھنا شروع کیا:

البحر من طعنی و ضربی یصطلی
و الجو من نبلی و سھمی یمتلی
اذا حسامی فی یمینی ینجلی
ینشق قلب الحاسد المبجل

”سمندر میں میرے نیزہ و شمشیر کی گرمی سے آگ لگ جائے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے مملو ہو جائے، جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمکتی ہے مغرور و حاسد کا دل شگافتہ ہو جاتا ہے“۔

اُس نے جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔(مناقب ج ۴ ص ۹۵)

امام زین العابدین علیہ السلام کو جو معلوم ہوا کہ آپؑ کا غلام مصروف کارزار ہے تو آپؑ کو اُس کی جنگ دیکھنے کا اتنا اشتیاق ہوا فرمایا کہ: ”خیمے کی قنات سامنے سے ذرا ہٹا دی جائے“ اور آپؑ اُس کی جنگ ملاحظہ فرماتے رہے۔(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۶)

کچھ دیر لڑنے کے بعد وہ زخمی ہو کر گرا امامؑ نے یہ قدر فرمائی کہ آپؑ سرہانے تشریف لائے اور اُس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اپنا رخسارہ اس غلام کے رخسارے پر رکھا۔غلام نے آنکھ کھولی اور امامؑ کی اس عزت افزائی کا مشاہدہ کیا تو لبوں پر مسکراہٹ آئی اور روح جسم سے

مفارقت کر گئی۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۲۵)

81۔ انس بن حارث اسدیؓ

نام و نسب:

انس بن حارث بن نبیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ اسدی کاہلی۔ (ابصار العین ص ۵۵)

"بنو کاہل" "قبیلۂ بنی اسد" کی ایک شاخ تھی اور "دودان" بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ تھی، اُس کا نام بھی حالات کے ذیل میں آپ کی نظر سے گذرے گا۔

زیارت شہدأ میں جو تحفۃ الزائر میں درج ہے اور جسے سپہر کاشانی نے بھی نقل کیا ہے۔ اُن کا نام اس طرح ہے:

"السلام علی انس بن کاہل الاسدی"۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۱۴)

یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ عرب میں کبھی انسان کی نسبت بحیثیت ولدیت اُس کے دادا یا پردادا کی طرف دیدی جاتی ہے۔ جیسے علما میں (۱) ابن شہر آشوب یعنی محمد بن علی بن شہر آشوب (۲) ابن بابویہ یعنی محمد بن علی بن موسیٰ بن بابویہ (۳) ابن طاؤس یعنی علی بن موسیٰ بن الحسن بن طاؤس وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح انس بن حارث بن نبیہ بن کاہل کو انس بن کاہل کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زیارت میں جن کا تذکرہ ہے وہ کوئی اور نہیں ہیں بلکہ وہی ہیں جن کا مؤرخین ومحدثین نے ذکر کیا ہے لیکن آپ کو داد دینا ہوگی، صاحب ناسخ کی تاریخی باریک نگاہی کی کہ اُنھوں نے انس بن کاہل کو اُن اشخاص کی فہرست میں درج کیا ہے جنھیں مؤرخین ومحدثین میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا ہے اور اُن کا نام صرف اس زیارت ہی میں وارد ہوا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

ابن شہر آشوب قرہ بن قرہ غفاریؒ کے بعد لکھا ہے کہ:

"مالک بن انس کاہلی میدان جنگ میں آئے"۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

صاحب ناسخ نے بھی اس کا تتبع کیا ہے مگر آخر میں لکھا ہے کہ:

"ابن نما گوید نام ایں مجاہد مالک بن انس نیست بلکہ انس بن حارث الکاہلی است"۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۶۳)

غنیمت ہے کہ صاحب ناسخ نے ہلال بن نافع اور نافع بن ہلال کی طرح ان دونوں ناموں کے دو شخص قرار نہیں دیئے بلکہ یہ سمجھ گئے کہ یہ انس بن حارث کاہلیؓ ہی ہیں جنھیں غلطی سے مالک بن انس کاہلی لکھا گیا ہے۔

مناقب میں جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اس طرح کی غلطیاں بہت ہیں۔

صحابیت:

ابن عبد البر قرطبی نے اُنھیں اصحاب رسولؐ میں درج کیا ہے۔

(استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۱ ص ۴۷)

حافظ ذہبی نے بیشک اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ:

"لاصحبۃ لہ وحدیثہ مرسل قال المزی لہ صحبۃ فوھم"

"اُنھیں صحبت رسول کا شرف نہیں حاصل ہے اور اُن کی حدیث مرسل ہے۔ مزی کا یہ کہنا کہ وہ صحابی تھے درست نہیں ہے"۔ (تجرید اسماء الصحابہ مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۱)

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے بہت قوت کے ساتھ اس سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ: "اُن کی حدیث مرسل کیسے قرار دی جاسکتی ہے جبکہ اس میں صاف مذکور ہے "سمعت رسول اللہ" (یعنی) "میں نے خود حضرت رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا"۔ اُنھیں صحابہ میں بہت سے لوگوں نے ذکر کیا ہے جیسے بغوی، ابن سکن، ابن شاہین، دغولی، ابن زبیر، باوردی، ابن مندہ، ابونعیم وغیرہ۔ (اصابہ ج ۱ ص ۶۸)

ابن اثیر جزری کا بیان ہے کہ: "ابواحمد عسکری بھی اُن کے صحابی ہونے سے متفق ہیں"۔

(اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۳)

خبر شہادت:

اشعث بن سحیم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ مجھ سے انس بن الحارث نے بیان کیا کہ:

سمعت رسول اللہﷺ یقول: ان ابنی ھذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لھا کربلا فمن شھد ذلک منکم فلینصرہ۔

''میں نے حضرت رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ میرا فرزند یعنی حسینؑ زمین کربلا پر قتل ہوگا۔ جو شخص تم میں سے اس موقع پر موجود ہو وہ اس کی نصرت کرے''۔

یہ روایت اصابہ اور اسد الغابہ میں نقل کی گئی ہے اور استیعاب و تجرید اسماء الصحابہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

شہادت:

یہ امر کہ وہ کربلا میں شہید ہوئے بالکل متفقہ حیثیت رکھتا ہے ابن عبد البر نے استیعاب میں اس کی تصریح کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ:

قال البخاری انس بن الحارث قتل مع الحسین بن علی۔(علیہما السلام)

''بخاری کا قول ہے کہ انس بن حارث حسین بن علی (علیہما السلام) کے ساتھ قتل ہوئے''۔

مذکورہ بالا حدیث درج کرنے کے بعد اسی کے راوی کی زبانی درج کیا ہے کہ:

فخرج ابن الحارث الی کربلا فقتل بھا مع الحسین۔

''اسی کا نتیجہ تھا کہ انس بن حارثؓ کربلا گئے اور وہاں حسینؑ کے ساتھ قتل ہوئے''۔

اسد الغابہ میں بھی یہ موجود ہے یہاں تک کہ ذہبی جو اُن کی صحابیت کے منکر ہیں اس امر سے متفق ہیں کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے ہیں۔

ہمارے علما میں سے شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں اصحاب رسول اللہ علیہ السلام میں

اُن کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"انس بن الحارث قتل مع الحسین علیہ السلام".

"انس بن حارث امام حسین علیہ السلام کے ساتھ قتل ہوئے"

زیارت شہداؑ میں بھی جن الفاظ میں اُن پر سلام مذکور ہے وہ اس سے پہلے درج ہو چکا ہے۔

علامہ مامقانی یہ روایت درج کرتے ہیں کہ وہ بہت کبیر السن تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدر و حنین میں شریک ہو چکے تھے۔ جب روز عاشورا انھیں اجازت جہاد حاصل ہوئی تو اُنھوں نے عمامہ سے اپنی کمر چست باندھی اور اپنی بھوؤں کو جو آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اونچا کر کے رومال سے باندھا۔ امامؑ اُن کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور دعائے خیر دے رہے تھے "شکر اللہ لک یا شیخ!"۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۵۴)

فاضل ساوی لکھتے ہیں کہ وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

قد علمت کاھلھا و دودان

و الخندفیون و قیس عیلان

بان قومی افة الاقران

"قبیلۂ کاہل اور دودان کے لوگ اور خندف اور قیس عیلان سب واقف ہیں کہ میری قوم کے بہادر میدان جنگ میں ہمسروں کے لیے بلائے جان ثابت ہوتے ہیں۔

(ابصار العین ص ۵۶)

یہ وہی رجز ہے جو کچھ اضافے کے ساتھ مالک بن انس کاہلی کی زبانی ناسخ میں درج ہوا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۳)

مگر یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مالک بن انس شہدائے کربلا میں کوئی شہید نہیں تھے۔

یہ انس بن حارثؓ ہی کا ذکر ہے جو غلطی سے اس نام کے ساتھ درج ہوا ہے۔

وہ جنگ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

کمیت بن زید اسدی شاعر نے حبیب بن مظاہرؓ کے ساتھ اُن کا تذکرہ اپنے شعر میں

اس طرح کیا ہے:

سوی عصبة فیھم حبیب معفر

قضی نحبه و الکاهلی مرمّل

"(یعنی)" اس کے علاوہ بہت سے لوگ جن میں ایک حبیبؓ تھے جو خاک وخون میں آلودہ ہو کر جان بحق تسلیم ہوئے۔ اور کاہلیؒ تھے جو خون میں آغشتہ ہوئے"۔

(ابصار العین ص ۵۶)

82۔ حجاج بن مسروق جعفیؒ

جعف بن سعد العشیرہ کی اولاد میں سے کوفہ کے معزز شیعہ تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور جب امام حسین علیہ السلام مکۂ معظمہ میں اقامت گزین ہوئے تو یہ کوفہ سے جا کر مکۂ معظمہ میں حضرتؑ کے ہمراہ رکاب ہوئے اور اوقاتِ نماز میں اذاں کی خدمت انجام دینے لگے۔ (ابصار العین ص ۸۹)

بعض لوگوں نے اُنھیں "رکاب دار" بھی کہا ہے یعنی مرکب حاضر کرنا اور سواری کا اہتمام بھی اُن کے سپرد تھا۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۰)

جب امام مکۂ معظمہ سے عراق کے ارادے سے روانہ ہوئے تو وہ وہیں سے امامؑ کے ساتھ ساتھ تھے راستے کے واقعات میں اُن کا ذکر ملتا ہے۔

خزانۃ الادب الکبریٰ میں لکھا ہے کہ جب امامؑ قصرِ بنی مقاتل پہنچے۔ حضرتؑ نے ایک خیمہ دیکھا جس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن حر جعفی کا ہے حضرتؑ نے حجاج بن مسروق جعفیؒ اور یزید بن مغفل جعفیؒ کو اُن کے پاس بلانے کے لیے بھیجا یہ دونوں آدمی گئے پیغام پہنچایا اور پھر اُس کا جواب لائے جس کے بعد امامؑ خود عبیداللہ سے ملاقات کو تشریف لے گئے اس وقت بھی یہ دونوں شخص حضرتؑ کے ساتھ ساتھ تھے۔ (ابصار العین ص ۸۹۔ ۹۰)

اُس موقع پر جب حُر کے لشکر سے ملاقات ہوئی ہے نماز ظہر کا وقت آیا اُس وقت بھی

اس کی صراحت موجود ہے کہ امامؑ نے حجاج بن مسروق جعفیؒ کو اذان دینے کا حکم دیا۔

(طبری ج ۶ ص ۲۲۸)

روز عاشورا انھوں نے امامؑ سے اذن جہاد حاصل کیا، میدان میں جا کر رجز پڑھا بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۵)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام موجود ہے:

"السلام علی الحجاج بن مسروق الجعفی"

83۔ زیاد بن عریب ہمدانیؒ

حافظ بن حجر عسقلانی نے اصابہ میں اُن کا نام ونسب اس طرح لکھا ہے کہ:

"ابو عامر زیاد بن عمرو بن عریب بن حنظله بن دارم بن عبدالله بن کعب الصائد الهمدانی"

اور یہ تصریح کی ہے کہ وہ حسین بن علی علیہ السلام کے ساتھ واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے اور اُن کے والد کو خدمت رسولؐ میں حضوری کا شرف حاصل تھا۔ (اصابہ ج ۳ ص ۱۱۶)

مؤلف ابصار العین نے اُن کا نسب اس طرح لکھا ہے کہ:

"زیاد بن عریب بن حنظلة بن دارم بن عبد الله بن کعب الصائد بن شرحبیل بن شراحیل بن عمرو بن جشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عوف بن همدان ابو عمرة الهمدانی الصائدی"

اس میں اور پہلی روایت میں اتنا اختلاف ہے کہ وہاں اُن کی کنیت ابو عامر مذکور ہے اور یہاں ابو عمرہ۔ وہاں عریب ان کے دادا کا نام تھا اور یہاں والد کا۔ وہاں کعب الصائد کے آگے جس کی طرف صائدی کی نسبت ہے سلسلۂ نسب مذکور نہ تھا یہاں ہمدان تک مذکور ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ عریب صحابی تھے اور تمام طبقات رجال میں مذکور ہیں اور ان کے فرزند ابو عمرہ کو جو شہدائے کربلاؒ میں ہیں ادراک رسولؐ یعنی کمسنی میں زیارت رسولؐ کا شرف

حاصل کیا تھا اور حافظ ابن حجر کا یہ بیان ہے کہ ان کے والد عمرو بن عریب کو ادراک رسول کا درجہ حاصل تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود ان کا سن اتنا نہ تھا۔ زیادؒ بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار، تہجد گزار اور شجاعت میں بڑے پایۂ بلند تھے۔ روز عاشور سخت جنگ کرنے کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (ابصار العین ص ۸۰)

84۔ سالم بن عمرو بن عبداللہ مولٰی بنی المدینۃ الکلبیؒ

"بنو المدینہ" "قبیلہ کلب قضاعہ" کی ایک شاخ تھی، مدینہ اُن کی والدہ کا نام تھا جس کی طرف اُن کی نسبت ہے۔ زید بن حارثہ صحابی اور محمد بن سائب کلبی صاحب تفسیر بھی اسی نسل سے تھے۔

سالمؒ اسی خاندان کے غلام تھے اور شیعیان کوفہ میں محسوب تھے۔ جناب مسلمؑ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے اور مسلمؑ کی شہادت کے بعد گرفتار کیے گئے مگر کسی طرح موقع پا کر نکل گئے اور اپنی قوم میں مخفی ہو گئے۔ جب امام حسین علیہ السلام کی کربلا پہنچنے کی خبر سنی تو قبیلۂ کلب کے لوگوں کے ساتھ کربلا آئے اور امام حسین علیہ السلام کے انصار میں داخل ہوئے اور روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۵)

ابصار العین میں ہے:

قال السروی قتل فی اوّل حملۃ مع من قتل من اصحاب الحسینؑ

"سروی نے کہا کہ:" وہ حملۂ اولیٰ میں دیگر اصحاب حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے"۔

(ابصار العین ص ۱۰۸)۔

"سروی" سے مراد بظاہر صاحب مناقب ہیں اس لیے کہ ان کا نام ہے "محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی"۔ مگر مناقب میں ان کا نام "حملۂ اولیٰ" کے شہداء کی فہرست میں مجھ کو نظر نہیں آیا۔

صاحب ناسخ نے حملۂ اولیٰ کے شہداء کی فہرست بالکل مناقب کے تتبع کے ساتھ لکھی

ہے اس میں بھی ان کا نام نہیں ہے بلکہ صاحب ناسخ نے ان کو ان شہداؑ کی فہرست میں درج کیا ہے جن کو مورخین ومحدثین نے ذکر نہیں کیا۔ اور ان کے نام صرف زیارت شہداؑ میں وارد ہوئے ہیں۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۹)

اس لیے میں نے شہدائے کربلاؑ میں ان کا نام حملہ اولیٰ کے شہداؑ میں داخل نہیں کیا۔

زیارت شہداؑ میں ان پر حسب ذیل الفاظ میں سلام مذکور ہے کہ:

"السلام علی سالم مولی بنی المدینة الکلبی"

85۔ سعد بن حارثؓ مولیٰ امیر المومنین علیہ السلام

وہ جناب امیرؑ کے غلام تھے، حضرتؑ کے بعد امام حسن علیہ السلام اور پھر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں رہے (ابصار العین ص ۴)۔

علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ انھوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا بھی ادراک کیا اور امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں وہ پولیس کے محکمے میں افسر تھے اور آپؑ نے اُن کو آذربائجان کا حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۲)۔

وہ امامؑ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ میں حضرتؑ کے ساتھ ہوئے اور پھر کربلا آئے اور روز عاشورا اپنی جان امامؑ پر نثار کی۔

ابصار العین میں ہے کہ وہ حملۂ اولی میں شہید ہوئے۔ پھر صراحۃً مناقب ابن شہر آشوب کا حوالہ دیا ہے مگر مناقب میں ان کا ذکر حملۂ اولیٰ کے شہدا میں موجود نہیں ہے۔ بیشک! امیر المومنین علیہ السلام کے حالات میں انھوں نے آپؑ کے غلاموں کی فہرست میں لکھا ہے کہ: "سعد اور نصر دو غلام آپؑ کے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے" (مناقب ج ۳ ص ۱۶۲)۔

مگر حملۂ اولیٰ کی خصوصیت ثابت نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے ماسبق ان کو اس فہرست میں درج نہیں کیا۔

86۔ عمر بن جندب حضرمیؓ

شیعیان کوفہ میں سے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جمل اور صفین میں شریک ہوئے۔ ۵۱ھ میں جب حجر بن عدیؓ کا واقعہ درپیش ہوا تو یہ اُن کے اعوان میں محسوب تھے اور اس لیے جب وہ گرفتار کر کے شام بھیجے گئے تو یہ بھاگ کر مخفی ہو گئے یہاں تک کہ زیاد بن ابیہ ہلاک ہوا اُس وقت یہ کوفہ واپس ہوئے۔

جب جناب مسلمؑ کوفہ میں آئے تو اُنھوں نے مسلمؑ کی اعانت کی اور جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد مخفی طور پر امامؑ کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرتؑ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۲۷)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام موجود ہے

صاحب ناسخ نے اُن کا نام اُن شہداؑ کے ذیل میں درج کیا ہے جن کو مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں اُن کا نام مذکور ہے۔

87۔ قعنب بن عمرو النمریؓ

شیعیان بصرہ میں سے تھے۔ حجاج بن زید سعدی کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں آئے اور روز عاشور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۲۵)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام کیا گیا ہے۔

بیشک! اُن کے نام کے ساتھ کی نسبت میں بعض نسخوں میں بڑا اختلاف ہے ابصار العین میں ''نمری''، تنقیح المقال میں ہے ''نمیری''، زیارت شہداؑ کے ایک نسخے میں ہے ''تملی'' ناسخ میں جو یہ زیارت درج کی ہے وہاں ہے ''تمری'' اور اُن کا نام اُن شہداؑ کی فہرست میں جو لکھا کہ جنھیں مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے مگر زیارت میں اُن کا نام مذکور ہے تو وہاں ''تمیری'' لکھا ہے۔

88۔ یزید بن ثبیط العبدیؒ

ان کے دو فرزندوں عبداللہؒ اور عبیداللہ بن یزید بن ثبیطؒ کا تذکرہ اس سے پہلے آیا ہے جن کے نام کے ساتھ ''قیسی'' لکھا ہے۔ زیارت شہداؑ میں خود یزیدؒ کے نام کے ساتھ ''قیسی'' ہے، بعض کتابوں میں اُنھیں ''القیسی العبدی'' لکھا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ قبیلۂ قیس عیلان سے نہ تھے بلکہ قبیلۂ عبدقیس سے تھے۔ اس لیے نسبت میں کبھی پہلے جزو کا لحاظ کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرے جزو کا۔

یزید بن ثبیطؒ شیعیان بصرہ میں سے تھے اور ابوالاسود دوئلی (شاگرد امیرالمومنینؑ) کے مصاحبین میں سے تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے بارادۂ عراق روانہ ہوئے ابن زیاد نے بصرہ کے گورنر کو یہ خط لکھا کہ: ''بصرہ کے لوگوں سے ہوشیار رہنا کوئی شخص نصرت حسین علیہ السلام کے لیے جانے نہ پائے''

مگر بصرہ میں عبدقیس کے قبیلے کی ایک خاتون ماریہ بنت منقذ بڑی پختہ شیعہ تھی۔ اُسی کا مکان شیعیان بصرہ کے اجتماع کا مرکز تھا۔ یزید بن ثبیطؒ نے امامؑ کی نصرت کا ارادہ کیا۔ اُن کے دس فرزند تھے جن کو اُنھوں نے اپنے ساتھ چلنے کی ترغیب دی۔ دو اُن میں سے تیار ہوئے۔ عبداللہ بن ثبیطؒ اور عبیداللہ بن ثبیطؒ جب ان کے ساتھیوں کو جو اُس مکان میں جمع ہوتے تھے معلوم ہوا۔ سب نے اُن کو خوف دلایا اور کہا کہ: ''نکلنا مشکل ہے''۔

مگر مجاہد راہ خدا کا ارادہ مستحکم تھا اُس نے جواب دیا کہ: ''جب میرے قدم باہر نکل گئے تو پھر میرا ملنا غیر ممکن ہے'' کچھ اور لوگ بھی اُن کے ساتھ ہو گئے۔

امامؑ عراق کے راستے میں ''ابطح'' کی منزل پر وارد ہوئے تھے جب یہ لوگ اُس مقام پر پہنچے اور امامؑ کے خیمے کی طرف شرف ملاقات حاصل کرنے کے لیے گئے۔ امامؑ خود یہ سن کر کہ یہ لوگ آئے ہیں ملنے کے لیے دوسرے راستے سے اُن کے جائے قیام پر تشریف لیجا چکے

تھے اور جب اُنھیں نہ پایا تو وہیں انتظار کے لیے بیٹھ گئے تھے، یہ لوگ مایوس ہو کر واپس ہوئے تو امامؑ کو اپنے ہی یہاں بیٹھا پایا۔ اُس وقت کی ان کی خوشی کا اندازہ غیر ممکن ہے۔

اُنھوں نے یہ آیت پڑھی:

بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴿یونس:۵۸﴾

یعنی "خدا کے فضل و رحمت سے مومنین کو خوش ہونا چاہیے"۔

اس کے بعد امامؑ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور عزم نصرت کا اظہار کیا۔ امامؑ نے دعائے خیر دی۔

روز عاشور یہ اپنے دونوں فرزندوں سمیت درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۸)

اُن کے دونوں فرزند عبد اللہؒ اور عبید اللہؒ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے اور یزید خود اُس کے بعد جنگ کر کے شہید ہوئے۔ (ابصار العین ص ۱۱۱)

89۔ یزید بن زیاد بن مہاصر ابوالشعثاء کندی بہدلیؒ

"بنو بہدلہ"، "قبیلۂ کندہ" کی ایک شاخ تھی۔ ابوالشعثاء اسی جماعت میں سے ہیں۔ وہ شیعیان کوفہ میں سے شریف، بہادر اور جنگ آزما تھے۔ امامؑ کی خدمت میں حُرؑ کی ملاقات سے پہلے پہنچے اور پھر ہمراہِ رکاب رہے۔ (ابصار العین ص ۱۰۲)

جب حُرؑ کی فوج نے امامؑ کی مزاحمت کی اور آخر یہ طے پایا کہ ایک ایسے راستے پر روانگی ہو جو نہ کوفہ جاتا اور نہ مدینہ پہنچتا ہو اور قافلہ روانہ ہوا اور نینوا کے حدود تک پہنچا تو ایک سوار کوفہ کی طرف سے آیا جو ابن زیاد کا خط حُرؑ کے نام لایا تھا۔ یہ مالک بن نسیر بدی تھا۔

یزید بن زیاد بن مہاصر نے جو اس شخص کو دیکھا تو پہچانا چونکہ وہ بھی قبیلۂ کندہ کا شخص تھا اس لیے انھوں نے اُس سے کہا کہ: "یہ تو نے کیا غضب کیا۔ اس کام کے لیے تو آیا ہے؟"۔

اُس نے کہا: "میں نے تو اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے"

ابوالشعثاء نے کہا: "تو نے خدا کی تو نافرمانی کی اور اپنے امام (ابن زیاد) کی اطاعت

کی اور اپنے نفس کی ہلاکت کا سامان مہیا کیا اور ہمیشہ کے لیے ننگ و عار اور آتش جہنم کا مستحق بنا"

خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿القصص: ۴۱﴾

"کچھ ایسے امام ہیں جو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت اُن کی کوئی فریاد رسی نہیں ہوگی"

"بیشک! تیرا امام ایسا ہی ہے"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۲)

اس کے ساتھ طبری کی یہ روایت عجیب ہے کہ وہ عمر سعد کے ساتھ کوفہ سے اُس فوج میں شامل ہو کر آئے تھے لیکن جب امام حسین علیہ السلام کے پیش کردہ صلح کے شرائط مسترد کیے گئے تو وہ آ کر امام حسین علیہ السلام سے مل گئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۵)

وہ بہت بڑے تیرانداز تھے۔ اپنے گھٹنے ٹیک کر وہ امامؑ کے سامنے بیٹھ گئے۔

طبری کے مطبوعہ نسخے میں ہے:

"فرمی بمائة سهم ما سقط منها خمسة اسهم"

"اُنھوں نے سو تیر پھینکے جن میں سے پانچ تیروں نے خطا نہیں کی"

اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پچانوے تیروں نے خطا کی یہ بالکل عجیب بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے بعد لکھا ہے:

"فلما رمى بها قام فقال ما سقط منها الا خمسة اسهم ولقد تبين لي انی قد قتلت خمسة نفر"

"جب وہ تیر لگا چکے تو کھڑے ہو گئے اور کہا کہ بس پانچ تیروں نے خطا کی ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ میں نے پانچ آدمی قتل کیے"

یہ عبارت بالکل بے معنی قرار پاتی ہے۔ مؤلف ابصار العین نے طبری ہی کا تتبع کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اُنھوں نے سو تیر لگائے جن میں سے پانچ نے خطا نہیں کی اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ صرف پانچ نے خطا کی یہ عبارتیں متضاد ہیں۔

حقیقت منکشف ہوتی ہے اس مقام پر سپہر کاشانی کی عبارت سے اُنھوں نے لکھا ہے:
"اورا ہشت چوبہ تیر در کنانہ بود این جملہ را بسوئے اعدا کشاد دار،
پنج چوبہ تیر از سہام او خطانہ کرد و پنج تن را بخاک افگند"۔
(ناسخ التواریخ ج ٦ ص ٢٧٦)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری میں چھاپے کی غلطی سے "ثمانیۃ" کے بجائے "مائۃ" ہو گیا ہے۔

ہر مرتبہ تیر پھینکنے کے وقت وہ یہ شعر پڑھتے تھے:

انا ابن بہدلہ
فرسان العرجلہ

(یعنی) "میں قبیلہ بہدلہ کا شخص ہوں جو میدانِ جنگ کے شہسوار ہیں"

امام اُن کو دعا دیتے تھے کہ:

"اللھم سدد میتہ واجعل ثوابہ الجنۃ"۔

خداوندا! تیر کو نشانے پر پہنچانا اور اُس کا اجر و ثواب جنت قرار دینا"

جب تیر ختم ہو گئے تو وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھنے لگے:

انا یزید و ابی مھاصر
اشجع من لیث بغیل خادر
یارب انّی للحسین ناصر
و لابن سعد دارك و ھاجر

"میں یزید ہوں اور میرے والد مہاصر تھے۔ میں شیر بیشہ سے زیادہ بہادر ہوں۔ خداوندا! گواہ رہنا کہ میں حسین کا مددگار رہوں اور ابن سعد سے بے تعلقی اختیار کرنے والا ہوں"۔
(طبری ج ٦ ص ٢٥٥)

آخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

صاحب ناسخ جن کی تاریخی عجائب آفرینیاں آپ کے سامنے بہت آچکی ہیں اُنھوں نے اس مقام پر کمال کر دیا ہے۔ اُنھوں نے سب سے پہلے لکھا ہے:

"یزید بن زیاد بن شعثا بمیدان مبارز آمد" الخ
(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۶)

پھر اسی صفحے میں ابوعمرو نہشلی کی جنگ کے بعد لکھا ہے:

"انگاه یزید بن مهاجر که ابوالشعثاء کنیت داشت از مردم بنی بهدله از طائفه کنده بمیداں آمد" الخ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۶)

پھر اس کے ایک صفحے بعد اُن لوگوں کی فہرست میں جو بحار وغیرہ عام کتابوں میں مذکور نہیں ہیں لکھا ہے:

"نخستین زیاد مصاهر الکندی است عبدالله بن محمد رضا الحسینی در جلد دویم جلاء العیون از مولفات خود می نویسد که بعد از مالک بن انس زیاد بن مصاهر الکندی بر لشکر ابن سعد حمله کرد" ۔الخ۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۷)

اب آپ دیکھیے کہ ابوالشعثاء کنیت کے بجائے پہلی جگہ شعثاء دادا کا نام قرار دیا گیا اور دوسری جگہ مہاصر کے بجائے مہاجر قرار دے کر والد کے نام کے بجائے دادا کا نام رکھا گیا اور تیسری جگہ مہاصر کو بغیر کسی غلطی کے ولدیت میں ذکر کیا گیا اور صاحب ناسخ کا ذہن اس طرف کسی طرح منتقل نہ ہوا کہ یہ سب ایک ہی شخص کے نام کی تبدیلیاں ہیں بلکہ اُنھوں نے تین مختلف شہید قرار دے لیے۔

90۔ یزید بن مغفل جعفی کوفیؒ

امیرالمومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور آپؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے جزیث بن راشد ناجی نے جب سرزمین اہواز میں خروج کیا تھا تو امیرالمومنین علیہ السلام نے مغفل بن قیس کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا۔ اُس میں یزید بن مغفل میمنہ فوج کے سردار مقرر

ہوئے تھے (ابصار العین ص ۹۱)۔

مرزبانی نے معجم الشعراء میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ تابعین میں محسوب ہیں۔ اُن کے والد صحابہ میں سے تھے۔ اُنھوں نے روزِ عاشور امام حسین علیہ السلام کی نصرت کی وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے

ان تنکرونی فانا ابن المغفل
شاك لدی الهیجآء غیرا عزل
فی یمینی نصف سیف منصل
اعلو به الفارس وسط القسطل

''اگر نہ پہچانتے ہو مجھے تو پہچان لو کہ میں مغفل کا فرزند ہوں۔ میدان جنگ کا شہسوار اور مکمل اسلحہ رکھنے والا ہوں۔ میرے ہاتھ میں تیز شمشیر رہتی ہے جس کو میں غبار جنگ کے اندر شہسوار دشمن کے سر پر بلند کرتا ہوں''۔

حافظ بن حجر عسقلانی نے مرزبانی کے حوالے سے ان اشعار کو نقل کیا ہے۔

(اصابہ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۶۷۷)

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام مذکور ہے مگر چھاپہ اور کتابت کی غلطی سے کہیں تو ''بدر بن معقل جعفی'' ہے۔ اور کہیں ''زید بن معقل جعفی''۔

91۔ رافع بن عبداللہؓ مولیٰ مسلم الازدیؓ

مسلم بن کثیر اعرجؓ کا ذکر ''حملۂ اولیٰ'' کے شہداؑ میں ہو چکا ہے۔ رافع انہی کے غلام تھے، اپنے مالک کے ساتھ کربلا میں آئے اور بعد ظہر جنگ کر کے شہید ہوئے۔

(ابصار العین ص ۱۰۸۔۱۰۹ و تنقیح المقال ج ۱ ص ۴۲۲)

92۔ بشر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی الکندیؒ

وہ اصل میں حضرموت کے رہنے والے تھے لیکن کوفہ میں محلۂ بنو کندہ میں قیام رکھتے تھے اس لیے کندی کہے جاتے تھے جب کربلا میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی اُس زمانے میں وہ آ کر انصار امامؑ میں شامل ہوئے۔

روز عاشورا اُنھیں خبر پہنچی کہ اُن کا فرزند عمرو رے کی سرحد میں قید ہو گیا ہے۔ کہا: ''خدا پر چھوڑتا ہوں میں اس کو بھی اور اپنے تئیں بھی۔ بیشک! اگر مجھے زندہ رہنا ہوتا تو یہ پسند نہ کرتا کہ وہ قید رہے''۔

امامؑ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ: ''تم میری بیعت سے آزاد ہو۔ جاؤ اور اپنے فرزند کی رہائی کی فکر کرو''۔

باوفا مجاہد نے کہا کہ: ''مجھے جیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپؑ سے جدا ہوں۔ یہ بھلا کہاں ممکن ہے؟''

حضرتؑ نے فرمایا: ''اچھا! اپنے فرزند محمد کو بھیج دو اور یہ قیمتی کپڑے لو۔ ان کی قیمت سے اُس کی رہائی کا سامان مہیا کرو''

حضرتؑ نے پانچ کپڑے مرحمت کیے جن کی قیمت ہزار اشرفی کے قریب تھی۔

(ابصار العین ص ۱۰۳)

زیارت شہداؑ میں ان کی گفتگو کا ذکر موجود ہے:

"السلام علی بشر بن عمرو الحضرمی شکر اللہ لک قولک للحسین و قد اذن لک فی الانصراف اکلتنی اذن السباع حیا ان فارقتک واسئل عنک الرکبان واخذلک مع قلۃ الاعوان لایکون ھذا ابدا"

''سلام ہو بشر بن عمرو حضرمی پر۔ خدا تمھیں جزائے خیر دے تمھاری اُس گفتگو پر جو تم نے حسین علیہ السلام سے کی اُس وقت جب اُنھوں نے تم کو واپسی کی اجازت دی تم نے کہا کہ: ''مجھے

جیتے جی درندے کھا جائیں اگر میں آپ کو چھوڑوں اور دوسرے آنے جانے والے سواروں سے آپ کا حال دریافت کروں اور آپؑ کی مدد سے خود ہاتھ روکوں اس حالت میں جبکہ آپؑ کے مددگاروں کی تعداد کم ہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا"۔

ابصار العین میں لکھا ہے:

"قال السروی انه قتل فی الحملة الاولی"

(یعنی) "ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ وہ حملۂ اولیٰ میں قتل ہوئے"

مجھے مناقب ابن شہر آشوب سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔

ضحاک بن عبداللہ مشرقی کی روایت میں تصریح ہے کہ:

"قال لما رأیت اصحاب الحسین علیه السلام اصیبوا و قد خلص الیه و الی اهلبیة ولم یبق معه غیر سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی و بشر بن عمرو الحضرمی۔

"اُن کا بیان ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کے سب اصحاب شہید ہو گئے اور اب تنہا وہ اور اُن کے عزیز باقی ہیں اور انصار میں سوائے سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمیؒ اور بشر بن عمرو حضرمیؒ کے اور کوئی نہیں ہے"۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اصحاب میں تقریباً سب کے بعد شہید ہوئے ہیں، تعجب ہے کہ مصنف ابصار العین نے سوید کے حالات میں اسے درج کرنے کے باوجود بشرؒ کے حالات میں اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔

93۔ سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمیؒ

ضعیف العمر، عابد و زاہد اور بڑے نماز گذار تھے۔ لڑائیوں میں بھی شریک ہوئے تھے اور کارنمایاں انجام دے چکے تھے۔ شیخ طوسی نے رجال میں اُن کو اصحاب امام حسین علیہ السلام میں درج کیا ہے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۷۲)

روز عاشورہ وہ شریک جنگ تھے۔ اور ابھی آپ ضحاک بن عبداللہ مشرقی کی روایت میں مطالعہ کر چکے کہ جب سب انصار شہید ہو چکے اُس وقت یہ دو اشخاص باقی تھے۔ بشر بن عمرو حضرمی اور سوید بن عمرو۔ اس کے بعد تاریخ میں یہ صراحت موجود ہے کہ:

"کان آخر من بقی مع الحسین علیہ السلام من اصحابہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی۔"

''سب سے آخر میں جو شخص اصحاب امام حسین علیہ السلام میں حضرتؑ کے ساتھ رہ گئے تھے وہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی تھے''۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۹)

اس سے ظاہر ہے کہ وہ بشر بن عمرو حضرمیؒ کے بعد شہید ہوئے ہیں اسی لیے ابصار العین ص ۱۰۱ میں تصریح کی ہے کہ جب بشر حضرمیؒ شہید ہو چکے تو سوید آگے بڑھے اُنھوں نے جنگ کی اور زخمی ہو کر گرے وہ اتنے بے حال تھے کہ سب سمجھے اُن کا کام تمام ہو گیا اور روح جسم سے مفارقت کر چکی ہے۔ مگر اُن میں جان باقی تھی۔ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو اُنھیں ہوش آیا اور اُن کے کان میں آواز گئی کہ ''حسین علیہ السلام قتل ہو گئے''۔ وہ بیتاب ہو کر اُٹھے اُن کی تلوار لوگ لیجا چکے تھے ایک چھرا موجود تھا۔ اُنھوں نے اُس سے پاس والے جو دشمن تھے اُن پر حملہ کیا۔ آخر دشمن ٹوٹ پڑے اور اُن کا سر جسم سے جدا کیا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۶۰)

maablib.org

بعض دوسرے شہداؑ کے نام جو مختلف کتابوں میں درج ہیں۔

مذکورۂ بالا شہداؑ وہ ہیں جن کے نام زیارت شہداؑ میں درج ہیں یا مستند کتب اخبار و تواریخ سے اُن کی شہادت کی واقعۂ کربلا میں تصدیق ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ شہدا کے نام ہیں جو بعض کتابوں میں درج ہیں، میرے نزدیک وہ پورے طور سے ثابت نہیں ہیں اس لیے میں اُن کے اسما حروف تہجی کی ترتیب سے لکھنے کے ساتھ اُن کی مختصر کیفیت اس کتاب کے حوالے سے جس میں اُن کا حال ہے درج کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

1۔ ابراہیم بن الحصین الاسدیؓ

ابن شہر آشوب نے ابوثمامہ صائدیؓ کے بعد اُن کی جنگ کا ذکر کیا ہے۔

(مناقب جلد ۴ ص ۹۶)

سپہر کاشانی نے اُن اصحاب کی فہرست میں جن کا نام بحار وغیرہ میں نہیں ہے اُن کو "ابراہیم بن الحسین" کے نام سے درج کیا ہے۔ اور ابومخنف نے لوط بن یحیٰی کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

ہمانا یحیی از اصحاب امیر المومنین علیہ السلام است و پسرش لوط که مکنی بابی مخنف است در شمار اصحاب حسن و حسین علیہما السلام است چوں حاضر ایں مواقع بود چہ انچہ رادیدہ و آنرا کہ شنودہ یکبارہ خالی از صحت نبایدد انست۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۷)

اب اس محققانہ استدلال پر میں کیونکر اعتماد کروں جس کا کوئی ایک جزو بھی صحیح نہیں ہے۔

ابومخنف لوط بن یحیٰی ازدی کا پورا نام جو تاریخ سے ثابت ہے وہ یہ ہے:

-لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف بن سلیم الغامدی۔

ان کے پردادا مخنف بن سلیم غامدی وہ تھے جو صحابی تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں ''قبیلۂ ازد'' کے رایت کے حامل تھے اور انھوں نے ۔۶۴ھ میں سلیمان بن صرد خزاعی وغیرہ کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے سلسلے میں شہادت پائی۔(اصابہ ج ۳ص ۳۹۲)

رہ گئے ابو مخنف لوط بن یحییٰ وہ غالباً اُس وقت دنیا میں موجود بھی نہ تھے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے عہد کا ادراک کیا مگر یہ بھی ثابت نہیں ہے۔(الشیعہ وفنون الاسلام ص ۶۷)

پھر اس کی بنیاد کیا باقی رہتی ہے کہ وہ خود واقعۂ کربلا میں موجود تھے اور اپنے چشم دید واقعات لکھے ہیں اس لیے قابل قبول ہیں؟

پھر ابو مخنف کے اصل مقتل کا دنیا میں وجود بھی نہیں ہے۔

بحار وغیرہ میں اُس کے حوالے سے کتب قدیمہ کے واسطے سے روایات درج ہیں لیکن یہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ ابراہیم بن الحسین کا ذکر بحار میں نہیں ہے۔

2۔ابوالحتوف الانصاریؓ

''حدائق وردیہ'' میں جو ایک زیدی المذہب مصنف کی تالیف ہے اس میں اُن کا ذکر ہے۔اُن کے بھائی سعد بن الحارث الانصاری اور وہ۔دونوں لشکر عمر سعد میں تھے اور خوارج کے فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب شہید ہو چکے تو حضرتؑ نے آواز استغاثہ بلند کی اور اہل حرم میں نالہ وفریاد کا شور برپا ہوا۔بس ان دونوں بھائیوں کو تاب نہ رہی اور یہ تلوار کھینچ کر فوج اہل کوفہ سے لڑنے لگے اور جان بحق تسلیم ہوئے۔(ابصار العین ص ۹۴)

3۔ ابو عمرو نہشلیؒ

سپہر کاشانی نے یزید بن زیاد بن شعثاء کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے اور ابن نما کی مہران موٹی بنی کاہل کی زبانی یہ روایت درج کی ہے کہ روز عاشورا میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مثل شیر کے حملہ کر رہا تھا اور رجز پڑھ رہا تھا، میں نے نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ "ابو عمرو نہشلی" ہے آخر ایک شخص نے جو قبیلۂ بنی تیم اللات سے جس کا نام تھا عامر بن نہشل اُن پر حملہ کیا اور شہید کیا۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۶)

مؤلف ابصار العین نے ابن نما کی عبارت کا یہ اقتباس زیاد بن عریب بن حنظلۃ الصائدی الہمدانی کے حال میں درج کیا ہے اس بنا پر کہ اُن کی کنیت ابو عمرۃ تھی اور انھوں نے روایت کے الفاظ یہ درج کیے ہیں کہ میں نے نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ "ابو عمرۃ الحنظلی" ہے اس صورت میں "ابو عمرو نہشلی کی" اصلیت کچھ باقی نہیں رہتی۔

4۔ احمد بن محمد الہاشمیؒ

ابن شہر آشوب نے عمرو بن قرظہ انصاری کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے۔

(مناقب ج ۴ ص ۹۶)

ہاشمی سے مراد اگر یہ ہو کہ وہ بنی ہاشم سے تھے تو اعزائے امامؑ کے سلسلے سے بالکل علیحدہ اصحاب کے ذیل میں اُن کا داخل ہونا عجیب ہے پھر بنی ہاشم میں کس شاخ سے وہ متعلق تھے اس کا پتا نہیں۔

5۔ انیس بن معقل اصبحیؒ

ابن شہر آشوب نے جونؑ موٹی ابی ذرؓ کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے۔

(مناقب ج ۴ ص ۹۵)

سپہر کاشانی نے اُن اصحاب کی فہرست میں جن کا ذکر بحار وغیرہ میں نہیں ہے۔ اعثم

کوفی کے حوالے سے اُن کا تذکرہ کیا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۸)

6۔ خالد بن عمرو بن خالد ازدیؓ

''عمرو بن خالد اسدی صیداویؓ'' کا تذکرہ اس کے پہلے ہو چکا ہے ''اسدی'' کے بجائے ابن شہر آشوب نے ''ازدی'' درج کیا ہے اور عمرو بن خالد ازدیؓ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اُن کا فرزند خالد میدانِ جنگ میں آیا۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۴)

سپہر کاشانی نے بھی اس کا تتبع کیا ہے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۵)

لیکن عمرو بن خالدؓ اور ان کے تمام ساتھی جو کوفہ کے راستے میں امامؑ سے آکر ملحق ہوئے تھے نام بنام تاریخ میں مذکور ہیں۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے فرزند بھی اُن کے ساتھ تھے۔ بیشک! اُن کا غلام سعد تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

7۔ سعد بن حارث الانصاریؓ

ان کے بھائی ''ابو الحتوف انصاری کے'' ذکر میں ان کا حال درج ہو چکا ہے۔

8۔ سعید بن حنظلہ تمیمیؓ

ابن شہر آشوب نے خالد بن عمرو ازدی کے بعد اُن کا ذکر کیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۴)

تاریخ روضۃ الصفاج ۲ ص ۵۸۳ میں اور سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۵ میں بھی ان کا حال درج کیا ہے۔

9۔ شبیب بن جراد الکلابی الوحیدیؓ

علامہ مامقانی نے اُن کا حال درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ علمائے سیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ کوفہ کے بہادر تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کی صحبت سے شرفیاب ہوئے تھے اور لڑائیوں میں

کارنمایاں کر چکے تھے۔ خصوصاً صفین میں اُنھوں نے بڑی جانفشانی سے کام لیا تھا۔

جب جناب مسلمؑ کوفہ میں آئے تو انھوں نے مسلمؑ کی بیعت کی اور امام حسینؑ کی جانب سے بیعت لیتے تھے۔ کربلا میں وہ عمر سعد کی فوج میں آئے اور نویں شب تک وہ اسی لشکر میں تھے۔ جب شمر عمر سعد کے پاس ابن زیاد کا خط لایا اور یہ یقین ہوگیا کہ جنگ ضرور ہوگی۔ تو شب عاشور وہ امامؑ کے پاس جا کر ابوالفضل العباسؑ اور ان کے بھائیوں کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ کیونکہ وہ اُم البنینؑ مادر عباسؑ کے قبیلے سے تھے۔ روز عاشور میدان جنگ میں گئے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۸۰)

اب یہ علمائے سیر کون ہیں جن میں سے کسی ایک سے بھی واقف نہیں ہوں؟ لہٰذا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

10۔ طرماح بن عدیؓ

سپہر کاشانی نے اُن کا ذکر اُن شہداؑ کی فہرست میں کیا ہے جن کا ذکر بحار وغیرہ میں نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں کہ معلّٰی بن معلّٰی کے بعد طرماح بن عدیؓ میدان میں آئے۔ رجز پڑھا۔ جنگ کی اور شہید ہوئے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۷۔۲۷۸)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ طرماح بن عدی اُس جماعت کی دلیل راہ (راستہ بتانے والے رہنما) تھے جو عذیب الہجانات میں امامؑ کے پاس آئی تھی۔ اس کا تذکرہ میں نے پہلے کی کتابوں میں کیا ہے۔

اُنھوں نے امامؑ کو اس امر کی دعوت بھی دی تھی کہ:

"آپؑ اجاء اور سلمی کے پہاڑوں پر چل کر قیام کیجیے۔ وہاں بیس ہزار "قبیلۂ طے" کے سواروں کا میں خود ذمہ دار ہوں کہ وہ آپؑ کی حمایت کریں گے"۔

امامؑ نے انھیں دعائے خیر دی تھی اور اُس مشورے کے قبول کرنے سے معذوری ظاہر فرمائی تھی۔

جس کے بعد طرماح بن عدیؓ یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ "میں نے کوفہ سے کچھ غلہ اپنے اہل وعیال کے لیے خریدا ہے اُسے وہاں پہنچادوں تو پھر آؤں گا۔ اگر آپؑ کے پاس پہنچ گیا تو آپؑ کی مدد کروں گا"۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ: "اگر تمھیں آنا ہی ہے تو جلدی کرنا"۔

طرماح گئے۔ غلہ پہنچایا اور اپنے اہل وعیال سے وصایا کر کے روانہ ہو گئے ان کا بیان ہے کہ میں بنی ثعل کے راستے سے کوفہ کی جانب چلا جب "عذیب الہجانات" میں پہنچا تو سماعہ بن بدر سے ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے مجھ کو حسینؑ کی شہادت کی خبر سنائی میں اُسی جگہ سے واپس ہو گیا۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۱)

11۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنیؓ

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر مسلم بن عوسجہؓ کے بعد کیا ہے (مناقب ج ۴ ص ۹۴، ۹۵) اور روضۃ الصفا ج ۳ ص ۵۸۴ میں سعید بن عبداللہ حنفیؓ کے بعد اُن کا ذکر ہے۔

12۔ علی بن مظاہر اسدیؓ

سپہر کاشانی نے ابومخنف اور شرح شافیہ کے حوالے سے ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۷ میں اُن کا ذکر کیا ہے فہرست میں اُن شہدا کی جو بحار وغیرہ میں درج نہیں ہیں۔ لکھا ہے کہ وہ ابراھیم بن الحسین اسدی کے بعد میدان جنگ میں آئے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

لیکن یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مقتل ابومخنف مفقود ہے اور شرح شافیہ مجہول اور اگر ان کی کوئی حقیقت فرض کی جائے تو وہ حبیب بن مظاہرؓ کے بھائی معلوم ہوتے ہیں لیکن حبیبؓ کے ساتھ اُن کے کسی بھائی کے ہونے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے۔ علی بن مظاہر کے متعلق ایک روایت شب عاشور کی ہے جو ذاکرین کی زبانوں پر مشہور ہے لیکن اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

13۔ عمرو بن مطاع جعفیؓ

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر مالک بن انس کاہلیؓ کے بعد کیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۵) روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۵۸۴ میں بھی اُن کا ذکر موجود ہے سپہر کاشانی نے بھی ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۷۳ میں ان کا ذکر درج کیا ہے

14۔ عمیر بن عبداللہ مذحجیؓ

ابن شہر آشوب نے انھیں سعد بن حنظلہ تمیمیؓ کے بعد درج کیا ہے مناقب ج ۴ ص ۹۴ اور ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۵ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

15۔ قرۃ بن ابی قرۃ الغفاریؓ

ابن شہر آشوب نے اُن کو یحییٰ بن سلیم مازنی کے بعد لکھا ہے مناقب ج ۴ ص ۹۵ اور روضۃ الصفا ج ۳ ص ۵۸۴ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

16۔ مالک بن اوس مالکیؓ

سپہر کاشانی نے اُن شہداء کی فہرست میں جو بحار وغیرہ میں مذکور نہیں ہیں اُن کی شہادت کا تذکرہ اس طرح درج کیا ہے کہ:۔

"دیگر مالک بن اوس المالکی بروایت اعثم کوفی که از بزرگان علمائے اخبار و موثقین راویان آثار است با شمشیر کشیده بمیدان تاخت ---- الخ"

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۸)

اب کس طرح اس کا یقین ہو جبکہ اعثم کوفی جس کو صاحب ناسخ "از بزرگاں علمائے اخبار و موثقین راویان آثار" لکھ رہے ہیں ایک بالکل مجہول شخص ہے جس کی کوئی اصلیت ثابت نہیں ہے۔؟

17۔ مالک بن ودوانؑ

ابن شہر آشوب نے اُن کی شہادت کو غلام ترکیؒ کے بعد ذکر کیا ہے۔
(مناقب ج ۴ ص ۹۵۔۹۶)

ناسخ نے اُن شہداء کی فہرست میں جو بحار وغیرہ میں درج نہیں کیے گئے ہیں جابر بن عروہ غفاریؒ کے بعد لکھا ہے:

"ازپس او مالک بن داؤد حضرت امام علیه السلام راسلام داد و بمیدان شتافت"۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۸)

18۔ محمد بن مطاعؑ

سپہر کاشانی نے شرح شافیہ کے حوالے سے اُن کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔
(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۸)

19۔ معلیٰ بن المعلیٰؑ

شرح شافیہ اور ابو مخنف کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ بڑے بہادر تھے جنگ کرکے زندہ گرفتار کیے گئے اور عمر بن سعد کے پاس لیجائے گئے اُس نے بھی اُن کی بہادری کی تعریف کی اور اُن کے سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۷۷)

20۔ یحییٰ بن سلیم مازنیؒ

اُن کا ذکر ابن شہر آشوب نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنیؒ کے بعد کیا ہے۔
(مناقب ج ۴ ص ۹۵)

اور روضۃ الصفاء ج ۳ ص ۲۸۳ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔

21۔ یحییٰ بن کثیر انصاریؓ

اُن کا ذکر سپہر کاشانی نے کیا ہے اور ابو مخنف اور شرح شافیہ کا حوالہ دیا ہے۔
(تاریخ التواریخ ج ٦ ص ٢٧١)

22۔ یحییٰ بن ہانی بن عروہ مرادیؓ

یہ حضرت مسلمؑ کو پناہ دینے والے ہانی کے فرزند تھے۔

علامہ مامقانی نے اہل سیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ "جب ہانی اور مسلمؑ شہید ہو گئے تو ہانی کے فرزند یحییٰؒ بھاگ کر اپنی قوم کے پاس مخفی ہو گئے۔ جب انھیں امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں ورود کی اطلاع ہوئی تو کربلا آ کر حضرتؑ کے ہمراہ ہو گئے اور روز عاشور شہید ہوئے"۔
(تنقیح المقال ج ٣ ص ٣٢٢)

اہل سیر سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہ راز سربستہ ہے

طبری کی روایت سے بالکل اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے اُس میں ان کی زبانی روایت درج ہے جو واقعۂ کربلا سے متعلق ہے۔

ہشام بن محمد کلبی کہتے ہیں کہ: "مجھ کو ابو مخنف نے اطلاع دی اُن سے یحییٰ بن ہانی بن عروہ نے بیان کیا کہ نافع بن ہلال روز عاشور جنگ کر رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

"انا الجملی انا علی دین علی۔
(تاریخ طبری ج ٦ ص ٢٤٩)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعۂ کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔

یہ وہ بائیس شہداءؑ کے نام ہیں جو مختلف کتابوں میں درج ہیں جن کی حقیقت پر مجھے ابھی بھروسا نہیں ہے ممکن ہے مجھے اس کے بعد بعض ناموں کے متعلق بھروسہ پیدا ہو جائے تو میں اُنھیں شہداءؑ کی فہرست میں داخل کر دوں۔

اعزہ واقاربِ امامؑ میں

کربلا کا سب سے پہلا شہید

عام طور سے بنی ہاشم میں سب سے پہلے فرزندان مسلمؑ کی شہادت کا تذکرہ ہوتا ہے اور سب سے آخر میں جناب علی اکبرؑ کے میدان جنگ میں جانے کا تذکرہ کیا جاتا ہے مگر تاریخ اور حدیث دونوں کی معتبر شہادت کی بنا پر میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید جناب علی اکبرؑ ہیں۔ اسی خیال پر میں نے ''اسوۂ حسینیؑ'' میں زور دیا ہے۔ اور اسی کو ''مجاہدہ کربلا'' میں درج کیا ہے اور اسی پر اب بھی قائم ہوں۔

طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:

"کان اوّل قتیل من بنی ابی طالب یومئذ علی الاکبر بن الحسین بن علی"

''سب سے پہلے مقتول اُس دن ابوطالبؑ کی اولاد میں سے علی اکبرؑ ہیں جو حسین بن علیؑ کے فرزند تھے''

ابصار العین میں ہے کہ:

"قال ابوالفرج وغیرہ و کان اول من قتل بالطف من بنی ہاشم بعد انصار الحسین علیہ السلام علی بن الحسین علیہما السلام"

صاحب اغانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ''انصار امام حسین علیہ السلام کے بعد واقعۂ کربلا میں سب سے پہلے بنی ہاشم میں سے جو شہید ہوئے وہ علی بن حسین علیہما السلام ہیں''

شیخ ابن ادریس حلی نے سرائر میں لکھا ہے کہ:

"ھو اوّل قتیل فی الواقعۃ یوم الطف من آل ابی طالب علیہ السلام"

''وہ سب سے پہلے مقتول ہیں واقعۂ کربلا میں ابوطالبؑ کی اولاد میں سے''

اورعلامہ سید محسن امین عاملی ''اعیان الشیعہ ج ۲ صفحہ ۲۳'' میں لکھتے ہیں کہ:

"ھو اول قتیل یوم کربلاء من ال ابی طالبؑ"

اس کے علاوہ زیارت شہداؑ میں جو علامہ مجلسی کی تحفۃ الزائر میں سولھویں زیارت ہے جناب علی اکبرؑ کے متعلق یہ الفاظ ہیں کہ:

"السلام علیک یا اوّل قتیل من نسل خیر سلیل من سلالۃ ابراھیم الخلیل"

''سلام ہو آپؑ پر اے سب سے پہلے مقتول بہترین شخص کی اولاد ابراہیم خلیلؑ میں سے''

ان تصریحات کی موجودگی میں، میں اُس روایت کے قبول کرنے سے قاصر ہوں جو مناقب ابن شہر آشوب وغیرہ میں درج ہے اور جس کو شہرت عام کا درجہ حاصل ہو گیا ہے کہ جناب علی اکبرؑ واقعۂ کربلا میں سب سے آخر میں شہید ہوئے ہیں۔

1۔ حضرت علی اکبر علیہ السّلام

نام ونسب اور لقب:

آپ کا نام علی ہے اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ والدہ آپؑ کی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود بن معبد الثقفی تھیں اور لیلیٰ کی والدہ میمونہ بنت ابی سفیان بن حرب تھیں اس طرح جناب علی اکبرؑ والد کی طرف سے تو بنی ہاشم تھے اور والدہ کی طرف سے قبیلۂ ثقیف میں داخل تھے اور آپؑ کی والدہ امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کی بھانجی اور بادشاہ وقت یزید بن معاویہ کی پھوپھی زاد بہن ہوتی تھیں اس لحاظ سے جناب علی اکبر کو موافق اور مخالف سب عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپؑ کی عظمت کا احساس کرتے تھے۔

عام طور سے آپؑ کے نام کے ساتھ ''اکبر'' کا لفظ بطور لقب مستعمل ہوتا ہے اس لیے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپؑ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ مگر اس معاملے میں شہرت

اس کے خلاف ہے یعنی عام طور سے یہ مشہور ہے کہ واقعۂ کربلا میں آپؑ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اور آپؑ اپنے بھائی امام زین العابدین علیہ السلام سے چھوٹے تھے۔ اس صورت میں آپؑ کے نام کے ساتھ "اکبرؑ" کے لفظ کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آپؑ بہ نسبت علی اصغرؑ کے جو طفل ششماہہ تھے بڑے ہیں اور اُن کے لحاظ سے اکبر کہے جاتے ہیں۔

اچھا! پھر آیئے دیکھیں کہ حقیقت اس مسئلے میں کیا ہے؟

سب سے پہلے ہمارے سامنے شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الارشاد آتی ہے جس میں "جناب علی اکبرؑ کو "علی اصغرؑ" کے نام سے یاد کیا ہے اور علی اکبر امام زین العابدین علیہ السلام کو قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"للحسین ستة اولاد علی بن الحسین الاکبر کنیة ابو محمد و امه شاه زنان بنت کسریٰ یزدجرد و علی بن الحسین الاصغر قتل مع ابیه بالطف و امه ام لیلیٰ بنت ابی مرة بن عروة بن مسعود الثقفیة ۔۔۔۔ الخ"

یعنی "امام حسین علیہ السلام کے چھ فرزند تھے۔ پہلے علی بن حسین "اکبر" آپؑ کی کنیت ابو محمد ہے اور آپؑ کی والدہ شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد تھیں۔ اور دوسرے علی بن حسین "اصغر" آپؑ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے اور آپؑ کی والدہ امّ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں"۔

شیخ طوسیؒ نے کتاب الرّجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام کے ذیل میں جناب علی اکبرؑ کا تذکرہ کیا ہے تو ان ہی الفاظ میں:

"علی بن الحسین الاصغر قتل معه امه لیلیٰ ۔۔۔۔ الخ"

"علی بن حسین اصغر آپؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔ آپؑ کی والدہ لیلیٰ تھیں ۔۔۔ الخ"۔

سید ابن طاؤس کا قول بھی ربیع الشیعہ سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ علی بن الحسین الاکبر زین العابدینؑ ہیں جن کی والدہ شاہ زنان دختر کسریٰ یزدجرد تھیں اور علی اصغرؑ تھے جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے اور لوگ غلطی سے آپؑ ہی کو علی اکبرؑ کہتے ہیں"۔

علامہ حلی نے خلاصۃ الرجال میں بھی اسی کا تتبع کیا ہے اور کہا ہے کہ:

"علی بن الحسین الاصغر قتل معه بالطف"

""علی بن حسینؑ اصغر ہیں جو کربلا میں حضرتؑ کے ساتھ شہید ہوئے""

دوسری طرف شیخ ابن ادریس حلی اس سے شدید اختلاف رکھتے ہیں اُنھوں نے سرائر کی کتاب المزار میں اس پر مستقل طور سے بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"" یہ تاریخی مسئلہ ہے۔ اس میں علما و فقہا کے اقوال سے زیادہ مؤرخین اور علمائے انساب کے بیانات معتبر ہیں۔ جیسے زبیر بن بکار، کتاب انساب قریش میں اور ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین میں اور بلاذری اور مزنی لباب فی اخبار الخلفاء میں اور عمری نسابہ کتاب المجدی میں اُنھوں نے اس کی پوری تحقیق کی ہے اور کہا ہے کہ: "ناواقف افراد کا یہ خیال ہے کہ علی جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں وہ چھوٹے تھے۔ یہ بالکل غلطی اور توہم ہے"۔

اور یہی قول صاحب کتاب الزواجر والمواعظ نے اور ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں۔ اور ابن جریر طبری نے جو اس بارے میں ایک محقق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ابن ابی الازہر نے اپنی تاریخ میں اور ابوحنیفہ دینوری نے اخبار طوال میں اور صاحب کتاب الفاخر نے جو ہمارے علمائے امامیہ میں سے تھے جن کا ذکر شیخ طوسی کی کتاب فہرست مصنفین میں موجود ہے اور ابوعلی ابن ہمام نے کتاب الانوار میں جو اہلبیتؑ کے حالات اور ولادت و شہادت کی تاریخ میں ہے اور وہ ہمارے علما میں سے صاحب تصنیف اور محققین کے زمرے میں داخل ہیں۔ یہ سب اسی قول پر متفق ہیں۔ اور ان کا قول زیادہ مستند ہے اور آخر ہمارے نقطۂ نظر سے اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے علی بڑے ہوں اور وہ علی جو امام ہیں اپنے پدر بزرگوار کے بعد چھوٹے ہوں؟ آخر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ بھی تو اپنے پدر بزرگوار کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے آپؑ کے درجے میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔

شہید اول نے اپنے دروس میں اس سے اتفاق کیا ہے اور جناب علی اکبرؑ کی زیارت

کے حکم کے بعد لکھا ہے:

"وھو الاکبر علی الاصح"

"آپؑ بنا بر قول اصح سب سے بڑے تھے"۔

ابن شہر آشوب نے بھی مناقب ج ۳ ص ۸۱ میں تحریر کیا ہے:

"ابناؤہ علی الاکبر الشھید امه برۃ بنت عروۃ بن مسعود الثقفی و علی الامام وھو علی الاوسط و علی الاصغر وھما من شھر بانویه"

"امام حسینؑ کے فرزند پہلے علی اکبر جو کربلا میں شہید ہوئے۔ دوسرے علی جو امام ہیں آپ علی اوسط تھے یعنی اپنے بھائیوں میں منجھلے تھے اور علی اصغر یہ دونوں شہر بانو کے بطن سے تھے"۔

میرے خیال میں ایک محتاط فیصلہ کرنے والے کے اس اختلاف میں پاؤں ٹھٹک جائیں گے اور وہ کوئی رائے قائم نہ کر سکے گا۔

ایک طرف شیخ مفید، شیخ طوسی، سید ابن طاؤس اور علامہ حلی ایسے جلیل القدر مجتہدین ہیں اور دوسری طرف ابن ادریس۔ شہید اول اور ابن شہر آشوب اور وہ کثیر التعداد مورخین جن کا حوالہ ابن ادریس نے دیا ہے۔ اگرچہ مجھے ان تمام مورخین کے بیانات کے متعلق پورے طور پر اطمینان نہیں ہے کہ اُنھوں نے اس معاملے میں صراحت سے کام لیا ہوگا جبکہ مذکورہ بالا حوالوں میں طبری کا نام بھی موجود ہے۔ لیکن تاریخ طبری میں اس امر پر کوئی واضح تبصرہ نہیں ہے۔ سوائے اُن الفاظ کے جو پہلے درج ہو چکے ہیں کہ: "کان اول قتیل من بنی ابی طالب یومئذ علی الاکبر بن الحسین بن علی" اس میں آپؑ کے نام کے ساتھ اکبر موجود ہے، مگر میں کہہ چکا ہوں کہ یہ یقینی دلیل اس متنازع فیہ مسئلے کے متعلق نہیں ہے جبکہ آپؑ کے نام کے ساتھ اکبر عام طور پر مشہور ہے حالانکہ عموماً آپؑ کو امام زین العابدین علیہ السلام سے چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ اس صورت میں اکبر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپؑ کربلا میں نشانۂ تیر ستم ہونے والے علی اصغرؑ سے بڑے ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔ ممکن ہے اسی شہرت کی بنا پر طبری میں "اکبر" کا لفظ آپؑ

کے نام کے ساتھ درج کر دیا گیا ہو؟ کیا ممکن نہیں ہے کہ دوسرے مورخین کی کتابوں میں بھی صرف اتنا ہی ہو جیسے شیخ ابن ادریس نے اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے؟

ولادت:

آپ کا سن واقعۂ کربلا میں اٹھارہ برس مشہور ہے۔ اس صورت میں آپؑ کی ولادت ۴۳ھ میں قرار پاتی ہے اور یہ وہ وقت تھا جب امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت ہو چکی تھی اور حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام امام خلق تھے۔

اور چونکہ امام زین العابدین کی ولادت بزمانۂ امیر المومنین علیہ السلام ہونا مسلم ہے اس لیے یقیناً آپؑ امام زین العابدین علیہ السلام سے چھوٹے ہوں گے۔ اسی بنا پر آقا شیخ عبداللہ مامقانی نے "تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۸۱" میں آپؑ کے سن ہی کو مذکورہ بالا مسئلے میں فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

مما ملأت به كتب السير و الاشعار ان عمره الشريف عند شهادته ثمانية عشر سنة فيكون اصغر من السجاد علیہ السلام بخمس او ست او سبع سنين۔

"کتب سیر اور اشعار بھرے پڑے ہیں اس سے کہ آپؑ کی عمر شہادت کے موقع پر اٹھارہ برس کی تھی۔ لہٰذا آپؑ حضرت سجادؑ سے پانچ چھ یا سات برس چھوٹے تھے"۔

مگر ظاہر ہے کہ آپؑ کی عمر کا اٹھارہ برس ہونا اُس شہرت کی بنا پر ہے کہ آپؑ امام زین العابدین علیہ السلام سے چھوٹے ہیں۔ جو لوگ آپؑ کو امام سجادؑ سے بڑا سمجھتے ہیں وہ آپؑ کی عمر بھی اتنی تسلیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ ابن ادریس حلیؒ سرائر میں لکھتے ہیں کہ:

"آپؑ خلافت عثمان میں پیدا ہوئے ہیں اور آپؑ نے اپنے جد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے احادیث کی روایت بھی کی ہے اور اسی زمانے میں شعرا آپؑ کی مدح میں اشعار بھی نظم کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ابو عبیدہ اور خلف احمر جو دو بڑے ادیب تھے۔ اُنھوں نے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے فرزند علی اکبرؑ جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں اُن کی مدح میں کہے گئے ہیں"۔

یہ اشعار بعد میں نقل کیے جائیں گے۔

اب چونکہ عثمان کی خلافت ۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے۔اس لیے اگر آپؑ کی ولادت بالکل آخری دور میں اس خلافت کے قرار دی جائے۔تب بھی امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپؑ کی عمر کم از کم چھٹے برس میں ہوتی ہے اور پھر ۵۰ھ میں امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے وقت ۱۵ برس۔پھر واقعۂ کربلا میں جو ۶۱ھ کے شروع میں ہوئی۔۲۶ یا کم از کم ۲۵ برس۔اسی لیے دوسرا قول آپؑ کی عمر کے متعلق یہی ہے،جیسا کہ ابن شہر آشوب نے آپؑ کی جنگ اور شہادت کے حالات میں لکھا ہے:

"تقدم علی بن الحسین الاکبر وھو ابن ثمان عشرۃ سنۃ ویقال ابن خمس وعشرین"

''علی اکبرؑ فرزند امام حسین علیہ السلام میدان جنگ میں آئے اور آپؑ کی عمر اٹھارہ برس اور بقولے پچیس برس تھی''۔

اگرچہ ابن شہر آشوب کی تحقیق کی بنا پر کہ آپ امام زین العابدین علیہ السلام سے بڑے ہیں جس کی صراحت اس کے پہلے اُن کے کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں۔یہ دوسرا قول پہلے نقل ہونا چاہیے تھا اور پہلے قول کو قول غیر کی صورت سے نقل ہونا چاہیے تھا۔مگر یہ علامہ ابن شہر آشوب کے اس طرح کے مسامحات ہیں۔جن کی مثال مناقب میں کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

اب اگر ابن ادریس کے اس بیان پر نظر ڈالیے کہ آپؑ نے اپنے جد بزرگوار امیرالمومنین علیہ السلام سے احادیث کی روایت کی ہے اور اُسی زمانے میں شعرا آپؑ کی مدح میں اشعار نظم کرنے لگے تھے اور وہ اشعار جیسا کہ آپ دیکھیں گے اس طرح کے نہیں ہیں جو کسی بچے پر منطبق ہو سکیں بلکہ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح ایک کامل مرد ہے اور اس صورت میں اگر آپ کی عقل اس کو قبول نہ کر سکے کہ آپؑ کا سن امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے وقت صرف پانچ سال تھا تو آپ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ آپؑ کی عمر شاید اس سے زیادہ تھی اور اس صورت میں واقعۂ کربلا میں آپؑ کی عمر تیس سال کے حدود میں ہوتی ہے جسے بھرپور جوانی کا زمانہ سمجھنا چاہیے مگر اس عمر کی تصریح مجھے

پیش نظر کتابوں میں کہیں دستیاب نہیں ہو سکی۔

اوصاف:

جناب علی اکبر اپنی عمر کی ابتدائی منزلوں ہی سے اُن بلند اوصاف پر فائز تھے جن کے سامنے دوست اور دشمن سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور تھے اور آپؑ کی عظمت کا احساس اپنوں سے آگے بڑھ کر غیروں تک پہنچ چکا تھا اس حد تک کہ شام کے دربار میں اُس کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس حقیقت کو ابوالفرج اصفہانی اموی نے درج کیا ہے کہ:

''ایک روز معاویہ نے اپنے حاضرین دربار سے پوچھا کہ تمھارے نزدیک اس منصب خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟''

مجمع خوشامدیوں کا تھا۔ سب نے کہا: ''آپ''۔

''کہا نہیں! سب سے زیادہ اس کے مستحق حسین بن علیؑ کے فرزند علی ہیں جن کے دادا رسول اللہؐ ہیں اور اُن میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور قبیلۂ ثقیف کی خودداری۔ یہ تمام صفتیں بہم موجود ہیں۔''

اس گفتگو میں اگرچہ اُس متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ موجود ہے خالص ہاشمی خاندان کے افراد کے استحقاق کو تسلیم کرنے سے سدراہ ہوتی ہے اور اس لیے تلاش کیا جاتا ہے ایسے فرد کو جس کا بنی امیہ کے ساتھ بھی کوئی تعلق موجود ہو لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب علی اکبرؑ میں کچھ ایسے اوصاف ضرور موجود تھے جو اس تنگ نظری کی فضا میں بھی ایک ممتاز حیثیت سے نمایاں تسلیم کیے جاتے ہوں۔

یہ بھی آپ علامہ ابن ادریس کی تحریر کے حوالے سے مطالعہ کر چکے ہیں کہ خود امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں جناب علی اکبرؑ کی شان میں شعراء اشعار نظم کرنے لگے تھے۔

وہ اشعار جو اس سلسلے میں نقل کیے گئے ہیں حسب ذیل ہیں:

لم تر عين نظرت مثله

من محتف يمشي و لا ناعل

''کوئی بھی زمین میں اُن کے مثل آنکھوں سے دکھلائی نہیں دیا''۔

یغلی نھیئی اللحم حتّٰی اذا
انضج لم یغل علی الأکل

''اُن کے ضیافت خانے میں مہمانوں کے لیے گوشت برابر پکتا رہتا ہے اور جب پک جاتا ہے تو مہمانوں سے عزیز نہیں کیا جاتا''۔

کان اذا شبت له نارہ
یوقدھا للشرف القائل

''جب اُن کے مہمان خانے کی آگ روشن ہوتی ہے تو اُن کی نمایاں عزت اور بزرگی وہ ہے جو اُس آگ میں حرارت پیدا کرنے والی ہے''۔

کیما یراھا بائس مرمل
او فردحق لیس بالأھل

''اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس آگ کو مصیبت زدہ اور غریب لوگ دیکھیں یا کسی ایسے شخص کی نظر اُس پر پڑ جائے جو بیکس اور بے بس ہے''۔

لا یوثر الدنیاَ علی دینه
و لا یبیع الحق بالباطل

''آپ کبھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے عوض میں فروخت کرتے ہیں''۔

اعنی ابن لیلٰی ذا الشداے والندا ے
اعنی ابن بنت الحسب الفاضل

''میرا مقصود اس سے حضرت لیلٰی کے فرزند ہیں جو صاحب عطا و جود ہیں وہ جو بڑے حسب ونسب والی خاتون کے فرزند ہیں''۔

اس میں ایک طرف حضرت علی اکبرؓ کے جود و سخاوت کا تذکرہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کا ایک مخصوص ضیافت خانہ تھا۔ جہاں مہمانوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ اور اُس مہمان خانے کے لیے بڑے بڑے رؤسائے عرب کے اصولوں کے مطابق رات کے وقت بلندی پر آگ روشن کی جاتی تھی تا کہ اُس آگ کے شعلوں پر دور دور کے لوگوں کی نظریں پڑیں اور وہ سمجھیں کہ یہاں کوئی مہمان خانہ ہے۔ دوسری طرف آپؑ کے احساس دینی اور بے لوث جذبۂ مذہبی کا ذکر ہے کہ آپ کبھی کسی دنیاوی مقصد کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے مقابلے میں کبھی ہاتھ سے جانے دیتے ہیں آخری شعر میں شاعر نے آپؑ کے ننھیالی اعزاز کا تذکرہ کیا ہے اور اُس کو ممتاز الفاظ میں پیش کیا ہے۔

آپؑ کی سخاوت کے متعلق اس سے پہلے حاکم شام معاویہ بن ابی سفیان کی گواہی بھی پیش ہو چکی ہے۔ جہاں اس سخاوت کو بنی امیہ کے خاندان کا اثر قرار دیا گیا ہے۔

مجھے امیر شام کی اُس گفتگو میں جہاں حضرت علی اکبرؑ کے متعلق استحقاق خلافت کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ اور ان اشعار کے لب ولہجہ میں ایک خاص اموی سیاست کارفرما نظر آرہی ہے جو ذرا غائر نگاہ کرنے پر بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے۔

یہ آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ کی والدۂ ماجدہ ننھیالی حیثیت سے خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتی تھیں اور امیر معاویہ کی حقیقی بھانجی تھیں۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں نزاع اور قدیمی آویزش تھی۔ لیکن قدرت نے ہاشمی خاندان کے جن افراد کو خصوصیات عطا کیں تھیں وہ اُن کے مخالفین میں بالکل نایاب تھیں۔ اس لیے انہوں نے یہ مستحکم ارادہ کیا کہ: "جاہل عوام پر زر و جواہر کی بارش سے قابو حاصل کر کے اپنی سلطنت کو سنبھال لیا جائے"۔

یہ اور بات ہے مگر عام طور پر عالم اسلامی میں اہلبیت رسول علیہم السلام کی عظمت کا اعتراف کیا جاتا تھا اور خواص ان بزرگواروں کے کمالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک جماعت ایسی موجود تھی جو ان حضرات کو حکومت و خلافت کا مستحق قرار دیتی تھی اور کم از کم بنی ہاشم میں اس وقت ایسا اتحاد تھا کہ اس بارے میں کوئی اختلافی صدا بلند نہ ہوتی تھی۔

معاویہ کی جانب سے برابر اس کی کوشش ہوتی رہی کہ خود بنی ہاشم میں پھوٹ ڈالی جائے اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی جائے۔ اسی مقصد سے عقیل بن ابی طالبؑ کو حضرت علی علیہ السلام سے الگ کر کے شام میں رکھا گیا اور امیر شام کو بڑی مہنگی قیمت پر یہ سودا کرنا پڑا۔ مگر عقیلؑ شام میں رہ کر بھی علی بن ابیطالب علیہ السلام کی فضیلت اور فوقیت کا اظہار کرتے رہے۔

جناب امیر علیہ السلام کے بعد بنی ہاشم میں متفقہ طور پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی امامت وقیادت تسلیم کی گئی۔ اس دور میں تو اچھا خاصا پروپیگنڈا اسی کے متعلق کیا گیا کہ چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام میں اختلاف کا اظہار کیا جائے۔ اور صلح کے معاملے میں حسین علیہ السلام کی ناراضگی کی خود ساختہ حکایتوں کو طشت از بام کر کے بھائیوں میں رنجش ڈالی جائے، وہی پروپیگنڈا جس کے زیر اثر آج تک بعض اسلامی تاریخوں میں اس طرح کی روایات درج ہیں جن سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ناراضگی اس صلح سے ثابت ہوتی ہے۔ مگر ان دونوں بھائیوں کے گہرے اتحاد پر ان کوششوں کا کوئی اثر نہ پڑا۔ اور امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل نے جو امام حسنؑ کی زندگی میں اور آپؑ کے بعد دس برس تک رہا اس سیاست کو بالکل شکست دے دی۔

اب امام حسین علیہ السلام کا عقد جناب لیلیٰؑ کے ساتھ اور اُن کے یہاں علی اکبرؑ کی ولادت اس نے اموی حکومت کے سیاسی حوصلوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ انھیں یہ خواب دکھائی دینے لگا کہ اب بنی ہاشم کے گھر کے اندر ہمیں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اس لیے کہ خالص ہاشمی خون کے مقابلے میں ایک ایسا فرد بھی اسی گھر میں پیدا ہو گیا ہے کہ جس میں کسی نہ کسی طرح اموییت سے بھی تعلق پایا جاتا ہے۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی ایسے ازدواجی تعلقات پیدا کر دیئے گئے تھے جس کی بنا پر پہلے ہی بنی ہاشم میں دوسرے عناصر کی شرکت کا انتظام ہو جائے مگر یہ قدرت کا ایک معاملہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں کسی ایسی زوجہ سے اولاد ہی نہیں ہوئی۔ اب فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کے یہاں معاویہ کی بھانجی جناب لیلیٰؑ کے بطن سے فرزند کی ولادت ہوئی ہے تو اب وہ تمام منصوبے بروئے کار آنے کا وقت ہے جو ایک ایسے موقع کے منتظر تھے۔ اس کے

لیے جناب علی اکبرؑ کی ولادت کے بعد آپؑ کی کمسنی ہی سے بڑے زور و شور کے ساتھ آپؑ کی ننھیالی خصوصیت کو اُچھالنا شروع کر دیا گیا اور اُس کو اس فخر کے ساتھ ذکر کیا جانے لگا جو تمام بنی ہاشم سے علی اکبرؑ کو ایک علیٰحدہ امتیاز عطا کر دے۔

مذکورہ اشعار کے کہنے والے کا کوئی نام مستند تاریخ میں نہیں ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کہیں میں نے ان اشعار کو خود امیر المومنین علیہ السلام کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ مگر اشعار کا لب ولہجہ اور انداز کلام بالکل اس خیال کو غلط قرار دیتا ہے مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار بھی کسی اموی شاعر کے نظم کردہ ہیں۔ ورنہ جناب علی اکبرؑ کے وصف میں اُن کے فرزند رسولؐ اور اولاد علیؑ و بتول ہونے کا ضرور تذکرہ ہوتا اور اُن کے والد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر ہوتا۔ مگر ان اشعار میں اس خصوصیت کو بالکل نظر انداز کر کے اُن کے ننھیال ہی کو نمایاں کیا گیا ہے اور اُن کی والدہ کے حسب و نسب ہی پر زور دیا گیا ہے۔

جناب علی اکبرؑ کی سخاوت جس درجہ پر بھی ہو مگر کیا وہ خود ہاشمی خاندان کا اثر نہیں ہو سکتی۔؟ اور کیا علیؑ و فاطمہؑ کی طرف انتساب اس سخاوت کے جوہر کا باعث نہیں ہو سکتا۔؟

مگر امیر شام نے سخاوت کو اُن کے بنی امیہ کے خاندان کا اثر بتلایا اور اُن کے لیے خلافت کا استحقاق قرار دیا۔ صرف اس لیے کہ یہ بات بڑھے اور لوگوں کی زبانوں پر آنے لگے کہ خاندان بنی ہاشم میں یہ فرد ان خصوصیات کا حامل ہے جن کی بنا پر وہ دوسرے افراد سے ممتاز درجہ رکھتا ہے اور خصوصیت سے خلافت و امامت کا مستحق ہے۔

یقیناً اگر جناب علی اکبرؑ کی جگہ کوئی کمزور نفس کا انسان ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس سیاست کا شکار ہو جاتا اور اپنے لیے اپنے خاندان میں ایک علیٰحدہ شان اور حیثیت کا قائل ہو جاتا اور اس طرح گنجائش تھی کہ اس گھر کے افراد میں اختلاف کی خلیج قائم کرنے کی اور ہم آہنگی و یکجہتی کو صدمہ پہنچانے کی۔ مگر علی اکبرؑ کا بلند اور پاکیزہ نفس اس فریب میں آنے والا نہ تھا۔ اُنھوں نے کبھی ان خیالات خام پر کوئی توجہ نہیں کی اور اموی سیاست کی شکست پر دائمی طور پر مہر کر دی اپنے اُس خون سے جو کربلا میں فرزند فاطمہؑ کی حمایت میں زمین پر بہہ گیا اور یزید بن معاویہ کے مقابلے میں

جہاد کے میدان کو رنگین بنا گیا۔ اور اُن کی والدۂ گرامی جناب لیلیٰ نے اپنی وفاداری اور محبت آلِ رسولؐ سے ثبات قدم میں وہ یگانگت اور اتحاد دکھلایا کہ آج اُن کے تذکرے میں یہ امر کہ اُنھیں خاندان بنی امیہ سے کوئی دور کا بھی تعلق تھا ایک ناگوار ضمیمہ معلوم ہوتا ہے جو فراموش کردینے کے قابل ہے۔

جناب علی اکبرؑ صورت وسیرت دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ تھے اور بہت نمایاں شباہت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے اسی لیے "شبیہ پیغمبرؐ" کی صفت کے ساتھ یاد کیے جاتے ہیں اور اس وجہ سے حضرت سید الشہداؑ کو جتنی محبت اپنے اس فرزند کے ساتھ تھی اُتنی دوسری اولاد کے ساتھ نہ تھی۔

راستے کا ایک اہم واقعہ:

امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے ہجرت اور مکہ میں قیام اور پھر کوفہ کے ارادے سے روانگی ان تمام واقعات کے ذیل میں سب سے پہلے جناب علی اکبرؑ کا نام مستند تاریخ کے ورق پر اُس وقت دکھلائی دیتا ہے جب امام قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے ہیں اور تھوڑا راستہ طے ہوا، اس وقت امامؑ پر کچھ غنودگی سی طاری ہوگئی۔ آنکھ کھلی تو آپؑ فرما رہے تھے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ دو تین مرتبہ آپؑ نے یہی غمگین الفاظ ارشاد فرمائے۔

طبری نے لکھا ہے کہ: "اُس وقت آپؑ کے فرزند علی بن الحسینؑ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آپؑ کے پاس آئے اور یہی الفاظ اپنی زبان پر جاری کر کے دریافت کیا کہ اس وقت ان کلمات کے زبان پر جاری کرنے کا کیا سبب تھا؟

فرمایا: "ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی، میں نے ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ تو راستہ طے کر رہے ہیں اور موت ان کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری موت کی اطلاع ہے جو دی گئی ہے"۔

شاہزادے نے عرض کیا: "بابا! خدا آپؑ کو رنج کی صورت نہ دکھلائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

امامؑ نے فرمایا: بلی والذی الیہ مرجع العباد۔
''کیوں نہیں! یقیناً! قسم اُس خدا کی جس کی جانب تمام خلق کی بازگشت ہے''

شاہزادے نے کہا:

یا ابت اذا لا نبالی نموت محقین۔
''جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے؟''

امامؑ نے دعائے خیر دی۔ فرمایا:

"جزاك الله من ولد خير ما جزی ولدا عن والده۔
''فرزند تمھیں خدا جزائے خیر دے بہترین جزا جو کسی فرزند کو اُس کے والد کی طرف سے دی جاسکتی ہے''۔ (تاریخ طبری ج ٦ ص ٢٣١ ـ ٢٣٢)

اس واقعے میں آپ کے سامنے عزت نفس، اطمینانِ قلب اور ثبات ضمیر کی عجیب مثال پیش ہوتی ہے۔ شاہزادے کا حدود ادب کو اس بے چینی کے موقع پر اس طرح پیش نظر رکھنا۔ امامؑ کا صفائی کے ساتھ حقیقت واقعہ سے اطلاع دے کر گویا فرزند کے دل کی گہرائیوں کا امتحان لینا۔ فرزند کا انتہائی استقلال کے ساتھ اپنے مافی الضمیر اور حق کی راہ میں فداکاری کے جذبے کو ظاہر کرنا اور امامؑ کا خوش ہو کر دعائے خیر دینا ایک ایسا مرقع ہے جس کو دیکھ کر رگوں میں خون دوڑتا ہے اور فداکاری کی روح میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔

روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر یہ ماننا ضروری ہو کہ وہ جناب علی اکبرؑ ہی سے متعلق ہے بلکہ یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ روایت امام زین العابدینؑ سے تعلق رکھتی ہے لیکن عموماً اس روایت کو جناب علی اکبرؑ ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں علی بن الحسینؑ کا لفظ جب بغیر کسی دوسرے قرینہ کے استعمال ہو تو اُس سے جناب علی اکبرؑ ہی مراد ہوا کرتے تھے اور یہ ایک مستقل دلیل ہے اس کی کہ وہ سید الشہداؑ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اور نمایاں شہرت کے مالک تھے۔

امامؑ کا عطیہ:

طبری نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا ایک خاص گھوڑا تھا جس کا نام "لاحق" تھا۔ امامؑ نے کربلا میں یہ اپنے فرزند علی بن الحسین علیہما السلام کو سواری کے لیے عطا فرمایا۔

مصنف ابصار العین نے ابوالفرج (مؤلف اغانی وغیرہ) کے حوالے سے جناب علی اکبرؑ کے میدان جہاد میں جانے کی جو روایت درج کی ہے، اُس میں لکھا ہے کہ:

"لما نظر الی وحدة ابیه تقدم الیه و هو علی فرس له یدعی ذا الجناح۔

جب اُنھوں نے اپنے والد بزرگوار کی تنہائی کو دیکھا تو آگے بڑھے اور وہ اپنے خاص گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام "ذوالجناح" تھا۔

اس روایت میں اس کا کوئی پتا نہیں ہے کہ یہ گھوڑا خاص اسی دن جناب علی اکبرؑ کو عطا کیا گیا تھا۔

عام طور پر ذوالجناح جناب سید الشہداؑ کے "اسپ باوفا" کا نام مشہور ہے اور جناب علی اکبرؑ کے گھوڑے کا نام عقاب بتایا جاتا ہے، مگر اس کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اذن جہاد:

روز عاشور جب تک اصحاب زندہ رہے، بنی ہاشم میں سے کسی ایک شخص کو بھی کسی طرح کا کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ لیکن جب اُن وفاداروں میں سے کوئی باقی نہ تھا۔ تو اب امامؑ کے اعزہ ہی تھے جو میدانِ جنگ میں جا سکتے تھے۔ اس موقع کی صورت حال کا صحیح اندازہ "اُسوۂ حسینی ص ۲۱۱" کے حسب ذیل تبصرے سے ہوگا۔ جس میں، میں نے کہا ہے کہ:

"تاریخ نے سب واقعات کو بیان ہی کہاں کیا ہے؟۔ اس لیے کہ دوست باقی بچے نہیں تھے۔ دشمنوں کو غرض کیا تھی کہ تمام واقعات بیان کرتے؟"

یقیناً اگر موقع ہوتا تو حضرتؑ اعزّا کو اصحاب سے پہلے میدان جنگ میں جانے کی اجازت دیتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا کہ اُن کی زندگی میں

زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے"۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مختصر سے الفاظ مناجات کے اُس بے پایاں رنج واندوہ کی پوری تشریح کر دیتے ہیں جو اس وقت امامؑ پر غالب تھے مگر اس کے ساتھ اُن میں عزت نفس، بلندی ضمیر اور حسین علیہ السلام کے بے مثال نظریہ کا وہ بلند نمونہ ہے جو حسین علیہ السلام ہی سے مخصوص ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی مصیبت انسان کو بے قابو بنا دیتی ہے اور وہ بے ساختہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

حضرت علی اکبرؑ کا وجود ہر طرح امامؑ کے لیے جاذبیت رکھتا تھا اور ایک والد کی ایک ایسے فرزند کے ساتھ جتنی بھی آرزوئیں وابستہ ہو سکتی ہیں وہ سب ہی امام حسین علیہ السلام کی علی اکبرؑ کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ان میں نمایاں پہلو ہیں علی اکبرؑ کی جوانی، خوبصورتی، خوش سیرتی، اور مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جب یہ جوان فرزند امامؑ سے رخصت ہو رہا ہے تو امامؑ کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ اُس طرح اس غم پر اظہار رنج نہیں کرتے جس طرح ایک کمزور دل کا شخص یا اس دنیا کے تعلقات کا گرویدہ ایسے موقع پر قلبی کیفیتوں کا اظہار کر سکتا ہے۔ وہ عورتوں کے سے بین کرنا اپنے اقتدار نفس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بیشک! اُن کے پیش نظر ہے تو ایک ایسا پہلو جس سے حقیقۃً حسین حسین معلوم ہوتے ہیں۔

اس وقت علی اکبرؑ کی جدائی سے حسین علیہ السلام کو اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر چھنتے دکھلائی دے رہی ہے اور اس پر وہ خدا کو گواہ کرتے ہیں اور بس۔

"جا رہا ہے" کے الفاظ میں اذن جہاد خود بخود مضمر ہے اور اس لیے اس دعا ہی سے علی اکبرؑ سمجھ گئے کہ مجھے میدان جنگ میں جانے کی اجازت حاصل ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ امامؑ نے عمر سعد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"یا ابن سعد! قطع اللہ رحمك كما قطعت رحمي ولم تحفظني في رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ۔"

اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "اے ابن سعد! خدا تیری نسل کو قطع کرے اسی طرح جیسے تو نے میری نسل کو قطع کیا ہے"

اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ کی نسل کا قیام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے برقرار رہا۔ پھر اس "قطع نسل" کے کیا معنی ہیں؟

اسی لیے مصنف ابصار العین کو تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، وہ لکھتے ہیں:

یعنی۔ قطع اللہ نسلک من ولدک کما قطعت نسلی من ولدی فانّہ لا عقب لہ۔

مقصود حضرت کا یہ ہے کہ "خدا تیری نسل کو تیرے فرزند سے اسی طرح قطع کرے جیسے میری نسل کو جو اس فرزند سے ہوتی قطع کیا ہے۔ کیونکہ علی اکبرؑ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔"

مجھے گذشتہ فقرے کے وہ معنی ہی نہیں معلوم ہوتے جو قرار دیے گئے ہیں۔

ہندوستانی عربی داں صرف اگر وہ ترجمہ کرتے تو مجھے تعجب نہ ہوتا کیوں کہ یہ لوگ عربی الفاظ کو اپنے مذاق اور محاورے کے ماتحت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس لیے اکثر الفاظ کے ترجمے میں غلطی کرتے ہیں۔ مگر فاضل سماوی سے جو موجودہ زمانے کے ایک باخبر عربی ادیب ہیں، بہت تعجب ہے "قطع رحم" کے معنی عربی میں "حقوق قرابتداری کا لحاظ نہ کرنے کے ہیں" اور اس لیے۔ قطعت رحمی۔ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "تو نے میری قرابتداری کا کوئی لحاظ نہ کیا"۔

اور اس کی توضیح بعد کے فقرے سے ہوتی ہے کہ۔ ولم تحفظنی فی رسول اللہ۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر سے میرے حقوق کی کچھ بھی نگہداشت نہیں کی"۔

اس صورت میں۔ قطع اللہ رحمک۔ کے یہ معنی قرار پائیں گے کہ "خدا تجھ کو بھی اسی طرح قطع رحم میں مبتلا کرے" یعنی تیرے ساتھ بھی کوئی مراعات کسی رشتے کے لحاظ سے بھی نہ کی جائے۔

رجز خوانی اور جنگ:

گذشتہ دعا اور اس خطبے میں جناب علی اکبرؑ اذنِ جہاد کے معنی سمجھ چکے تھے۔ وہ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھنے لگے:

انا علی بن الحسین بن علی
نحن و رب البیت اولیٰ بالنبی
تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

یہ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں: "میں ہوں علی۔ حسین علیہ السلام کا فرزند اور علی کا پوتا۔ ہم بخدا! سب سے زیادہ رسولؐ کے حقدار ہیں۔ خدا کی قسم! ہم پر ہرگز حکومت نہیں کرسکتی زنازادہ کی اولاد"

مناقب ابن شہر آشوب میں جو رجز کے اشعار نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں کہ:

انا علی بن الحسین بن علی
من عصبة جد ابیهم النبی
نحن و بیت اللہ اولیٰ بالوصی
واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی
اضربکم بالسیف احمی عن ابی
اطعنکم بالرمح حتّٰی ینثنی
طعن غلام هاشمی علوی

میں ہوں علیؑ، حسینؑ بن علیؑ کا فرزند۔ میرے والد کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہم خدا کی قسم! وصی رسولؐ کے سب سے زیادہ قرابتدار ہیں۔ بخدا! ہم پر زنازادہ کی اولاد حکومت نہیں کرسکتی۔ میں تم کو تلواریں لگاؤں گا اپنے والد کی حمایت میں اور نیزے کے وار کروں گا یہاں تک کہ نیزہ ٹیڑھا ہو جائے۔ ایسے حملے جو ایک ہاشمی اور علوی جوان کو کرنا چاہئیں۔

زیارت شہداءؑ میں رجز کے اشعار یہ ہیں کہ:

انا علی بن الحسین بن علی

نحن و بیت اللہ اولیٰ بالنبی
اطعنکم بالرمح حتّٰی ینثنی
اضربکم بالسیف احمی عن ابی
ضرب غلام ھاشمی عربی
و اللہ لایحکم فینا ابن الدّعی

ابصار العین میں ہے:

انا علی بن الحسین بن علی
نحن و بیت اللہ اولیٰ بالنبی
و اللہ لایحکم فینا ابن الدّعی

یہ طبری کی روایت سے متحد ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں دوسرے مصرع میں "نحن ورب البیت" ہے یہاں "نحن وبیت اللہ" ہے وہاں تیسرے مصرع میں "تاللہ" ہے۔ یہاں "واللہ" ہے۔

مجموعی حیثیت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ جزئی اختلاف کے ساتھ جو مصرعے رجز کے متفق علیہ ہیں وہ اُتنے ہی ہیں جو طبری نے درج کیے ہیں۔

یہ رجز شہدائے کربلاؑ میں سب سے الگ ایک خاص انداز کا حامل ہے۔ دوسرے شہداؑ کے رجز میں زیادہ تر شجاعان عرب کے انداز پر اپنی شجاعت کا اظہار ہے یا امامؑ کی بارگاہ میں اپنی وفاداری کا اثبات ہے۔ لیکن جناب علی اکبر علیہ السلام کا رجز ایک تبلیغی حیثیت رکھتا ہے۔ آپؑ نے مختصر الفاظ میں پورے طور سے اسباب وعلل جنگ پر تبصرہ کر دیا ہے۔ اور دکھلایا ہے کہ اس وقت ۔ال کس چیز کا درپیش ہے؟

اس میں اپنی ولایت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے:

"نحن وبیت اللہ اولیٰ بالنبی"

جس میں ایک طرف قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ﴿الاحزاب:۶﴾

دوسری طرف اپنی صفات کی بلندی کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اولویت کا اظہار ہے اس آیت کی بنا پر کہ:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ﴿آل عمران:۶۸﴾

اس کے بعد حکومت وقت کے تسلیم کرنے سے اپنے انکار کو ظاہر کیا گیا ہے اور اپنے مخالف کی پستی کو دکھلایا گیا ہے۔

اگر اس اموی سیاست کے پہلو میں جس کی پردہ کشائی میں نے پہلے کی ہے اور جس کی بنا پر میں نے دکھلایا ہے کہ دربار شام کی طرف سے جناب علی اکبرؑ کی ننھیالی خصوصیت پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اس کے پہلو میں اس رجز کے ابتدائی دونوں مصروں کو دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں پورے طور پر اُس سیاست کا جواب ہے۔ وہ لوگ علی اکبرؑ کی مدح میں تمام بنی ہاشم اور اولاد رسولؐ سے الگ خصوصیات کا اظہار کرتے تھے۔ گویا اس فرع کو اُس اصل سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جناب علی اکبرؑ اپنے اظہار نام ونسب میں اپنا طرۂ امتیاز صرف اپنے ددھیالی رشتے کو قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کی چھاؤں بھی نہیں آنے دیتے کہ آپؑ میں کوئی دوسرا عنصر شریک ہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ علی اکبرؑ نے کئی حملے کیے اور برابر آپؑ یہی اشعار پڑھ رہے تھے۔

بحار الانوار میں ہے:

"فلم یزل یقاتل حتّٰی ضجّ الناس من کثرۃ من قتل منھم"

"علی اکبرؑ نے اتنی جنگ کی کہ دشمن کثرت مقتولین کی وجہ سے چیخ اُٹھے"۔

پیاس کی شدت اور طلب آب:

اس جنگ میں جوان مجاہد کا جسم زخمی ہوگیا تھا۔ آفتاب کی حدت کے ساتھ پیاس کا التہاب بہت بڑھ گیا تھا۔ ابن شہر آشوب وغیرہ کی روایت کے مطابق میدان جنگ سے واپس آئے۔ اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوکر پیاس کی شدت کا اظہار کیا۔

مشہور الفاظ اس وقت کے یہ ہیں کہ:

"یا ابت! العطش قد قتلنی وثقل الحدید اجھدنی"

"اے بابا! مجھے پیاس نے مار ڈالا ہے اور لوہے کے بوجھ نے میری جان پر بنادی ہے۔"

نہیں کہا جاسکتا کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا؟

ممکن ہے کہ پانی کی بالکل نایابی کا شاہزادے کو علم نہ ہو اور ممکن ہے مطلب یہ ہو کہ حضرت بنی ہاشم کے موجودہ نوجوانوں کو علی اکبرؑ کے ساتھ بھیج کر نہر سے پانی منگانے کا انتظام کریں۔ ذاکرین کی طرف سے اس کی یہ توجیہ بھی ہوتی ہے کہ جناب علی اکبرؑ عام لوگوں کو امام کی مجبوری اور پانی کی نایابی کا پورا یقین دلانا چاہتے تھے کہ اگر کچھ بھی پانی موجود ہوتا تو امامؑ مجھ سے عزیز نہ کرتے۔

یہ تمام توجیہیں اُس صورت میں ہیں کہ روایت کو بالکل صحیح مانا جائے۔

ظاہر ہے کہ امامؑ کو اپنے فرزند کی تمنا کے نہ پورا ہو سکنے کی جتنی بھی تکلیف نہ ہوتی کم تھی۔

آپؑ نے کہا: "پانی کہاں ہے جاؤ تمہارے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آب کوثر سے تمھیں سیراب کریںگے" علی اکبرؑ دوبارہ میدان میں آئے۔

شہادت:

جناب علی اکبر علیہ السلام نے اب کی مرتبہ پھر سخت جنگ کی "مرہ بن منقذ بن نعمان عبدی" عمر سعد کی فوج کا ایک مخصوص سپاہی تھا" اس نے جو جناب علی اکبر علیہ السلام کو جنگ کرتے دیکھا تو کہا کہ اگر اب کی مرتبہ اس جوان نے پھر حملہ کیا اور میری طرف سے گذرا تو میں ضرور اس کے والد کو اس کے غم میں مبتلا کروں گا۔

ایسا ہی ہوا۔ علی اکبر علیہ السلام تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے دشمنوں پر حملہ آور تھے بس مرہ پاس آگیا اور نیزہ مار دیا۔ طبری میں صرف اتنا ہی لکھا ہے۔

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ "اُس نے دھوکا دیکر پشت پر نیزہ مارا"۔

ابصار العین میں یہ روایت درج ہے کہ "مرہ بن منقذ نے آپؑ کے حلقوم پر تیر لگایا۔

علی اکبر گھوڑے سے زمین پر گرے۔ اور دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شاہزادے کے جسم کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے“۔

امامؑ کی حالت اور اہل حرم کا اضطراب:

علی اکبرؑ کی شہادت کا امامؑ پر بڑا اثر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا:

"قتل الله قوما قتلوك يابني! ما اجرأهم على الرحمن وعلى رسوله وعلى انتهاك حرمة الرسول [redacted] على الدنيا بعدك العفا"

”خدا فنا کر دے اُس جماعت کو جس نے تمھیں قتل کیا۔ اے میرے فرزند! کتنی جرأتیں بڑھ گئی ہیں ان لوگوں کی خدا اور اُس کے رسولؐ کے مقابلے میں؟ تمھارے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے“

یقیناً خیام حسینی میں اس حادثے سے تہلکہ پڑ گیا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ جناب زینبؑ نے علی اکبرؑ کی پرورش کی تھی۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

مشہور روایت یہ ہے کہ اس وقت مضطرب ہو کر جناب زینبؑ خیمے سے باہر آ گئی تھیں اور آ کر جناب علی اکبرؑ کی لاش سے لپٹ گئیں۔ امامؑ آئے اور ہاتھ پکڑ کر سمجھاتے ہوئے خیمے میں لے گئے۔ اس روایت میں شک وشبہ کا میدان بہت وسیع ہے۔

علامہ کھنوری نے "مأتین فی مقتل الحسین" میں اس روایت پر کافی بحث کی ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ ”یہ ایک اضطراری فعل تھا جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ رہ گیا یہ امر کہ جناب زینبؑ کہاں تک آئی تھیں؟ اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اُس خیمے تک تشریف لائی تھیں جس کے سامنے اصحاب جنگ کرتے تھے۔ اور وہ سراپردۂ حسینی کے آگے ہی نصب تھا اور زیادہ دور نہیں تھا جب حضرت علی اکبرؑ کی لاش کو اُٹھا کر اُس خیمے میں لائے تو جناب زینبؑ اُس خیمہ تک آ گئیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب علی اکبرؑ کی شہادت تمام اعزہ کے آخر میں تسلیم کی جائے اور اگر آپؑ سب سے پہلے شہید ہوں اولاد ابوطالبؑ میں سے تو اُس صورت میں روایت میں یہ ہے کہ امامؑ نے نوجوانوں سے فرمایا کہ: ”اُٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش کو“ سب نوجوانوں نے

مل کر جناب علی اکبر کی لاش کو اُٹھایا اور اُس خیمے کے آگے لا کر لٹا دیا جو جنگ کے موقع پر بطورِ مرکز سپاہ قرار دیا گیا تھا۔ جناب زینبؑ اُسی خیمے تک آئی تھیں۔ رہ گیا یہ امر کہ پھر آپ کا نام لوگوں کو کیسے معلوم ہوا؟ تو ممکن ہے کہ کسی نے امامؑ کی آواز سن لی ہو یہ کہتے ہوئے کہ ''بہن زینب تم اپنے خیمے سے کیوں نکل آئیں'' بے شک! جناب زینب کا میدان جنگ میں آ جانا رکیک امر ہے اور میرے نزدیک ثابت نہیں ہے۔''

یہ علامہ کھتوری کا ذاتی خیال ہے۔ اصل روایت کے مضمون پر منطبق نہیں ہوتا۔ روایت تاریخ طبری میں مذکور ہے اور اسی لیے میں نے بھی ''محاربہ کربلا'' میں درج کر دی ہے مگر راوی اس روایت کا حمید بن مسلم ہے۔

اس کا روز عاشور کربلا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس کا پتا ہم کو ایک ایسے مؤرخ کی تحریر سے چلتا ہے جو طبری سے مقدم ہے۔ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ نے کتاب ''الاخبار الطوال'' میں جو ۱۳۳۰ھ میں مصر میں شائع ہوئی ہے لکھا ہے کہ:

"روی عن حمید بن مسلم قال کان عمر بن سعد لی صدیقا فاتیته عند منصرفه من قتال الحسین فسألته عن حاله فقال لاتسئل عن حالی فانه: ما رجع غائب الی منزله بشر مما رجعت به قطعت القرابة القریبة وارتکبت الامر العظیم (اخبار الطوال ص ۲۷۵)

''حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ عمر بن سعد سے میری دوستی تھی، جب وہ حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے بعد واپس آیا تو میں اُس کے پاس گیا اور خیریت دریافت کی۔ اُس نے کہا: ''تم میری خیریت کیا پوچھتے ہو؟ اس لیے کہ کوئی اپنے گھر سے سفر کرنے والا اس بری طرح واپس نہ آیا ہوگا جس طرح میں واپس آیا ہوں۔ میں نے قریبی رشتہ داری کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا اور ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا''۔

خود طبری نے سلیمان بن صرد خزاعی اور اُن کی جماعت کے حالات میں حمید بن مسلم کی زبانی جو روایت درج کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے ملاحظہ ہو۔

حمید بن مسلم قال واللہ! انی لشاھد بھذا الیوم یوم ولّوا سلیمان بن صرد و انّا یومئذ لاکثر من مائۃ رجل من فرسان الشیعۃ و وجوھھم فی دارہ قال فتکلم سلیمان بن صرد فشدّد و ما زال یرددّ ذٰلک القول فی کل جمعۃ حتّٰی حفظتہ

''حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں اُس دن موجود تھا جس دن سلیمان بن صرد کو حاکم تسلیم کیا گیا، ہم لوگ اُس دن سو (۱۰۰) آدمیوں سے زیادہ تھے بہادر جنگ آزما اور ممتاز شیعوں میں سے، خود سلیمان بن صرد کے مکان میں، سلیمان نے بہت سخت لب ولہجہ میں تقریر کی اور برابر اُسی تقریر کو ہر جمعہ کے دن دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے یاد کرلیا''۔

(طبری ج ۷ ص ۴۸)

ظاہر ہے کہ توابین کی جماعت اُن ہی لوگوں پر مشتمل تھی جو واقعۂ کربلا میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اور ان کا مقصد تھا قاتلان امام حسین سے انتقام لینا۔

اگر حمید بن مسلم کا شمار ان لوگوں میں ہوتا جو امامؑ سے جنگ کے لیے کربلا میں موجود تھے تو کبھی وہ سلیمان بن صرد کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس کے بعد جن جن روایات میں کربلا کے حالات حمید بن مسلم کی زبانی بطور چشم دید واقعہ کے مذکور ہیں وہ سب مشکوک ہو جاتے ہیں اور اُن کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

اس صورت میں کہ جب علی اکبرؑ کی شہادت تمام دوسرے اعزہ سے پہلے مانی جائے جس کو ہم نے صحیح ثابت کیا ہے تو یہ روایت درایت کے لحاظ سے بھی بالکل غلط قرار پاجاتی ہے اس لیے کہ اُن تمام اعزہ کی موجودگی میں جن میں حضرت عباسؑ اور اُن کے تمام بھائی، اولادِ عقیل اور اولادِ جعفر سب ہی موجود تھے۔ اتنے عظیم واقعے پر کہ جناب زینبؑ (نعوذ باللہ) خیمے سے باہر آجائیں، اُن تمام ہاشمی جوانوں کے تاثرات کا کچھ نہ کچھ اظہار ضروری تھا اور تنہا سیدالشہداؑ کا نام نہ ہوتا کہ آپؑ اپنی ہمشیرہ کو سمجھا کر خیمے میں لے گئے۔ یہ تو اُسی وقت ممکن تھا جب اس وقت سوائے حضرت سیدالشہداؑ کے کوئی اور موجود ہی نہ ہوتا اور آپؑ بالکل بے بس

اور بے کس ہوتے۔

طبری میں ہے کہ امامؑ نوجوانان بنی ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "اُٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش کو" سب نوجوان آگے بڑھے اور انھوں نے علی اکبرؑ کی لاش کو لا کر اس خیمے کے آگے رکھ دیا جو مرکز سپاہ کی حیثیت سے قرار دیا گیا تھا اور جس کے آگے جنگ ہوتی تھی۔

ابن شہرآشوب نے چونکہ جناب علی اکبرؑ کی شہادت کو تمام اعزّہ کے بعد لکھا ہے، اس لیے اُن کی روایت کے لحاظ سے اب نوجوانان بنی ہاشم باقی ہی نہ تھے۔ امامؑ نے خود سینے سے لگا کر علی اکبرؑ کی لاش اُٹھائی اور اُسے لا کر خیمے کے آگے رکھ دی۔

اس موقع پر ابن شہرآشوب نے یہ فقرہ عجیب لکھا ہے:

فصارت أمه شهر بانويه ولهى تنظر اليه ولا تتكلم۔

"اُن کی والدہ شہربانو غم سے بالکل مبہوت ہو گئیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے بس دیکھتی تھیں اور کچھ بات نہ کرتی تھیں"

حالانکہ ابن شہرآشوب خود لکھ چکے ہیں کہ جناب علی اکبرؑ کی والدہ شہربانو نہ تھیں۔ اُنھوں نے جناب علی اکبرؑ کی والدہ کا نام "برہ بنت عروۃ بن مسعود الثقفی" لکھا ہے۔

یہ بھی میرے خیال میں غلط ہے اور ممکن ہے چھاپہ کی غلطی ہو۔ والدہ علی اکبر کا نام جیسا کہ آپ مطالعہ کر چکے ہیں "لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود" تھا اس میں "لیلیٰ" کے والد کا نام "ابو مرۃ" ہے۔ اسی سے "برہ" کا لفظ بن گیا اور لیلیٰ کا نام غلطی سے حذف ہو گیا۔

رہ گئیں "جناب شہربانو" ان کا واقعۂ کربلا میں وجود ہی ثابت نہیں ہے۔

2۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ

اُن کی والدہ گرامی رقیہ بنت علیؑ بن ابیطالب تھیں (تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۱۷)۔

یہ عمر بن علیؑ کی حقیقی بہن تھیں۔ اُن کی والدہ اُم حبیب بنت عباد بن ربیعۃ بن یحییٰ بن العبد بن علقمہ التغلبیہ تھیں۔ جنھیں امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ یمامہ یا عین التمر کے اسیروں

میں سے خرید فرمایا تھا۔(ابصار العین ص ۵۰)

اس اعتبار سے عبداللہ کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ دہرا رشتہ تھا۔ ایک تو چچا زاد بھائی کے فرزند تھے اور پھر بھانجے۔ جناب مسلمؑ کی عالم غربت میں شہادت ابھی بالکل تازہ واقعہ تھی اور اُس کا اثر امامؑ کے دل پر بہت زیادہ تھا اور اسی لیے شب عاشور آپؑ نے اپنے اصحاب سے جو مخاطبہ فرمایا ہے۔ اُس میں عقیلؑ کی اولاد سے خاص طور پر یہ خطاب فرمایا تھا کہ:

"تمھارے لیے مسلمؑ کا قتل ہو جانا کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں"۔

مگر ان سب نے متفق ہو کر کہا تھا کہ "لوگ بھلا ہم کو کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سید و سردار اور اپنے چچا کی اولاد کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر لگایا نہ نیزہ مارا اور نہ تلوار چلائی، اور خبر بھی نہ لی کہ اُن پر کیا گذر گئی؟ ہرگز نہیں! ہم ایسا نہیں کرینگے۔ بلکہ ہم اپنی جان اور مال اور اہل و عیال آپؑ پر فدا کر دینگے اور آپؑ کے ساتھ رہ کر جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ جو آپؑ کا انجام ہو وہی ہمارا بھی ہو۔ کیونکہ خدا غارت کرے اُس زندگی کو جو آپؑ کے بعد ہو"۔(طبری ج ۶ ص ۲۳۹)

جناب علی اکبرؑ کو پہلا شہید قرار دینے کے بعد عبداللہ دوسرے شہید ہیں اور جن لوگوں نے جناب علی اکبرؑ کی شہادت کو سب سے آخر میں بیان کیا ہے وہ عبداللہ کو سب سے پہلا ہی شہید قرار دیتے ہیں چنانچہ ابن شہر آشوب مناقب ج ۴ ص ۹۶ میں یہ لکھتے ہیں:

"اول من برز من بنی ھاشم عبداللہ بن مسلم"

"سب سے پہلے جو میدان میں بنی ہاشم میں سے نکلے وہ عبداللہ بن مسلم تھے"۔

تاریخ روضۃ الصفا میں ہے "اول کسی کہ از اہلبیت قدم در میدان مبارزت نہاد عبداللہ بن مسلم بن عقیل بود"۔(روضۃ الصفاء مطبوعہ نولکشور ج ۳ ص ۵۸۵)

طبری کی روایت کے مطابق معلوم یہ ہوتا ہے کہ جناب علی اکبرؑ کی شہادت سے خیمے میں کہرام جو برپا ہوا تو کمسن بچے گھبرا کر خیمے سے باہر آ گئے۔ بے رحم دشمنوں کو موقع مل گیا۔ عمرو بن صبیح صیدائی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ کو تیر لگایا جو بچے کی پیشانی کی طرف آیا۔ بچے نے گھبرا

کر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ دیا۔ تیر نے ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ چھید دیا۔ پھر دوسرا تیر آیا جو سینے پر پڑا اور اس نے کام تمام کر دیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت کمسن تھے اور بغیر جنگ کے شہید ہوئے۔ مگر مناقب اور بحار وغیرہ میں اُن کا رجز اور جنگ موجود ہے۔

علامہ مامقانی نے بعض علمائے انساب کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ عبداللہؑ کی عمر چودہ (۱۴) سال تھی۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۱۸)

اُن کے قاتل کا نام عمرو بن صبیح صیدائی ہے۔ مناقب میں لکھا ہے کہ ان کو عمرو بن صبیح اور اسد بن مالک نے قتل کیا۔ ممکن ہے کہ وہ دوسرا تیر اسد بن مالک ہی کا ہو۔

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام موجود ہے۔

3۔ محمد بن مسلم بن عقیلؑ

یہ عبداللہؑ کے مختلف البطن بھائی (برادر علاتی) تھے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اُن کی والدہ ام ولد تھیں۔ علامہ مامقانی نے ان کی عمر بارہ یا تیرہ سال تحریر کی ہے۔
(تنقیح المقال ج ۳ ص ۱۸۷)

ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں ہے کہ عبداللہ کے شہید ہونے کے بعد اولاد ابی طالبؑ نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔

امامؑ نے آواز دی ہاں! میرے چچا کے فرزندو! موت کے مرحلے کو سر کر دو۔ چنانچہ اُن میں سے محمد بن مسلمؑ شہید ہو کر گر گئے۔ اُن کو ابو مریم ازدی اور لقیط بن ایاس جہنی نے شہید کیا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ محمد بن مسلم نے جنگ کی اور ابو مریم ازدی نے آپؑ کو نیزے سے شہید کیا۔

صاحب ناسخ نے لکھا ہے:

"تواند شد کہ از پسران مسلم این محمد الاکبر است"

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے چھوٹے بھائی بھی کوئی ہیں جن کا نام محمد تھا ممکن ہے۔
صاحب ناسخ کی نظر اس فقرے میں اُس مشہور روایت کی طرف ہو جو پسران مسلمؑ کی کوفہ میں شہادت کے بارے میں ہے کیونکہ صاحب ناسخ نے اُس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں تاریخی حیثیت سے اُس روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

4۔ جعفر بن عقیل بن ابیطالبؑ

مناقب ابن شہر آشوب میں عبداللہ بن مسلمؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ ان کے بعد جعفر بن عقیلؑ میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے کہ:

انا الغلام الابطحی الطالبی
من معشر فی ھاشم من غالب
و نحن حقا سادة الذوائب
ھذا حسین اطیب الاطائب

(یعنی) ''میں مکہ کا رہنے والا۔ طالب کے خاندان کا، ہاشم کی نسل سے اور غالب کے گھرانے سے ہوں۔ یقیناً ہم تمام قبائل کے سردار ہیں اور یہ حسین علیہ السلام تمام پاکیزہ اشخاص میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں''۔
دو آدمی اور ایک روایت کے مطابق پندرہ آدمی فوج مخالف کے قتل کیے اور پھر بشر بن خوط ہمدانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔
تاریخ روضۃ الصفا میں ہے کہ:
''اول کسے که از اہل بیت قدم درمیان مبارزت نہاد عبداللہ بن مسلم بن عقیل و بعد ازوے جعفر بن عقیل''۔
ناسخ میں عبداللہ اور محمد پسران مسلمؑ دونوں کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ:
''بعد از ایشاں نوبت به پسران عقیل افتاد اول کس جعفر بن عقیل

بود"

زیارت شہداؑ میں بھی جعفر بن عقیلؑ پر سلام موجود ہے۔ اُس میں بھی ان کا قاتل بشر بن خوط ہمدانی کو قرار دیا گیا ہے۔ مگر طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عزرہ خثعمی نے تیر مارا جعفر بن عقیلؑ نے اس تیر سے شہادت پائی۔

صاحب ناسخ جن کی موشگافیوں کا جائزہ میں پہلے لے چکا ہوں اس مقام پر بھی عجیب غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے یہ لکھنے کے بعد کہ جعفر کو بشر بن خوط نے شہید کیا حسب ذیل الفاظ سپرد قلم کیے ہیں کہ:

- "از حمید بن مسلم و ابی جعفر الباقر مرویست که اورا عروه بن عبدالله خثعمی مقتول ساخت"

اس سے آپ سمجھتے ہوں گے کہ امام محمد باقرؑ کی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صاحب ناسخ نے کسی جگہ ابو جعفر کے حوالے سے یہ دیکھا ہوگا کہ جعفرؑ کا قاتل عبداللہ بن عزرہ ہے۔ اُنھوں نے ابو جعفر سے مراد امام محمد باقرؑ کو سمجھ لیا۔ حالانکہ ابو جعفر علامہ طبری کی کنیت ہے اور وہی اس سے مراد ہیں۔

5۔ عبدالرحمٰن بن عقیلؑ

ابن شہر آشوب نے جعفر بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اُن کے بعد عبدالرحمٰن بن عقیلؑ میدان جنگ میں آئے، رجز پڑھا اور بہت سے اشقیا کو قتل کیا پھر عثمان بن خالد جہنی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

روضۃ الصفا میں ہے:

"بعد از جعفر بن عقیل عبدالرحمٰن بن عقیل بمیدان رفتہ جنگ کرد تا کشتہ شد"

طبری نے لکھا ہے کہ عثمان بن خالد بن اسیر جہنی اور بشر بن خوط ہمدانی دونوں نے مل کر

عبدالرحمٰنؑ پر حملہ کیا اور وہ ان دونوں کے ہاتھ سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

زیارت شہداؑ میں اُن پر سلام کے الفاظ یہ ہیں:

"السلام علی عبدالرحمن بن عقیل لعن اللہ قاتلہ درامیہ عمر بن خالد بن اسد الجھنی"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنھیں عمر بن خالد نے تیر لگایا تھا۔

6۔ عبداللہ بن عقیلؑ

صاحب ناسخ نے عبدالرحمٰن بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے:

"از پس او عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب بمیدان آمد و رزمی صعب داد و بعد از کر و فر فراواں عثمان بن اشیم الجہنی و بشر بن خوط القایضی او را شہید کردند و بروایت سلمان بن ابی راشد و او سند بحمید بن مسلم میرساند او عبداللہ اصغر است و مادرش اُم ولد است و بعد از و برادرش عبداللہ اکبر بمیدان آمد و مادر او نیز ام ولد است قتال عظیم داد و بروایت مدنی عثمان بن خالد الجہنی و مردی از قبیلۂ ہمدان او را بقتل آوردند"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیلؑ کے دو فرزند عبداللہ نام کے کربلا میں شہید ہوئے۔ ایک عبداللہ الاکبر اور ایک عبداللہ الاصغر۔

ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ:

"روی ان عبداللہ بن عقیل الاکبر قاتل فقتلہ عثمان بن خالد الجھنی"

"ایک روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ اکبر فرزند عقیلؑ نے جنگ کی اور عبداللہ بن خالد جہنی نے اُن کو شہید کیا"

علامہ سید محسن امین عاملی نے بھی شہدائے کربلاؑ میں عبداللہ اکبر ابن عقیل کا نام درج کیا ہے

(اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۱)

مگر زیارت شہداءؑ میں کوئی ذکر عبداللہ کا نہیں ہے۔ طبری نے بھی اُن کی شہادت درج نہیں کی ہے۔

اور ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں بھی شہدائے کربلاؑ میں اُن کا تذکرہ نہیں ہے، اور صاحب مناقب نے بھی کمزور طور پر "بروایتے" کا لفظ لکھ کر اُن کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے مجھے پورا وثوق اس کے متعلق نہیں ہے۔

پھر جب ایک ہی عبداللہ کی شہادت واقعۂ کربلا میں مشکوک ہے تو دو کا کیا ذکر؟ جن کے تذکرے میں صاحب ناسخ متفرد ہیں۔

7۔ موسیٰ بن عقیلؑ

علامہ مامقانی نے تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۵۷ میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُن کی والدہ ام البنین بنت ابی بکر بن کلاب العامری تھیں اور وہ شہدائے کربلاؑ میں سے ہیں۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:

ابو مخنف حدیث می کندکہ موسیٰ بن عقیل بحضرت حسینؑ آمد وسلام داد و بمیدان مبارزت تاخت و ایں ارجوزہ قرائت کرد۔

يا معشر الكهول و الشبان
اضربكم بالسيف و السنان
احمي عن الفتية و النسوان
و عن امام الانس و الجان
ارضي بذاك خالق الانسان
ثم رسول الملك المنان

وحملۂ گراں افگندو چنداں بکوشید کہ ہفتاد کس از سپاہ ابن سعد را باشمشیر درگذراینداانگاہ شہید گشت"

میرے تمام معتبر ماخذ اس ذکر سے خالی ہیں اس لیے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہے۔

8۔ عونؑ بن عقیلؑ

ابن شہر آشوب نے اُن کا نام شہدائے کربلاؑ میں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اہلبیتؑ میں سے جو لوگ کربلا میں شہید ہوئے اُن کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ وہ ستائیس تھے جن میں سے نو عقیلؑ کی اولاد میں سے تھے اُن میں سے ایک عونؑ تھے۔"

(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:

"ابن جوزی در کتاب تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمہ عون را در شمار پسران عقیل آوردہ و او را نیز مقتول یوم طف دانستہ"۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۱)

علامہ سید محسن عاملی نے شہدائے کربلاؑ کی فہرست میں ان کو "عون بن مسلم بن عقیلؑ" لکھا ہے۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۱)

9۔ علی بن عقیلؑ

صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:

"فاضل مجلسی باسناد خود علی بن عقیل را در شمار شہدائے کربلا رقم کردہ"

10۔ جعفر بن محمد بن عقیلؑ

ابن شہر آشوب نے اُن کا نام اولاد عقیلؑ سے جو کربلا میں نو (۹) افراد شہید ہوئے ہیں۔ ان میں درج کیا ہے۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:

"دیگر جعفربن محمد بن عقیل است که در شمار شهدائے کربلا او را
در قلم آورده اندبروایتے در یوم حرّه شهید شد"
علامہ سید محسن نے بھی شہدائے کربلا کی فہرست میں اُن کا نام لکھا ہے

11۔ احمد بن محمد بن عقیلؓ

علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ وہ روز عاشور میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

الیوم اتلو حسبی و دینی
بصارم تحمله یمینی
احمی به عن سیدی و دینی
ابن علی الطاهر الامین

اور بہت سے لوگوں کو فوج دشمن میں سے قتل کیا۔ یہاں تک کہ اُن کا گھوڑا زخمی ہو کر ہلاک ہو گیا پھر چاروں طرف سے گھیر کر اُنھیں شہید کر ڈالا گیا۔
صاحب ناسخ لکھتے ہیں:
"بشداد تن از کوفیان را بکشت انگاه کشته گشت آں وقت نوبت باولاد جعفر طیار رضوان الله علیه افتاد"۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد عقیلؑ کے سلسلے میں سب سے آخر میں یہی شہید ہوئے ہیں اور ان کے بعد اولاد جعفرؑ کا سلسلہ شروع ہوا۔
میں نے آخری نام بغیر کسی نقد و تبصرہ کے درج کر دیئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معتبر ماخذ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔
ابن شہر آشوب کی زبانی آپ نے سنا کہ عقیلؑ کی اولاد جو نصرت امام حسینؑ میں شہید ہوئی ہے اُس کی تعداد نو (۹) ہے۔ اس کی تائید اُن اشعار سے ہوتی ہے جو سراقہ باہلی نے آل علی کے مرثیے میں نظم کیے ہیں۔

صاحب ناسخ نے اُن اشعار کو درج کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ:

"مسعودی ایں اشعار را از مسلم بن قتیبہ مولٰی بنی ہاشم داند"

ان میں سے ابتدائی دو شعر یہ ہیں۔

یا عین بکی بعبرۃ و عویل
و اندبی ان ندبت آل الرسول

"اے آنکھ! نالہ و فریاد کے ساتھ ساتھ آنسو بہا اور اگر نوحہ کرتا ہے تو آلِ رسولؐ پر نوحہ کر"۔

تسعۃ منھم لصلب علی
قد ابیدو او تسعۃ لعقیل

"نو اُن میں سے علیؑ کے صلب سے تھے جو شہید ہو گئے اور نو عقیلؑ کی اولاد سے تھے"

ابن شہر آشوب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعداد میں جناب مسلم بن عقیلؑ کا بھی حساب ہے جو نصرت امام حسین علیہ السلام میں کوفہ میں شہید ہوئے۔ اب شہدائے کربلاؑ کی تعداد اولاد عقیلؑ میں سے آٹھ قرار پاتی ہے۔

لیکن مذکورۂ بالا نام جو اولاد عقیلؑ کے ذکر ہوئے ہیں وہ دس ہیں۔ ان کے علاوہ ایک "محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ" کا نام بھی شہدائے کربلاؑ میں مذکور ہے جو تمام بنی ہاشم کے بعد سب سے آخری مقتول کی حیثیت سے ذکر کیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ تعداد گیارہ تک پہنچ جاتی ہے۔ جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے یقیناً مذکورۂ بالا اشخاص میں سے بعض کے نام جن پر کافی تاریخی شہادت موجود نہیں بالکل ناقابل اعتبار ہیں اور نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔

پھر وہ اشعار جو صاحب ناسخ نے سراقہ باہلی یا مسلم بن قتیبہ کی طرف منسوب کر کے لکھے ہیں اُن ہی اشعار کو مصنف ابصار العین نے سلیمان بن قتہ التیمی کے نام سے درج کیا ہے اور اُس میں پہلے دونوں شعروں کے الفاظ یہ ہیں:

عين جودی بعبرة و عويل
و اندبي ان بكيت ال الرسول
ستة كلهم لصلب علی
قد اصيبو او سبعة لعقيل

اس میں "تسعه" کے بجائے "سبعه" ہے اور اس بنا پر آل عقیلؑ کی تعداد (۷) سات رہ جاتی ہے اور حضرت مسلمؑ کے نکل جانے کے بعد (۶) چھ ہی رہ جاتی ہیں۔

12۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالبؑ

یہ اور ان کے بھائی عونؑ دونوں حضرت زینبؑ کے فرزند اور امام حسین علیہ السلام کے بھانجے مشہور ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے بھائی عون جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا وہ تو جناب زینبؑ کے بطن سے تھے۔ لیکن یہ محمد اُن کے بطن سے نہ تھے۔ ان کی والدہ کا نام تھا "خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف بن ربیعہ بن عائذ بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل" خوصاء کی والدہ "ہند بنت سالم بن عبدالعزیز بن مخروم بن ستان بن مولہ بن عامر بن مالک بن تیم اللات بن ثعلبہ" تھیں اور ہند کی والدہ "میمونہ بنت بشر بن عمر بن الحرث بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ" تھیں۔ (ابصار العین ص ۴۰)

جب امام حسین علیہ السلام مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے ہیں اور کوفہ کا قصد فرمایا ہے اُس وقت عبداللہ بن جعفرؓ مدینہ ہی میں تھے۔ ظاہری حالات کی بنا پر امام کا مدینہ سے جانا اس خطرے کی بنا پر تھا کہ وہاں کے حاکم کو یہ فرمان آچکا تھا کہ "اگر حسین بیعت نہ کریں تو اُن کا سر روانہ کیا جائے"۔ اور اب مکہ سے روانگی اسی اندیشے کی بنا پر ہے کہ "وہاں کچھ لوگ حاجیوں کے لباس میں بھیجے گئے تھے کہ جس طرح ممکن ہو حسین علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں یا گرفتار کر کے شام کی سمت بھیج دیں"۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے اس موقع پر اپنے مقدور بھر کوشش سے یہ بڑی خدمت انجام دی کہ وہ حاکم مدینہ "عمرو بن سعید بن العاصی" کے پاس گئے اور اُس سے گفتگو کر کے ایک امان

کا پروانہ امام حسین علیہ السلام کے لیے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد عون و محمد اپنے دونوں فرزندوں کے ہاتھ امامؑ کے نام حسب ذیل مکتوب روانہ کیا۔

"اما بعد فانی اسئلك بالله لما انصرفت حين تنظر فی كتابی فانی مشفق عليك من الوجه الذی توجه له ان يكون فيه هلاكك واستئصال اهل بيتك ان هلكت اليوم طفی نور الارض فانك علم المهتدين ورجاء المؤمنين فلا تعجل بالسير فانی فی اثر الكتاب والسلام"۔

"میں آپؑ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپؑ میرا خط دیکھتے ہی یہاں واپس آ جائیے کیونکہ اُس طرف جدھر آپؑ کا قصد ہے مجھے آپؑ کی ہلاکت اور آپؑ کے اہل بیتؑ کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر آپؑ دنیا سے اُٹھ گئے تو زمین کی روشنی رخصت ہو جائے گی کیونکہ آپ طالبان ہدایت کے لیے نشان راہ اور مومنین کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجیے۔ میں خود بھی اسی خط کے پیچھے آ رہا ہوں۔ والسلام"۔

عون و محمد یہ خط لے کر امامؑ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور راستے میں امامؑ سے جا کر ملحق ہوئے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۱۹)

عمرو بن سعید نے عبداللہ بن جعفرؓ کے اصرار سے امان نامہ تحریر کیا اور اسے اپنے بھائی یحییٰ کے ساتھ عبداللہؓ کے پاس بھیجا۔ عبداللہ، یحییٰ کے ساتھ اس تحریر کو لیے ہوئے مدینے سے روانہ ہوئے اور جب امامؑ منزل ذات عرق پر پہنچے تو عبداللہؓ اور یحییٰ وہاں آ کر امامؑ سے ہمکلام ہوئے اور وہ تحریر امامؑ کے سامنے پیش کی۔ حضرتؑ نے اُن کی رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ: "میرے لیے اب مدینہ میں قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور عمرو بن سعید کے نام اُس تحریر کا جواب لکھ کر اُن کے سپرد کیا۔ عبداللہؓ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس سفر میں ساتھ نہ جا سکتے تھے۔ اُنھوں نے عونؓ و محمدؓ کو حضرتؑ کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود مدینہ واپس چلے گئے۔
(ابصار العین ص ۳۹)

اسی لیے محمد بن عبداللہؓ کے متعلق زیارت شہداء میں حسب ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں

کر:

- السلام علی محمد بن عبداللہ بن جعفر الشاهد مکان ابیه والتالی لاخیه وواقیه ببدنه لعن الله قاتله عامر بن نهشل التمیمی۔

اس میں محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ کے لیے کہا گیا ہے ''اپنے والد کے قائم مقام'' اس کے معنی غالباً یہی ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے دونوں فرزندوں کو بحیثیت قائم مقام کے حضرتؑ کی نصرت کے لیے ساتھ کیا تھا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ جب واقعۂ کربلا کے حالات کی اطلاع مدینہ میں ہوئی اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عونؓ و محمدؓ کی شہادت کی خبر بھی گئی لوگ عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس تعزیت کے لیے آنے لگے۔

اس موقع پر اُن کے غلام ابوالسلاس نے کہا کہ:

''یہ نتیجہ ہے جو ہم کو حسین کے ہاتھوں حاصل ہوا''۔

عبداللہ نے اُس غلام کو جوتا کھینچ کر مارا اور کہا:

''او حرام زادے تو حسین علیہ السلام کے لیے ایسا کہتا ہے۔

خدا کی قسم! اگر میں اُن کے ساتھ موجود ہوتا تو میں بھی اپنی جان نثار کرتا اور مجھے تو یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ میرے دونوں فرزند میرے بھائی کے ساتھ کام آئے اور اُنھوں نے وفاداری اور استقلال کے فرض کو انجام دیا''۔

پھر آپؓ دوسرے حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا ''شکر ہے اُس خدا کا جس نے شہادت حسین علیہ السلام میں مجھے سرخرو رکھا۔ اور اگر میں خود حسین علیہ السلام کی نصرت نہ بھی کر سکا تو میں نے اپنے دونوں فرزندوں کے ساتھ اُن کی مدد کی''۔

اس واقعے کو شیخ مفید طاب ثراہ نے الارشاد میں درج کیا ہے۔

(تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۳۸)

ابن شہر آشوب نے عبدالرحمٰن بن عقیلؓ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد محمد بن

عبداللہ بن جعفر رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے اور انھوں نے دس آدمی فوج دشمن میں سے قتل کیے۔ اُن کو عامر بن نہشل نے شہید کیا۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۶)

صاحب ناسخ نے احمد بن محمد عقیلؑ کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

آنوقت نوبت باولاد جعفر طیار رضوان اللہ علیہ افتاد نخستیں محمد بن عبداللہ بن جعفر بود کہ آہنگ مفارقت کرد۔

طبری نے صرف اتنا لکھا ہے کہ "عامر بن نہشل تیمی نے محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالبؑ پر حملہ کیا اور انھیں شہید کر ڈالا"۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۶)

زیارت شہدا کے جو الفاظ شروع میں درج کیے گئے ہیں اُن میں یہ فقرہ خاص توجہ کا مستحق ہے۔

"الشاهد لمكان ابيه والتالى لاخيه وواقيه ببدنه"

اس سے پہلے جزو کی شرح پہلے درج ہو چکی ہے۔ بے شک! وہ نصرت حسین علیہ السلام میں اپنے والد کے قائم مقام تھے۔

مگر دوسرا جزو اس میں (لاخیه) کی ضمیر اگر (ابیه) کی طرف راجع ہو تو کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوتی مطلب یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد کی قائم مقامی کی اور اُن کے بھائی (یعنی امام حسین علیہ السلام) کی پیروی کی اور اپنے جسم کو اُن پر فدا کیا۔ لیکن اگر یہ ضمیر خود اُن کی طرف راجع ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ: "اپنے بھائی کی پیروی کرنے والے اور اپنے جسم کو اُن کی سپر قرار دینے والے"۔

اس صورت میں یہ ایک مخصوص چیز ہے جو کسی واقعے کا پتا دیتی ہے۔

میر انیسؔ اور اُن کے خاندان کے لوگوں نے اپنے مرثیوں میں عونؑ ومحمدؑ کا ایک ساتھ میدان جنگ میں جانا تحریر کیا ہے اور عونؑ کو محمدؑ سے بڑا بتلایا ہے۔

اس فقرے کا مضمون اسی مرثیہ کی روایت پر منطبق ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ عونؑ میدان جنگ میں گئے اور اُن کے پیچھے پیچھے محمدؑ گئے اور جنگ میں وہ اپنے بھائی کی حفاظت کرتے رہے

اور اُن کے سامنے سینہ سپر ہو کے دشمنوں کو قتل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور اُن کے بعد عونؑ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر میرے زیرِ نظر تمام ماخذ اس روایت سے خالی ہیں۔

سلیمان بن قتہ کے اُس قصیدے میں جس کے دو شعر اولادِ عقیلؑ کی تعداد کے باب میں پہلے نقل ہو چکے ہیں اور جسے صاحب تاریخ نے سراقۂ باہلی یا مسلم بن قتیبہ کی طرف منسوب کیا ہے عونؑ و محمدؑ کی شہادت کا خصوصیت کے ساتھ ان الفاظ میں ذکر ہے کہ:

و اندبی ان ندبت عونا اخاهم
لیس فیما ینوبهم بخذول
و سمی النبی غودر فیهم
قد علوه بصارم مصقول

''اور اگر روتا ہے تو اُن کے بھائی عونؑ کو رو جو بڑے ثابت قدم اور وفادار تھے اور رسول ﷺ کے ہم نام (محمدؑ) وہ بھی میدان جنگ میں شہید ہوئے اور اُن پر صیقل شدہ تلوار کی ضرب لگائی گئی''۔

گذشتہ روایت کی بنا پر جو آپ کے سامنے محمدؑ کی شہادت کے بارے میں پیش ہوئی ہیں اور جو عونؑ کے حالات میں آپ کے سامنے آئینگی کسی طرح یہ پتا نہیں چلتا کہ عونؑ و محمدؑ کمسن تھے مگر مرثیہ گو شعرا نے اُنھیں کمسن ہی قرار دیا ہے۔

علامہ کھوری نے اپنی کتاب ''مائتین فی مقتل الحسین'' ج ۱ ص ۲۲۲ میں واقعۂ کربلا کے خصائص میں لکھا ہے کہ:

- قد شرح الجهاد فی واقعة علی الصبیان مثل عون و محمد و غیرهم بل علی الاصاغر کعبد الله بن الحسن روحی له الفدا۔

''اس واقعے میں جہاد بچوں تک پر واجب تھا جیسے عونؑ و محمدؑ وغیرہ بلکہ ان سے بھی کم سن بچوں پر جیسے عبداللہ بن الحسنؑ''

یہاں عونؑ و محمدؑ کو بچے کہا گیا ہے مگر عبداللہ بن الحسن کو ان سے بھی کم سن بتایا کیا گیا ہے۔

اب چونکہ عبداللہ امام حسنؑ کے فرزند ہیں امام حسنؑ کی شہادت سے واقعۂ کربلا تک دس برس یقینی ہیں لہٰذا عبداللہؑ کی اس سے کم عمر نہیں ہو سکتی اور عونؑ و محمدؑ کا سن چونکہ اُن سے زیادہ جتلایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ گیارہ اور چودہ برس کے درمیان میں قرار پائینگے مگر میرے خیال میں یہ بیان کسی تاریخی شہادت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُسی شہرت کا نتیجہ ہے جو عونؑ و محمدؑ کے سن کے متعلق عام طور سے مرثیہ گویوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

13۔ عون بن عبداللہ بن جعفرؓ

حضرت زینب بنت علیؑ کے فرزند تھے۔ اس لیے یہ امام حسین علیہ السلام کے چچازاد بھائی کے فرزند ہونے کے علاوہ آپؑ کے بھانجے بھی تھے۔

جس طرح عوام کی وہ شہرت کہ عونؑ و محمدؑ دونوں جناب زینبؑ کے فرزند تھے درست نہیں ہے۔ اسی طرح بعض خواص کا یہ خیال کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی جناب زینبؑ کے بطن سے نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ کعنوری ''مائتین'' ج ۱ ص ۶۲۳ میں لکھتے ہیں:

" امّا عون وجعفر فهما ليسا من ابنا زينب بل فوّضهما ابوهما وهو عبدالله بن جعفر زوج زينب ليفد يهما على اخيها كما عليه الاصحاب و امّا على الزينبى فلست ادرى الى يومى هذا انّه ماعاقه عن المسير معها فى سفر العراق."

''عونؑ و جعفرؑ دونوں جناب زینبؑ کے فرزند نہیں ہیں بلکہ ان کو اُن کے والد بزرگوار عبداللہ بن جعفر نے جو جناب زینبؑ کے شوہر تھے سپرد کیا تھا تا کہ وہ اُن کے بھائی پر فدا ہوں جیسا کہ ہمارے علما کا خیال ہے۔ رہ گئے علی زینبی (جو جناب زینبؑ کے بطن سے تھے) تو اب تک میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ وہ کس وجہ سے جناب زینبؑ کے ساتھ اس سفر میں نہ جا سکے تھے؟''

اس میں ایک تو دھوکا ناموں میں ہوا ہے کہ "عونؓ و محمدؓ" کو "عونؓ و جعفرؓ" لکھا گیا ہے۔
حالانکہ اس سے قبل جو عبارت درج ہو چکی ہے اُس میں خود مامقانی (ج ۱ ص ۲۲۲) میں عونؓ و محمدؓ مذکور ہے۔ اس کے علاوہ علما کی طرف جو نسبت دی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔
چنانچہ ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ:

"عون بن عبد الله بن جعفر بن ابیطالبؑ و امه زینب العقیلة بنت علی بن ابیطالبؑ و امها فاطمةؑ بنت رسول اللهﷺ"

علامہ مامقانی نے محمد بن عبد اللہ بن جعفرؓ کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

"ان بعض الفضلاء زعم ان محمدا امه زینب بنت علی امیر المؤمنینؑ و هو مما یأبی عنه التاریخ انما ابنها عون"

"بعض فضلا نے خیال کیا ہے کہ محمد کی والدہ زینبؑ دختر امیر المومنینؑ تھیں، یہ تاریخ کے خلاف ہے۔ جناب زینبؑ کے فرزند تو بس عون تھے"۔
مؤلف ابصار العین اور علامہ سید محسن عاملی مصنف اعیان الشیعہ بھی اسی کے مؤید ہیں۔ اس لیے اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔
ابن شہر آشوب نے عون بن عبد اللہ بن جعفرؓ کی جنگ اُن کے بھائی محمدؓ کے بعد لکھی ہے اور لکھا ہے کہ "اُن کو عبد اللہ بن قطبہ طائی نے شہید کیا"۔
زیارت شہداؑ میں اُن کے قاتل کا نام عبد اللہ بن قطبۃ النبہانی لکھا ہے۔
صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:

"بدست عبداللّٰه بن بطه بطائی شهید شد و بعضی قاتل اورا عبداللّٰه بن قطنة النبهانی دانند"

مگر یہ اختلاف جسے صاحب ناسخ نے دکھلایا ہے کوئی چیز نہیں ہے۔
"نبہان" خود "قبیلۂ طے" کی شاخ ہے۔ اس لیے جو نبہانی ہوگا اُسے طائی کہنا درست ہوگا۔ رہ گیا نام تو ظاہر ہے کہ صاحب ناسخ نے دھوکا کھایا ہے وہ "عبد اللہ بن قطبہ" کا

لفظ ہے جسے اُنھوں نے عبداللہ بن بطہ اور عبداللہ بن قطبہ درج کیا ہے۔

طبری نے لکھا ہے:

"حمل عبد الله بن قطبة الطائی ثم البنهانی علی عون بن عبد الله بن جعفر فقتله"۔

عبداللہ بن قطبہ طائی بنہانی نے عون بن عبداللہ بن جعفر پر حملہ کیا اور اُنھیں شہید کر ڈالا"۔

14۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفرؓ

ابن شہر آشوب نے عون بن عبداللہؓ کے بعد لکھا ہے کہ:

"وروی ان عبيدالله بن عبدالله واخاه قتله بشر بن خويط القابضي"۔

"کہا گیا ہے کہ عبیداللہ بن عبداللہ اور ان کے بھائی کو بشر بن خویط قابضی نے شہید کیا"۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۶)

پھر اُن شہدائے کربلاؓ کی فہرست میں جو خاندان بنی ہاشم سے تھے لکھا ہے کہ تین فرزند جعفرؓ کے تھے محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ، عون الاکبر بن عبداللہؓ اور عبیداللہ بن عبداللہؓ"۔

(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

صاحب ناسخ بھی لکھتے ہیں کہ:

"عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفر نیز جماعتی گویند در یوم طف ملازمت حضرت حسین علیہ السلام را داشت و دراں واقعہ شہادت یافت"۔

(ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۱)

علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ اُن کی والدہ خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف قبیلۂ بنی بکر بن وائل سے تھیں اور وہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے"۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۳۹)

علامہ سید محسن عاملی نے بھی اُن کا نام شہدائے بنی ہاشمؑ کی فہرست میں درج کیا ہے۔
(اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۱)

پھر بھی میں ان بیانات سے مطمئن نہیں ہوں اس لیے کہ زیارت شہداؑ اور دوسرے معتبر ماخذ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

بعض کتب میں عونؓ و محمدؓ فرزندان جعفرؓ کی شہادت بھی کربلا میں مذکور ہے مگر جیسا کہ میں نے ''محاربہ کربلا ص ۷۹'' پر لکھا ہے، یہ درست نہیں ہے محمد بن جعفرؓ جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ اور عونؓ اس کے بھی بہت پہلے شہید ہو چکے تھے۔ کربلا میں جو عونؓ و محمدؓ شہید ہوئے ہیں وہ عبداللہ بن جعفرؓ کے فرزند ہیں اور جعفرؓ کے پوتے ہیں۔

15۔ قاسم بن محمد بن جعفرؓ

علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں ان کا ذکر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ یہ اپنے چچازاد بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہے اور کبھی آپؑ سے جدا نہیں ہوئے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کی صاحبزادی ام کلثوم الصغریٰ جو جناب زینبؑ کے بطن سے تھیں اور جن کے ساتھ معاویہ نے اپنے فرزند یزید کا پیغام دیا تھا اور اس کا ایک طولانی قصہ ہے جو اپنے محل پر مذکور ہوگا۔ ان اُم کلثوم کے ساتھ امام حسین علیہ السلام نے قاسمؒ کا عقد کر دیا تھا۔ قاسمؒ اپنی زوجہ کے ساتھ واقعۂ کربلا میں موجود تھے۔ عون بن جعفرؓ کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں آئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۴)

اس روایت کے تمام اجزا میرے نزدیک نوادرات میں سے ہیں اور سوائے اس کتاب کے میری نظر سے کہیں نہیں گذرے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا اصلی ماخذ کیا ہے اور وہ کہاں تک درست ہیں؟

16۔ عبداللہ بن ابی سُفیان بن الحارث بن عبدالمطلبؑ

ان کی کنیت ابوالہیاج تھی اور ان کی والدہ کا نام نسمہ بنت ہمام بن الارقم الاسدیہ تھا۔ حافظ بن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب میں اُن کے حالات درج کیے ہیں اور لکھا ہے کہ بغوی نے اُن کو اصحاب رسولؐ میں ذکر کیا ہے اور واقدی نے مقتل حسینؑ میں لکھا ہے کہ ابوالہیاج، حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ (اصابہ فی معرفۃ الصحابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۲۰)

علامہ سید علی خاں مدنی نے بھی کتاب ''الدرجات الرفیعہ فی طبقات الشیعہ'' میں واقدی کا یہ قول نقل کیا ہے، اور علامہ سید محسن عاملی نے بھی واقدی ہی کا حوالہ دیا ہے۔

(اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۳۶۳)

بہر حال اس کی سند صرف واقدی کا قول ہے بے شک! واقدی بہت بڑا مورخ ہے۔ لیکن اس صورت میں کہ جب تمام دوسری تاریخیں اور مقاتل اس سے خالی ہیں۔ تو صرف واقدی کے بیان پر قطعی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ واقعہ ہو کہ عبداللہ بن ابی سفیان کربلا میں شہید ہوئے ہیں تو یہ اس حیثیت سے بھی ایک نادر چیز ہے کہ واقعۂ کربلا میں جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ بنی ہاشم جتنے تھے تمام ابوطالبؑ کی اولاد سے تھے اور بنی ہاشم کے دوسرے گھرانوں میں سے کوئی فرد موجود نہ تھا لیکن یہ صرف عبداللہ بن ابی سفیانؒ کی خصوصیت سمجھی جائیگی کہ وہ اولاد حارث بن عبدالمطلب سے تھے اور اس واقعے میں شہید ہوئے۔

17۔ عبداللہ بن الحسنؑ بن علی بن ابی طالبؑ

ابن شہر آشوب نے اولاد عقیلؒ وجعفرؒ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ ان کے بعد عبداللہ بن الحسنؑ میدان جنگ میں گئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

ان تنکرونی فانا فرع الحسن
سبط النبی المصطفٰی و المؤتمن

هٰذا حسين كالاسير المرتهن
بين الناس لاسقوا صوب المزن

انھوں نے چودہ آدمی قتل کیے اور آخر ہانی بن شبیت حضرمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔
دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ امام حسنؑ کے چار فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ ان میں سے ایک عبداللہؑ تھے۔
صاحب ناسخ نے عبداللہؑ کی شہادت جناب قاسمؑ کے بعد درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"بعدازوے عبداللہ اکبربن حسن بمیدان آمد و مکنی بابی بکر بود ایں ارجوزہ قراءت کرد"۔

ان تنكروني فانا ابن حيدره
ضرغام اجام و ليث قسوره
على الاعادى مثل ريح صرصرة
اكيلكم بالسيف كيل السندرة

"وحملہ افگند و رزمی صعب دادوچہاردہ تن از فرسان سپاہ را بضرب سیف وبسنان تباہ ساخت ناگاہ مردی کہ اُورا ہانی بن شبیت حضرمی بناسند مغافصة بروی قباحت و اُورا مقتول ساخت"

عبداللہؑ کے نام کے ساتھ اکبر کا لفظ اس لیے ہے کہ عبداللہ بن الحسنؑ ایک کمسن بچے کی شہادت تمام شہدا کے بعد اُس وقت نقل ہوئی ہے کہ جب سید الشہدا زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لا چکے تھے۔
اسی لیے صاحب ناسخ نے عبداللہ اکبر کے حال کے آخر میں لکھا ہے:
"و شرح شہادت عبداللہ اصغر را ہنگام شہادت امام حسین علیہ السلام مرقوم خواہیم داشت"

صاحب ناسخ نے لکھا ہے کہ عبداللہ اکبرؑ جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے قاسمؑ سے زیادہ عمر رکھتے تھے، مگر سلسلۂ شہداءؑ میں قاسمؑ کے بعد شہید ہوئے۔

ابن شہر آشوب کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اُنھوں نے اولاد امام حسنؑ میں عبداللہؑ کو سب سے پہلا مقتول قرار دیا ہے۔

ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں عبداللہ بن الحسنؑ کے زیر عنوان اُس کمسن بچے کا تذکرہ ہے جو شہادت امام حسین علیہ السلام کے موقع پر شہید ہوا ہے۔ مگر عبداللہ اکبرؑ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیز دوسرے معتبر ماخذ بھی اس ذکر سے خالی ہیں اور زیارت شہداءؑ میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں عبداللہ کا جو رجز مذکور ہوا ہے وہ وہی ہے کہ جو جناب قاسمؑ کے حالات میں درج ہوگا۔

صاحب ناسخ نے عبداللہ کا رجز دوسرا لکھا ہے مگر وہ امیر المومنین علیہ السلام کی جنگ خیبر والا رجز ہی میں تھوڑے سے تصرف کے ساتھ تیار ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنایا ہوا رجز ہے۔

18۔ قاسم بن الحسنؑ

اس شہید کو گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے واقعۂ کربلا میں خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

جناب قاسمؑ کی والدہ کے متعلق میرے زیر نظر کتابوں میں کوئی خاص تفصیل نہیں ہے۔

ابن شہر آشوب نے امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے بیان میں لکھا ہے:

''عبداللہ و عمر و القاسم امھم ام ولد''۔ (مناقب ج ۳ ص ۵۸)

علامہ سید محسن عاملی کے بھی الفاظ یہی ہیں۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۴۰)

ابصار العین میں پہلے ابوبکر بن الحسنؑ کا ذکر ہے اور ان کے متعلق لکھا ہے کہ ''اُن کی والدہ ام ولد تھیں''۔ پھر جناب قاسمؑ کے حال میں لکھا ہے کہ ''وہ اور ابوبکر بن الحسنؑ ایک ہی والدہ

کے بطن سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اُن کی والدہ کا نام رملہ تھا"۔ (ابصار العین ص ۳۶)

عام طور سے جو جناب قاسمؑ کی والدہ کا نام "اُم فروہ" مشہور ہے اس کا کوئی ثبوت میری نظر سے نہیں گذرا۔

سِن:

جناب قاسم علیہ السلام کی کمسنی کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ یقیناً نکلتا ہے کہ وہ تمام دوسرے میدان جنگ میں جا کر لڑنے والے شہیدوں میں کمسن تھے۔

طبری کی روایت میں ہے کہ:

- خرج الينا غلام كان وجهه سقة قمر فى يده السيف عليه قميص وازار ولغلان قد انقطع شسع احدهما ما انسى انها اليسرى"۔

راوی کہتا ہے کہ:

"ایک لڑکا فوج حسینی سے ہماری طرف متوجہ ہوا کہ گویا اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور وہ ایک قمیص ایک پائجامہ اور دو جوتیاں پہنے تھا جن میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے خوب یاد ہے کہ وہ بائیں طرف والا تسمہ تھا"۔

اس میں "غلام" کا لفظ اگرچہ نابالغی کی دلیل نہیں ہے کیونکہ مجازاً یہ لفظ جوانی کی حدود تک بولا جاتا ہے۔

چنانچہ یہی لفظ جناب علی اکبرؑ کی نسبت وارد ہوا ہے۔ مگر یہ شان کہ کرتہ اور پائجامہ پہنے ہوئے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹا ہوا کمسنی کا پتا دیتا ہے یہ قابل توجہ امر ہے کہ تمام دوسرے شہید اسلحۂ حرب سے آراستہ تھے لیکن جناب قاسمؑ کے جسم پر جنگ کا لباس نہ تھا۔

اس سلسلے میں حضرت بحر العلوم جناب علن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی یہ توجیہ مشہور ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معلوم ہوتا ہے عرب میں اس سن کے بچوں کی زرہ تیار ہی نہ ہوتی تھی اور اس لیے جناب قاسمؑ اُسی معمولی لباس میں تھے جو بچوں کا عموماً ہوتا ہے

بحار وغیرہ میں جناب قاسمؑ کی نسبت ہے:

"ھو غلام لم یبلغ الحلم"

''وہ کمسن تھے اور سن بلوغ تک نہ پہنچے تھے''۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:

''جناب قاسم علیہ السلام باتفاق علمائے سیر حدود تکلیف را مالک ومشرف نبود اگر چہ من بندہ ایں خبر را استوار نمی دارم لکن در تقویت خرد سالی قاسم می نگارم کہ در تذکرۃ الائمہ مسطور است کہ قاسم در یوم طف نہ سالہ بود''۔

یہ نو سال کی عمر کی روایت تو بہر حال درست نہیں ہے اس لیے کہ امام حسن علیہ السلام کی شہادت سے واقعۂ کربلا تک دس برس کی مدت ہے اس لیے امام حسن علیہ السلام کے کسی فرزند کی عمر اس سے کم نہیں ہو سکتی پھر اگر عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت کو جس کا تذکرہ بعد میں آئیگا امام حسینؑ کے گھوڑے سے زمین پر تشریف لانے کے بعد تسلیم کیا جائے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ عبداللہ سب میں کم سن تھے اور جناب قاسمؑ کا سن اُن سے یقیناً زیادہ تھا تو جناب قاسمؑ کی عمر کم از کم بارہ برس کی ضرور ہوگی۔ بہر حال موقع جنگ کے لحاظ سے یہ عمر بھی کم ہے اور اس عمر پر تمام اُن روایات کا انطباق ہو سکتا ہے جو جناب قاسمؑ کی کمسنی کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔

امام حسن علیہ السلام کی وصیت:

شرع میں وصیت کرنا مستحب ہے لیکن وصیت کے قبول کرنے کے بعد اس پر عمل کرنا دوسرے شخص پر واجب ہے۔

امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام ان دونوں بھائیوں میں آپس میں وہ محبت تھی جو تمام دنیا کے بھائیوں کے لیے ایک کامل نمونہ ہے۔

والدین کی محبت کا بہت بڑا نتیجہ اولاد کی باہمی شادی کا ہونا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ''محاربہ کربلا ص ۶۷'' میں لکھا ہے، بہر حال شادی کے لیے جس طرح کی بھی اخلاقی وروحانی

خصوصیتوں کی ضرورت ہے وہ ایک امامؑ کے فرزند کے واسطے ایک امامؑ کی دختر سے زیادہ نہیں مجتمع ہو سکتیں۔

اسی لحاظ سے امام حسن علیہ السلام نے آخری وقت اپنے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام سے یہ وصیت کی تھی کہ اُن کے بڑے فرزند حسن مثنیٰ کا عقد امام حسین علیہ السلام کی بڑی دختر کے ساتھ اور اُن چھوٹے فرزند قاسم کا عقد اپنی چھوٹی دختر کے ساتھ کیا جائے۔

امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنے بھائی کی اس آخری وصیت کو منظور کر لیا تھا اور اس طرح یہ وصیت کا نافذ کرنا اُن کے لیے واجب العمل ہو گیا تھا۔

اس وصیت کا پہلا جزو بالکل متفق علیہ ہے۔ صاحب ناسخ بھی لکھتے ہیں کہ حسن مثنیٰ کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق مدینہ میں کر دیا تھا مگر دوسرے جزو کے متعلق اختلاف کیا جاتا ہے حالانکہ درایۃً وہ اُسی طرح قابل قبول ہے جس طرح پہلا جزو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس وصیت کے متعلق جو کچھ بھی عقلی شکوک ہو سکتے ہیں اُن کا دفعیہ میں نے ''محاربہ کربلا'' میں تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایک وصیت قاسمؑ کو بھی کی تھی اور چونکہ قاسمؑ اُس وقت بہت کمسن تھے اس لیے زبانی کہنے کے بجائے آپؑ نے تعویذ بطور وصیت قاسمؑ کے بازو پر باندھ دیا تھا تاکہ قاسمؑ کی والدہ اس کے بعد قاسم کو بتلائیں کہ اس تعویذ کا منشا کیا ہے؟

اس تعویذ میں یہ تحریر تھا کہ جب واقعۂ کربلا درپیش ہو اور تمھارے چچا پر مصیبت کا وقت پیش آئے تو اپنی جان حسین علیہ السلام پر نثار کرنا۔

میرے دوست نیاز فتحپوری نے جو ملک کے مؤقر رسالہ ''نگار'' کے مدیر ہیں۔ میرے رسالہ ''محاربہ کربلا'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اس جزو پر خاص توجہ کی ہے اور اُنھوں نے تعریضاً لکھا ہے کہ اس رسالہ میں معجزات و کرامات کا بھی تذکرہ ہے۔

مجھے اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہے کہ محترم مدیر نگار کے مسلک پر جو وہ الہیات

ونبوات کے سلسلے میں اختیار کیے ہوئے ہیں اور جن کی بنا پر معجزات واخبار غیبیہ کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی، یہ روایت یقیناً قابل قبول نہیں ہے۔ مگر میں کہ جو اپنے محترم دوست کے ساتھ اُس مسلک میں متفق نہیں ہوں، کیسے مجبور کیا جا سکتا ہوں کہ میں واقعات کو اُن ہی کے زاویہ نگاہ کی عینک لگا کر دیکھوں؟

میں سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بہت سے واقعات اور بالخصوص واقعۂ کربلا کی پیشین گوئی کا ہونا ایک ایسی مسلمہ روایت ہے جو اعتقادیات سے گذر کر تاریخی حقائق کے حدود میں آ گئی ہے اور اس لیے واقعۂ کربلا کے متعلق کوئی اس طرح کی پیش بندی ہرگز واقعہ کے خلاف نہیں سمجھی جا سکتی۔

طلب رخصت:

روز عاشور جب اعزائے امامؑ کی باری آ چکی تھی اور اولاد عقیل و اولاد جعفر شہید ہو چکی۔ اب امام حسنؑ کی اولاد کی باری آئی۔

ابن شہر آشوب کی روایت کی بنا پر قاسمؑ کے بڑے بھائی عبداللہ بھی شہید ہو چکے تو قاسمؑ خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور اجازت جہاد طلب کی۔

تاریخ گواہ ہے کہ علی اکبرؑ کو میدان جنگ بھیجنے میں امامؑ کی جانب سے ذرا بھی توقف نہیں ہوا لیکن قاسمؑ کی اجازت پر امامؑ نے اس درجہ تامل فرمایا کہ ظاہری اسباب سے قاسمؑ کو مایوسی ہو گئی اور وہ محزون و مغموم ہو کر خیمے کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے مگر امام حسنؑ کے ہاتھ کا ایک تعویذ جوان کے بازو پر بطور وصیت نامہ کے بند ھا تھا اُسے کھول کر پڑھنے کا خیال آ گیا وصیت نامے کو پڑھ کر ان کے دل کو ڈھارس ہوئی اُس میں آج ہی کے دن کی پیشین گوئی تھی اور قاسمؑ کو اپنی جان نثار کرنے کی ہدایت تھی۔

جناب قاسمؑ کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اُنھوں نے اسی کو اپنے چچا کی خدمت میں بطور سفارش اجازت جہاد کے لیے پیش کیا جس کے بعد امامؑ کو یقین ہو گیا کہ اب قاسمؑ رک نہیں سکتے۔

عقد:

آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کو کیا وصیت کی تھی؟ اب تک قاسمؑ کی کمسنی کی وجہ سے اور ظاہری اسباب کی بنا پر اُس وصیت کے نافذ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن اب اس وقت جبکہ قاسمؑ دنیا سے رخصت ہونے کے لیے آمادہ ہیں تو ظاہری اسباب کے لحاظ سے اُس وصیت کے نافذ کرنے کا وقت منطبق ہوگیا ہے۔ جو امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائی کو کی تھی۔

اگر امامؑ اس وقت اس کی تکمیل نہ کریں تو ایک بہت بڑا اسلامی فرض تشنۂ عمل رہ جائے۔ اس لیے امامؑ نے اُس تعویذ کو دیکھنے کے بعد اب قاسمؑ کو روکنے کا تو محل نہ پایا لیکن آبدیدہ ہو کر یہ فرمایا کہ:

"اچھا! تم اپنے والد بزرگوار کی وصیت پر عمل کرو مگر مجھے بھی تو بھائی کی ایک وصیت ہے اُس کو مجھے پورا کرنا چاہیے"۔

یہ فرما کر قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا اور خیمے کے اندر لائے۔ تبرکات کے صندوق میں سے بزرگوں کا لباس نکالا اور وہ قاسمؑ کو پہنا کر اُس صاحبزادی کا جو قاسمؑ کو منسوب تھیں اس کا عقد قاسمؑ کے ساتھ پڑھ دیا"۔

اس واقعے کو اتنے کثیر التعداد علما نے لکھا ہے جن کے متعلق شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک غلط اور بے اصل واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کرینگے۔

اس سلسلے میں عام طور پر جو شکوک پیش کیے جاتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے صرف دو صاحبزادیاں تھیں ایک کا عقد حسن مثنیٰ کے ساتھ ہو چکا تھا اور ایک کمسن تھیں۔ اب وہ کون سی صاحبزادی تھیں جن کے ساتھ جناب قاسمؑ کا عقد ہو سکتا تھا؟

مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر محققین کے قول کے مطابق امامؑ کی چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک مدینہ میں چھوڑ دی گئی تھیں اور تین آپؑ کے ساتھ موجود تھیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس واقعے کی ابتدا ملا حسین واعظ کاشفی سے ہوئی ہے جنھوں

نے روضۃ الشہدا میں اس واقعے کو درج کیا ہے اور ان کے علاوہ کسی مصنف نے نہیں لکھا ہے۔

مگر جب علامہ فخر الدین طریحی اور علامہ سید ہاشم بحرینی کی مندرجہ روایت کا روضۃ الشہدا کی روایت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے بہت سے جز و روضۃ الشہدا سے مختلف ہیں جس کی بنا پر یقین ہو جاتا ہے کہ اُن کا ماخذ روضۃ الشہدا نہیں ہے۔

اس بحث کو ہمارے بھائی مولانا آغا مہدی صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب ''عبائر الانوار'' (سات جلدوں) میں جو مستقل اسی موضوع پر کئی سو صفحات پر لکھی ہے تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عاشور کا قیامت خیز دن شادی کا نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں شادی کا تصور ''ہندوستانی'' ہے۔

اسلام میں عقد نکاح کوئی رسمی تقریب نہیں ہے جس میں کسی جشن کی ضرورت ہو اور عیش و عشرت کے ہنگامہ کا انتظام ہو۔

شادی ایک آئینی رشتہ ہے جو شرعی قانون کے تحت قائم ہوتا ہے اور امام حسین علیہ السلام کے لیے وہ اُس وقت ایک فرض کی حیثیت رکھتا تھا جسے ادا کرنا ضروری تھا۔

یہ عقد کوئی تقریب خوشی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے حقیقۃً مصیبت کی عظمت اور اُس کی ندرت میں اضافہ کر دیا تھا۔

میں نے جیسا کہ ''محاربۂ کربلا'' میں لکھا ہے کہ یہ عوام کی غلطی اور لفظوں کی کوتاہی ہے کہ وہ جناب قاسمؑ کو ایک شب کا داماد اور فاطمہ کبریٰؑ کو ایک شب کی دلھن کہیں اور اُسے تکیۂ کلام بنالیں حالانکہ حقیقۃً وہ چند لمحوں کا رشتہ تھا جو دنیا میں موت کے ہاتھوں قطع ہو گیا۔

قاسمؑ کو شہادت کا شوق تھا۔ اس لیے وہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ سب سے رخصت ہوئے اور عروس سے بھی رخصت ہوئے میں نے اس موقعے پر قاسمؑ کے دلی احساسات کی ترجمانی ''محاربۂ کربلا'' میں تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ اگر کسی کو اس موقع کی اہمیت کا احساس کرنا ہو تو اُس کتاب کا مطالعہ فرمائے۔

جناب قاسمؑ سب سے رخصت ہو کر خیمے کے باہر چچا کی خدمت میں گئے کہ اب تو کوئی انتظار نہیں رہا۔ اب تو مجھ کو اجازت جہاد دیجیے۔

امامؑ نے اُس وقت (شاید بھائی کو یاد کر کے) بہت گریہ فرمایا۔ قاسمؑ کے عمامے کو اپنے ہاتھ سے باندھا اور اس کے دونوں گوشے سینے پر لٹکا دیے۔ اُن کے پیراہن کو بصورت کفن چاک کر دیا۔

جنگ:

قاسمؑ میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھا:

ان تنکرونی فانا ابن الحسن
سبط النبی المصطفیٰ و الموتمن
ھذا حسین کالاسیر المرتھن
بین الناس لاسقوا صوب المزن

"اگر تم مجھے نہیں جانتے ہو تو اب معلوم کر لو کہ میں حسنؑ کا فرزند ہوں اور پیغمبرؐ کی اولاد میں سے ہوں۔ کیا غضب کی بات ہے کہ یہ حسینؑ تمھارے درمیان مثل قیدی کے محصور ہو گئے ہیں؟۔ خدا کرے ابر باراں اس جماعت کو کبھی سیراب نہ کرے"۔

قاسمؑ نے اپنی کمسنی کے لحاظ سے غیر معمولی خونریز جنگ کی۔

شہادت:

طبری کی روایت ہے کہ "عمرو بن سعد بن نفیل ازدی کی نظر جو قاسمؑ پر پڑی تو اُس نے کہا کہ اس بچے پر میں حملہ کرونگا بعض لوگوں نے روکا بھی مگر اُس نے نہ مانا۔ اور قاسمؑ کے پاس آ کر سر پر تلوار لگائی۔ قاسمؑ منھ کے بل زمین پر گر گئے اور اپنے چچا کو مدد کے لیے آواز دی، حسینؑ بھتیجے کی مدد کے لیے پہنچے اور غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا۔ عمرو بن سعد بن نفیل جو قاسمؑ کا قاتل تھا۔ ابھی پاس موجود تھا۔ آپؑ نے اُس پر تلوار لگائی۔ وہ اُس کے ہاتھ پر پڑی۔

وہ ہاتھ کہنی سے کٹ کر الگ ہو گیا فوج اُس کو بچانے کے لیے ٹوٹ پڑی۔ مشہور ہے کہ اس ہنگامے میں جناب قاسمؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے صدمہ پہنچا"۔

مگر طبری کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"حملت خیل لاھل الکوفة لیستنقذوا عمرا من حسین فاستقبلت عمرا بصدورھا فحرکت حوافرھا و جالت الخیل بفرسانھا علیه فتوطاته حتّٰی مات"۔

اس عبارت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ عمرو بن سعد قاتل جناب قاسمؑ گھوڑوں کی ٹاپوں میں پامال ہوا اور ہلاک ہو گیا۔

جب مجمع منتشر ہوا تو امامؑ، قاسمؑ کے سرہانے کھڑے ہوئے اور حسرت و اندوہ کے ساتھ فرمانے لگے:

"عزّ واللہ علی عمك ان تدعوہ فلا یجیبك ثم لا ینفعك"

"تمھارے چچا پر بڑا ناگوار ہے یہ امر کہ تو اُسے پکارے اور وہ تمھاری خبر نہ لے سکے یا تمھاری آواز پر آئے مگر تجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے"۔

اس کے بعد آپؑ نے خود قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور وہیں کہ جہاں علی اکبرؑ کی لاش پہلے سے موجود تھی قاسمؑ کی لاش کو بھی لا کر لٹا دیا۔

ابن شہر آشوب نے شہدائے اہلبیتؑ کی فہرست میں جناب قاسمؑ کے باب میں عجیب اضطراب سے کام لیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ:

"ایک مرتبہ تو عبداللہ بن الحسنؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے:

"ثم برز اخوہ القاسم"

"پھر اُن کے بھائی قاسمؑ میدان جنگ میں آئے"۔

یہاں قاسمؑ کا رجز انھوں نے یہ لکھا ہے:

انّی انا القاسم من نسل علی

نحن و بیت اللہ اولیٰ بالنّبی

من شمر ذی الجوشن وابن الدعی

لکھتے ہیں کہ ''ان کو عمر بن سعد ازدی نے شہید کیا اُنھوں نے امامؑ کو آواز دی۔ امامؑ نے حملہ کیا اور قاتل کے ہاتھ کو قطع کر دیا۔ اہل شام نے اُس کو امامؑ کے ہاتھ سے چھین لیا''

حضرت، قاسمؑ کے سرہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

"عز علی عمك ان تدعوه فلا یجیبك او یجیبك فلا ینفعك اجابة۔

اس کے بعد پھر امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد میں سے عبداللہ بن علیؑ کے بعد لکھا ہے کہ

''کہا جاتا ہے اس کے بعد اُن کے بھائی قاسمؑ میدان میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

یا عصبة جارت علی نبیّها
وکدرت من عیشها ما قد بقی
فی کل یوم تقتلون سیّدا
من اهله ظلما و ذبحا من قفا

اُن کے سر پر عمرو بن سعید ازدی نے تلوار لگائی امام حسین علیہ السلام نے اُس پر حملہ کیا اور تلوار ماری پھر اُس بچے کے پاس آئے ایسی حالت میں کہ وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور فرمایا:

"بعدا القوم قتلوك وخصمهم یوم القیامة فیك جدّك۔

ہلاکت ہو اُس قوم کے لیے جس نے تمھیں شہید کیا اور اُس کے خلاف دعویدار روز قیامت تمھارے دادا ہونگے۔

یہاں قاتل وہی بتلایا گیا جو قاسم بن الحسن علیہ السلام کا قاتل تھا۔ پھر امامؑ کی زبان سے جو الفاظ منسوب کیے گئے ہیں وہ قاسمؑ بن الحسنؑ ہی کے متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح ''جد'' کہنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ وہ فرزند فاطمہؑ بھی نہ ہو لیکن یہ ظاہر ہے کہ جناب فاطمہؑ کا کوئی فرزند کربلا میں سوائے حسین علیہ السلام کے نہ تھے۔

پھر جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے ''اس کے بعد قاسم بن الحسین علیہ السلام میدان

جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے کہ:

ان تنکرونی فانا ابن حیدرۃ
ضرغام اجام و لیث قسورۃ
علی الاعادی مثل ریح صرصرۃ
اکیلکم بالسیف کیل السندرۃ

یہ وہ رجز ہے جو آپ صاحب تاریخ کی زبانی عبداللہ بن الحسنؑ کے حال میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

مناقب کی یہ عجیب وغریب آشفتہ بیانی ایسی ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قاسمؑ واقعۂ کربلا میں صرف ایک ہی تھے جو قاسم بن الحسنؑ ہیں۔ ان کے علاوہ نہ قاسم بن علی کا کوئی وجود ہے نہ قاسم بن الحسینؑ کا۔ یہ ایسی لغزشیں ہیں جو آج اگر کسی کے قلم سے ہو جائیں تو اُسے بے خبر، جاہل اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دیا جائے گا۔ مگر پرانے زمانے کے لوگوں سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں اور اُن کی کتابوں کو پھر بھی آج لوگ معتبر کتب کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔

19۔ ابوبکر بن الحسنؑ

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر دو جگہ کیا ہے پہلے اولاد امام حسن علیہ السلام کی فہرست میں اور لکھا ہے کہ ان کی والدہ کا نام امّ اسحٰق بنت طلحۃ التیمی تھا۔

پھر اس فہرست کے ختم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اولاد حسنؑ میں تین شہید ہوئے عبداللہؑ، قاسمؑ، اور ابوبکرؑ۔

(مناقب ج ۴ ص ۵۸)

دوسری جگہ شہدائے کربلاؑ کی فہرست میں اولاد امام حسن علیہ السلام کے ذیل میں ابوبکر بن الحسنؑ کا ذکر کیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے ابوبکر بن الحسن بن علیؑ کو تیر لگایا جس سے وہ شہید ہو گئے۔

اسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ:

وعند غنی قطرة من دمائنا

و فی اسد اخری تعدّ و تذکر

قبیلۂ غنی میں تھوڑا سا ہمارا خون ہے اور قبیلۂ اسد میں بھی ہمارا خون ہے جو ہمیشہ یاد رہیگا"۔ (تاریخ طبری ج ٦ ص ٢٥٧)

ابصار العین میں اس شعر کا پہلا مصرع ایک دوسرے مصرعے کے ساتھ سلمان بن قتہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے کہ:

و عند غنی قطرة من دمائنا

سیجزیهم یوما بها حیث حلت

اذا افتقرت قیس جبرنا فقیرها

وتقتلنا قیس اذا النعل زلّت

(ابصار العین ص ٣٦)

زیارت شہداؑ میں اُن کے لیے سلام بھی ہے ان الفاظ میں:

"السلام علی ابی بکر بن الحسن الزکی الولی المرمی بالسهم الردی لعن الله قاتله عبدالله بن عقبة الغنوی"۔

ان اسناد کی بنا پر ابوبکر بن الحسن کی شہادت واقعۂ کربلا میں ایک معتبر حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ مگر اس جگہ صاحب ناسخ کی "دقت نظر" داد کی مستحق ہے۔ وہ شخص جو بے سروپا باتوں کو قرآن وحدیث کی طرح قابل قبول سمجھ لے وہ یہاں اس طرح داد تحقیق دیتا ہے:

"دو تن دیگر از پسرہائے امام حسنؑ را در شمار شہدا یوم طف رقم کردہ اند اگرچہ نام ایشاں ازمیان بیست تن پسرہائے امام حسنؑ

بیروں نیست لکن راویان شہادت ایشاں ہریک در خبر خود متفرد اند لاجرم من بندہ خبر ہریک را باگویندہ می پیوندم دمی نگارم واللّٰہ اعلم نخستیں ابوبکربن حسن است واین ابوبکر بروایت محدثین جز عبداللّٰہ اکبراست کہ مکنی بابوبکر بود چہ درکتاب زیارت قاتل عبداللّٰہ اکبر را حرملۃ ابن کاہل اسدی دانسۃ وابوبکر را مقتول تیر عبداللّٰہ بن عقبۃ الغنوی دانسۃ۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۵)

اس میں جو استدلال پیش کیا گیا ہے اس بات پر کہ ابوبکر، عبداللہ الاکبر کے علاوہ ہیں۔ وہ بالکل کمزور ہے، زیارت شہدأ میں عبداللہ اکبر کا قاتل حرملہ بن کاہل اسدی کو قرار ہی نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ جس عبداللہ کا ذکر زیارت میں ہے وہ عبداللہ اصغر ہیں جو بوقت شہادت امام حسین علیہ السلام خیمے سے باہر آئے ہیں،

رہ گئے عبداللہ اکبرؑ ان کی شہادت کی روایت کو صحیح مانا جائے تو ان کا قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی ہے۔

بہر حال ابوبکرؑ کا عبداللہ کے علاوہ ایک خاص شخصیت ہونا بجائے خود ایک وزنی حقیقت ہے جو صاحب ناسخ کی کمزور دلیل سے بالاتر درجہ رکھتی ہے۔

20۔ بشر بن الحسنؑ

علامہ سید محسن عاملی نے ان کا نام شہدائے بنی ہاشمؑ کی فہرست میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۰)

لیکن میرے زیر نظر کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ معلوم نہیں اس کا ماخذ کیا ہے؟

21۔ احمد بن الحسنؑ

علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں اُن کے نام کا عنوان قائم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُن کی

والدہ ام بشر بنت ابی مسعود الانصاری تھیں۔

وہ اور اُن کی والدہ اور اُن کے بھائی قاسمؑ اور اُن کی دو بہنیں اُم الحسن اور اُم الخیر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے آپؑ کے ساتھ کربلا آئے۔ احمد بن الحسنؑ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ انھوں نے روز عاشورہ بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور آخرکار زخموں سے چور ہو کر شہید ہوئے۔

صاحب ناسخ نے ان کے حالات کو اور زیادہ تفصیل کے ساتھ ابوبکر بن الحسنؑ کے بعد لکھا ہے۔ اُن کی عبارت یہ ہے کہ:

"دیگر بروایت ابی مخنف لوط بن یحیٰی احمد بن حسن بمیدان مقاتلت اسپ افگند او بشجاعت قلب و سماحت طبع و صباحت دیدار داہیہ دہر دحادثۂ عصر بود و اورا سنین عمر از شانزدہ افزوں نبود چوں شیر زخم خوردہ برآشفت و ایں رجز بگفت۔

انّی انا نجل الامام ابن علی
اضربکم بالسیف حتّٰی یفلل
نحن و بیت اللہ اولی بالنّبی
اطعنکم بالرّمح وسط القسطل

باشمشیر چوں شعلہ وسنانی چوں زبان شہاب اسپ برانگیخت ومیمنہ رابامیسرہ ومیسرہ را بامیمنہ درآیخت و در ایں حملہ ہشتادتن سوار نام بردار راعرضۂ ہلاک ودمار ساخت وبحضرت امام علیہ السلام بازتاخت وازغلبۂ عطش بینندگانش درچشمخانہ مغمور بودند آواز داد کہ یاعمّاہ! ھل شربۃ من الماء ابرّد بہا کبدی واتقوٰی بہا علی اعداء اللہ ورسولہ عرض کردکہ: اے عم بزرگوار! آیا بر شربت آبے تواں دست یافت کہ حدت وحرارت کبدرابداں بنشانم ودرمقاتلت دشمنان خداورسول نیرومند گردم

حسین علیہ السلام فرمود: یا ابن الاخ! اصبر قلیلا حتّٰی تلقی جدك رسول الله فیسقیك شربة من الماء لاتظماء بعدها ابدا اے پسر برادر! ساعتی صابر دشکیباباش که ہم اکنوں از دست جدّت پیغمبر بشر بتے سیراب خواہی گشت که ازاں پس ہرگز تشنه لب نخواہی گشت احمد چوں ایں بشنید روئی برتافت و دیگر باره بمیداں شتافت و ایں رجز گفت:

اصبر قلیلا فالمنی بعد العطش
فانّ روحی فی الجهاد تنکمش
لا ارهب الموت اذا الموت وحش
و لم اکن عند اللّقا ذات رعش

ایں بگفت و حمله ہائے ثقیل متواتر کرد و پنجاه تن سوار دیگر را بخاک انداخت انگاه بقراءت ایں اشعار پرداخت.

الیکم من بنی المختار ضرباً
یشیب لهو له راس الرّضیع
یبید معاشر الکفار جمعاً
بکل مهند عضب قطیع

و در ایں حمله شیصت سوار دیگر را بخاک انداخت انگاه شربت شہادت یافت ایں وقت نوبت باشبال شیر پروردگار یعنی فرزندان حیدر کرار افتاد. (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۵)

یہ روایت خود صاحب ناسخ کی نظر میں مشکوک ہے۔ چنانچہ اُن کی عبارت اس باب میں پہلے ذکر ہو چکی ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں اولاد امام حسن علیہ السلام کے ذکر میں احمد کا نام ضرور موجود ہے مگر ان کو ام بشر ابی مسعود کے بطن سے نہیں بتلایا ہے نہ شہدائے کربلا میں اُن کا ذکر کیا ہے۔

ناسخ میں اُن کے حالات جو مذکور ہیں اُن میں سے بعض اجزا دوسری کتابوں میں قاسم بن الحسنؑ کی طرف منسوب ہیں۔

بہر حال یہ روایت میرے نزدیک غیر مستند ہے۔ اور احمد بن الحسنؑ کے واقعۂ کربلا میں شہید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

22۔ ابو بکر بن علیؑ

شیخ طوسی نے کتاب الرجال میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اُن کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ مگر اُن کے شہدائے کربلاؑ میں سے ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

ابن شہر آشوب نے امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد کے بیان میں لکھا ہے "سملا بنت مسروق نہشلیہ کے بطن سے ابو بکر و عبد اللہ تھے"۔ (مناقب ج ۳ ص ۱۶۲)

اس طرح کے نام جیسے ابو بکر۔ عمر۔ عبد الرحمٰن۔ عثمان وغیرہ عرب میں عموماً ہوا ہی کرتے تھے۔ جن سے نامزد لوگ کبھی کافر ہوتے تھے کبھی مومن۔ ایسے عمومی ناموں میں کسی کے ساتھ ہمنام ہونے کا لحاظ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبد الرحمٰن تو خود امیر المومنین علیہ السلام کے قاتل "ابن ملجم مرادی" کا نام تھا۔ مگر یہ نام بھی اولاد امیر المومنینؑ میں رکھا گیا۔ اور اس کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ یہ کس کا نام ہے؟

علامہ مامقانی نے بعض عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ابو بکر بن علی جو کہلاتے ہیں یہ محمد اصغرؑ ابن امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ روز عاشور کربلا میں شہیدؑ ہوئے اور اُن پر زیارت شہداؑ میں سلام موجود ہے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۸۳)

صاحب مناقب نے جناب قاسمؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد ابو بکر بن علیؑ میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

شیخی علی ذوالفخار الاطول
من ھاشم الخیر الکریم المفضل

هٰذا حسين بن النبي المرسل
تفديه نفسي من اخ مبجل

اُنھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ زجر بن بدر جعفی کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے اُن کا قاتل عقبہ غنوی کو بتلایا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۶)

مگر اس کے بعد شہدائے کربلا کی فہرست میں اولاد امیر المومنین علیہ السلام میں جو نو (۹) افراد شہید ہوئے ہیں اُن کی تعداد میں لکھا ہے:

"ومحمد الاصغر وابوبكر شك في قتله"

(مناقب۔ ج ۴ ص ۹۹)

اس میں اگر چہ چھاپہ کی غلطی نہیں ہے تو ایک یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابوبکر۔ محمد الاصغر کے علاوہ ہیں۔

دوسرے یہ کہ ابوبکر کا واقعۂ کربلا میں شہید ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ مشکوک ہے۔

علامہ سید محسن عاملی نے ''اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۴۱ '' میں اُن کا نام عبید اللہ لکھا ہے اور ان الفاظ کو کہ "شك في قتله" یعنی اُن کا قتل مشکوک ہے۔ طبری اور کامل ابن اثیر کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ مناقب کے الفاظ ہیں۔ تاریخ طبری میں اُن کا ذکر ہی نہیں ہے۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:

نوبت باشبال شیر پروردگار یعنی فرزندان حیدر کرار افتاد نخستیں عبداللہ الاصغر وکنیت او ابوبکر است و مادر او لیلیٰ دختر مسعود ابن خالد بن ربعی بن مسلم بن جندل بن نہشل بن دارم التمیمیہ است عزیمت جانبازی را استوار کردہ و از برادر رخصت یافتہ در میدان حرب ارجوزہ کرد"

شیخی علیّ ذوالفخار الاطول
من هاشم الصدق الكريم المفضل

هٰذا حسین ابن النبی المرسل
عند نحاحی بالحسام المصقل
نفدیه نفسی من اخ مبجل

درزمی صعب انگیخت درروضۃ الاحباب مسطور است که بیست ویک تن از کوفیاں را با تیغ درگزرانید بالجملہ قتال داد تابدرجہ شہادت رسید۔ درشناخت قاتل اوگوناگوں سخن کردہ اند۔ درکتاب زیارت مسطور است کہ ہانی بن ثبیت حضرمی اورا شہید کرد درعوالم قاتل اوراز جربن بدر نخفی نگاشتہ اند وجماعتی نسبت قتل او را بعبداللّٰہ عقبۃ الغنوی دادہ اند۔ ابوالفرج گویدنام قاتل اومعروف نیست مدائنی گوید کشتۂ اورا درمیان شہدا جستند وکشندہ را ندانستند از ابو جعفرحدیث کردہ کہ قاتل اومردی ازقبیلۂ ہمدان بود۔ واللہ اعلم (تاریخ التواریخ۔ ج ۶ ص ۲۸۶)

مصنف ابصار العین نے حالات شہداء میں اُن کا ذکر درج کیا ہے۔ مگر اُن کے نام وغیرہ میں اختلاف اقوال کا اشارہ کرتے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ: ''ابوبکر بن علی کا نام محمد الاصغر یا عبداللہ ہے''۔

اُن کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن مالک بن ربعی بن سلمی بن جندل بن نہشل بن دارم بن مالک بن حنظلۃ بن زید مناۃ بن تمیم تھا۔

اوراُن کی والدہ ''عمیرہ بنت قیس بن عاصم بن سنان بن خالد بن منقر سید اہل الوبر ابن عبید بن الحرث'' اوراُن کی والدہ ''عناق بنت عصام بن سنان بن خالد بن منقر'' اوراُن کی والدہ ''اعبد بن ۔۔۔۔ بن منقر'' اوراُن کی والدہ ''بنت سفیان بن خالد بن عبید بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم'' تھیں۔

لیلیٰ کے سلسلۂ اجداد میں سلمی بن جندل ایک وہ شخص ہے جس کی نسبت شاعر کہتا ہے کہ:

یسود اقوام و لیسوا بسادۃ
بل السیّد المیمون سلمی بن جندل

''بہت سے لوگ سردار بنائے جاتے ہیں اور وہ سردار ہوتے نہیں لیکن بہت مبارک سردار سلمیٰ بن جندل ہے''

ابوبکر بن علیؑ کے قاتل میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے۔ زجر بن بدالنخعی۔ کوئی کہتا ہے عقبہ الغنوی۔ کوئی کہتا ہے کہ قبیلۂ ہمدان کا کوئی شخص ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ اُن کو چند آدمیوں نے مل کر شہید کیا جن میں سے ایک عقبہ غنوی ہے۔ (ابصار العین ص ۳۶)

23۔ عمر بن علیؑ

ان کی والدہ ''صہباء بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن العبد بن علقمۃ التغلبیہ'' تھیں۔

مناقب میں اُن کا نام ''ام حبیب بنت ربیعہ التغلبیہ'' لکھا ہے۔

عمدۃ الطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ صہباء التغلبیہ ہی کا نام اُم حبیب ہے۔ ان کے بطن سے عمر الاطرف (جن کا ذکر ہو رہا ہے) اور رقیہ زوجہ جناب مسلم بن عقیلؑ، جڑواں پیدا ہوئے اور یہ امیر المومنینؑ کے سب سے آخری فرزند تھے۔

علامہ مامقانی نے ارباب مقاتل کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ معظمہ اور پھر عراق تک آئے تھے اور اُن کے ساتھ اُن کی والدہ اور اُن کی ہمشیرہ رقیہ اور دونوں بھانجے عبداللہؑ و محمدؑ فرزندانِ مسلم بن عقیلؑ اس سفر میں موجود تھے۔ روزِ عاشور نماز ظہر کے بعد جب عزیزان امامؑ میدان شہادت میں جانبازی کر رہے تھے تو ابوبکر بن علیؑ کے بعد عمر بن علیؑ میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اضربکم و لا ازی فیکم زجر
ذاك الشقی باتبی قد کفر
یا زجر یا زجر تدان من عمر
لعلك الیوم تبوء من سقر
شرّ مکان فی حریق و سعر
لانك الجاحد یا شرّ البشر

(اس رجز میں وہ اپنے بھائی ابوبکر بن علیؑ کے قاتل (زجر بن قیس) کو پکار رہے ہیں اور اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کا اظہار کر رہے ہیں اُنھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ پھر میسرہ کی طرف گئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

خلّوا عداۃ اللہ خلّوا من عمر
خلّوا عن اللیث العبوس المکفھر
یضربکم بسیفہ و لا یفر
و لیس فیھا کالجبال المنحجر

وہ یوں ہی جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کا گھوڑا زخمی ہو کر ہلاک ہو گیا اور پھر وہ خود شہید ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۴۵)

ابن شہر آشوب نے ابوبکر بن علیؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ عمر بن علیؑ میدان جنگ میں آئے اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

خلّو اعداۃ اللہ خلّوا من عمر
خلّوا عن اللیث الھصور المکفھر
یضربکم بسیفہ و لا یفر
یا زجر یا زجر تدان من عمر۔

(اس میں تین مصرعے اس دوسرے رجز کے ہیں اور ایک مصرع پہلی رجز میں سے مذکور ہے) اُنھوں نے اپنے بھائی کے قاتل زجر کو ہلاک کیا۔ پھر فوج کے اندر گھس گئے اور جنگ کر کے شہید ہوئے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۷)

پھر شہدائے اہلبیتؑ کی فہرست میں امیر المومنینؑ کے (۹) فرزند کی تعداد میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

علامہ سید محسن عاملی نے بھی اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۱۴۱ میں نیز فہرست شہدا (۲۵۰) میں اُن کا تذکرہ درج کیا ہے۔

مگر جیسا کہ علامہ مامقانی نے بھی مذکورہ روایت کے درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

''علمائے انساب کے کلمات اس کے بالکل مخالف ہیں۔''

''علامہ ابن عنبہ الداؤدی الحسنی اپنی کتاب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب میں لکھتے ہیں کہ:

''عمر اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے الگ ہو گئے تھے اور آپؑ کے ساتھ کوفہ نہیں گئے۔ حالانکہ حضرتؑ نے اُن کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت بھی دی مگر اُنھوں نے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب اُن کو شہادت امامؑ کی اطلاع ہوئی تو وہ رنگین کپڑے پہنے ہوئے باہر آئے اور اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے اور کہا: ''میں ہوں محتاط اور ہوشیار شخص اگر میں ان کے ساتھ جاتا تو مجھے بھی میدان جنگ میں جانا پڑتا اور میں قتل ہو جاتا''

وہ لکھتے ہیں کہ: "ولا یصح روایة من روی ان عمر حضر کربلا"

''یہ روایت کہ عمر کربلا میں موجود تھے صحیح نہیں ہے''۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ:

''اُنھوں نے عبداللہ بن زبیر کی سب سے پہلے بیعت کی۔ پھر حجاج بن یوسف ثقفی کی بیعت کی اور حجاج چاہتا تھا کہ ان کو حسن مثنیٰ کے ساتھ اوقاف امیر المومنین علیہ السلام کی تولیت میں شریک کر دے مگر اس کا موقع نہ مل سکا۔ عمر کا ۷۷ یا ۷۵ برس کی عمر میں مقام ینبع میں انتقال ہوا''۔ (عمدۃ الطالب مطبوعہ بمبئی ص ۳۲۹)

صحاح الاخبار فی نسب السادۃ الفاطمیۃ الاخیار جو سید عبداللہ محمد سراج الدین ابن عبداللہ الرفاعی المخزومی کی تصنیف ہے اُس میں عمر الاطراف کے متعلق لکھا ہے:

"اخر من مات من بنی الامام علی"

''اولاد امیر المومنین علیؑ میں ان کا سب سے آخر میں انتقال ہوا ہے''

ظاہر ہے کہ یہ اُسی وقت درست ہو سکتا ہے جب واقعۂ کربلا میں اُن کی شہادت کو صحیح نہ سمجھا جائے۔

بہر حال اس روایت کا میرے نزدیک بہت وزن ہے اور اسی لیے ابصار العین فی

انصار الحسینؑ میں جس کے مصنف تحقیق پسند ہیں عمر بن علی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ زیارت شہداؑ میں اُن کا کوئی تذکرہ ہے۔

میں نے بھی صرف اس حقیقت کے اظہار کے لیے اُن کے نام کا عنوان قرار دیا ہے ورنہ اُن کی واقعۂ کربلا میں موجودگی کو میں قطعاً صحیح نہیں سمجھتا ہوں۔

24۔ عون بن علیؑ

ان کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں جو پہلے جناب جعفر طیارؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں، اُن سے عبداللہ بن جعفرؓ کی ولادت ہوئی۔ پھر جناب جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر نے اُن کے ساتھ عقد کیا۔ اُن سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ پھر اُن کے انتقال کے بعد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے عقد میں آئیں۔ اُن سے عون بن علیؑ متولد ہوئے۔ اس طرح عبداللہ بن جعفرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ و عون بن علیؑ سب آپس میں مادری بھائی (برادر اخیافی) یعنی ایک والدہ کے بطن سے تھے (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۸)

بے شک علامہ ابن شہر آشوب نے اولاد امیرالمومنین علیہم السلام میں اُن کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ نہ واقعۂ کربلا میں اُن کی شہادت کو درج کیا ہے صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:

" شہادت عون را دریوم طف در کتب مقاتل مانند بحار الانوار وعوالم واعلام الوریٰ ومنتخب طریحی ومناقب ابن شہرآشوب وخوارزمی و اعثم کوفی ولہوف ومقتل ابومخنف وابن جوزی ومروج الذہب وطبری وفصول المہمہ وشرح شافیہ وزبدۃ الفکرہ عبوس منصوری وکتاب حلائی عبداللہ بن محمد الرضا الحسینی وغیرہ ذلک ازکتب عربیہ وفارسیہ کہ ذکرآں جملہ موجب تطویل است درہیچ یک ازیں کتب شہادت عون بن علی علیہ السلام رانیافتم۔ چوں صاحب روضۃ الاحباب ازاجلّہ علمائے اہلسنت وجماعت است ودرابلاغ روایات موثق است

و در بحر اللئالی ازدی نیز تذکرہ می شود من بندہ نیز بروضۃ الاحباب اقتفا نمودم و باسناد او اکتفا کردم"

اس کے بعد اُنھوں نے عونؑ کی لڑائی اور شہادت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ: ''ارباب سیر و مقاتل نے تصریح کی ہے کہ وہ شہدائے کربلا میں سے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے میدان جنگ میں آئے''

ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو مگر آپ صاحب ناسخ کے حوالے سے مطالعہ کر چکے کہ مولف روضۃ الاحباب اُن کی شہادت کے درج کرنے میں متفرد ہیں۔

اس کے بعد یہ ارباب سیر و مقاتل کون ہیں؟ جن کا حوالہ دیا گیا ہے میں نہیں سمجھ سکتا۔

25۔ ابراہیم بن علی علیہ السلام

ابن شہر آشوب نے اُن کا ذکر شہدائے کربلا کی فہرست میں درج کیا ہے۔

(مناقب ج ۴ ص ۹۹)

صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ:

"محمد بن علی بن حمزہ روایت می کند کہ امیر المومنین علیہ السلام از ام ولد پسری دیگر داشت کہ نام او ابراہیم بود در خدمت حسین علیہ السلام سفر عراق کرد و در یوم الطف شہید شد لکن او دریں خبر متفرّد است و ایں حدیث راجزا زدے کس نشنیدہ است"

26۔ محمد الاوسط ابن علیؑ

والدہ اُن کی امامہ بنت ابی العاص تھیں امامہ کی والدہ زینب جو حضرت رسولؐ کی ربیبہ دختر تھیں۔ امیر المومنین علیہ السلام نے جناب سیدہؑ کی شہادت کے بعد خود معصومہؑ کی وصیت کی بنا پر ان سے عقد کیا تھا۔

محمد الاوسطؒ اپنے والد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام کے بعد اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام اور پھر امام حسین علیہ السلام کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ جب امام مدینہ سے روانہ ہوئے تو یہ کربلا تک حضرتؑ کے ساتھ ساتھ رہے اور روز عاشور میدان جنگ میں جا کر بہت سے دشمنوں کو قتل کیا پھر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۸۳)

طبری نے لکھا ہے کہ قبیلۂ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے محمد بن علی بن ابی طالبؑ کو تیر لگایا جس سے وہ شہید ہو گئے اور وہ اُن کے سر کو جدا کر کے عمر سعد کے پاس لے گیا۔
(تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۷)

زیارت شہداء میں اُن پر سلام ان الفاظ میں ہے:

"السلام علی محمد بن امیر المومنین قتیل الابانی الدارمی۔

ابن شہر آشوب نے اولاد امیر المومنین علیہم السلام میں سے کربلا میں شہید ہونے والے نو (۹) افراد میں "محمد الاصغر" کا نام درج کیا ہے۔ مگر پھر لکھا ہے کہ:

ایک قول یہ ہے کہ "محمد الاصغر فرزند امیر المومنینؑ بیماری کی وجہ سے شہید نہیں ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ بنی دارم کے ایک شخص نے اُن کو تیر لگا کر شہید کیا۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

صاحب ناسخ نے لکھا ہے کہ:

دیگر از فرزندان امیر المومنین محمد الاصغر است که بمیدان مبارزت تاخت وتیغ بر آہیخت وبسیار کس از آنجماعت را خون بریخت و اورا مردی از قبیلۂ تمیم از ابان بن دارم شہید ساخت ومادر محمد الاصغر ام ولد است (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۸۸)

علامہ سید محسن عاملی نے بھی اعیان الشیعہ میں محمد الاصغر کا نام شہدائے کربلاؑ کی فہرست میں درج کیا ہے۔

maablib.org

27۔ عبید اللہ بن علیؑ

علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ'': اُن کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تمیمی تھیں وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے جس کی تصریح متعدد اہل سیر اور اصحاب مقاتل نے کی ہے''

زیارت شہدا میں اُن پر سلام موجود ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کی کنیت ابوبکر ہے۔ لیکن امامؑ نے ابوبکر بن علی پر سلام علیحدہ کیا ہے۔ عبید اللہؑ بن امیر المومنینؑ پر سلام کرنے کے بعد، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر اور عبید اللہ دو شخص ہیں۔

اور مؤید اس کا یہ بھی ہے کہ بعض روایتوں میں ابوبکر کے ساتھ محمد کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا نام عبید اللہ نہیں تھا۔

ابن ادریس نے اس مقام پر کتاب سرائر میں عجیب دھوکا کھایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں لکھا ہے کہ عبید اللہؑ کربلا میں اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ عبید اللہ مصعب بن زبیر کی فوج میں اور اُس کے ساتھیوں میں سے تھے اور اُنھیں مختار بن ابو عبیدہؒ کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ اور اُن کی قبر موجود ہے اور یہ روایت متواتر طور پر ثابت ہے۔

ابن ادریس کے اس قول کے خلاف آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ ارباب سیر کے تصریحات اور زیارت شہدا میں امامؑ کے فقرات بتلا رہے ہیں کہ عبید اللہؑ بن امیر المومنینؑ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہیں۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص: ۲۴۱)

مجھے زیارت شہدا میں ابوبکر بن علی اور عبید اللہ بن علی پر الگ الگ سلام نظر نہیں آیا۔

اور کوئی قابل اطمینان گواہی اس امر کے متعلق میرے سامنے نہیں ہے کہ عبید اللہؑ بن علیؑ کوئی خاص شخصیت رکھتے ہیں اور واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ جبکہ متعدد اشخاص یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ابوبکر بن علی کا ہی نام عبید اللہ ہے۔

اس لیے عبید اللہ کا جداگانہ کوئی وجود تسلیم کرنا مشکل ہے۔

28۔ عبداللہ بن علیؑ

یہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کے حقیقی بھائی (برادر اعیانی) تھے۔ والدہ ان کی ''ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر المعروف بالوحید ابن کلاب بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ'' تھیں۔

اُن کی والدہ'' ثمامہ بنت سہیل بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب'' اوران کی والدہ'' عمرۃ بنت طفیل فارس قرزل ابن مالک الاحزام رئیس ہوازن ابن جعفر بن کلاب'' اوران کی والدہ'' کبشہ بنت عروۃ الرحال ابن عتبہ بن جعفر بن کلاب'' اوران کی والدہ'' ام الخشف بنت ابی معویہ فارس ہوازن بن عبادۃ بن عقیل بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ'' اوران کی والدہ'' فاطمہ بنت جعفر بن کلاب'' اوران کی والدہ'' عاتکہ بنت عبدشمس بن عبدمناف'' اوران کی والدہ'' آمنہ بنت وھب بن عمیر بن نصر بن قعین بن الحرث بن ثعلبہ بن ذودان بن اسد بن خزیمہ'' اوراُن کی والدہ'' بنت جحدر بن صبیعہ الاغر بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن ربیعہ بن نزار'' اوراُن کی والدہ'' بنت مالک بن قیس بن ثعلبہ'' اوراُن کی والدہ'' ذی الراسین خشین ابن ابی عصم بن سمح بن فزارہ'' اوراُن کی والدہ'' بنت عمرو بن حرمۃ بن عوف بن سعد بن ذبیان بن بغیض بن الریث بن غطفان'' تھیں۔ (ابصار العین ص ۲۶)

ان کے نسب کا اتنا دور تک محفوظ ہونا خوداس بات کی دلیل ہے کہ ان کے خاندان کو اہل انساب کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل تھی اسی لیے اس کو پورے ضبط وتحقیق کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔

علامہ ابن عنبہ نے لکھا ہے کہ:

''امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیلؑ سے جو انساب عرب سے خوب واقف تھے فرمائش کی تھی کہ ایک ایسے خاندان کی لڑکی بتلائیں جو بہت بڑے بہادران عرب کی نسل سے ہو۔ میں اُس سے عقد کروں اوراُس سے اولاد جو پیدا ہو وہ بڑی بہادراور جنگ آزما ہو''

عقیل نے کہا کہ "ام البنین الکلابیہ سے عقد کیجیے۔

کیونکہ عرب میں اُن کے باپ دادا سے زیادہ شجاع و بہادر کوئی نہیں ہے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام نے اُسی بنا پر ام البنینؑ سے عقد کیا۔ (عمدۃ الطالب ص ۳۲۴)

ان کے سلسلۂ اجداد میں ملاعب الاسنہ ابو براء طفیل فارس قرزل اور عامر بن طفیل بڑے مشہور عرب کے بہادر ہیں۔ اسی خاندان کے متعلق لبید بن ربیعہ عامری نے نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کے بھرے ہوئے دربار میں ان الفاظ میں فخر کیا:

نحن بنو ام البنین الاربعة

و نحن خير عامر بن صعصعة

الضاربون الهام وسط المجمعة

اور اس آواز کو تمام قبائل عرب نے خاموشی کے ساتھ سنا۔ (ابصار العین ص ۲۶)

ام البنینؑ کے بطن سے چار فرزند ہوئے۔

(۱) حضرت عباس بن علیؑ جوان سب میں بڑے تھے (آپؑ کے حالات اس کے بعد لکھے جائیں گے)

(۲) عبداللہ بن علیؑ (جن کے حالات اس وقت ہم لکھ رہے ہیں)۔

(۳) عثمان بن علیؑ (آپؑ کے حالات اس کے بعد لکھے جائیں گے)۔

(۴) جعفر بن علیؑ۔ یہ سب میں چھوٹے تھے (آپؑ کے حالات اس کے بعد لکھے جائیں گے)۔

"عبداللہ بن ابی المحل بن حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید۔" جناب ام البنینؑ کا بھتیجا تھا اور کوفہ میں بہت معزز حیثیت رکھتا تھا۔ یہ اُس وقت جب شمر، ابن زیاد کا خط لیکر کربلا کی جانب روانہ ہو رہا تھا، دربار ابن زیاد میں عبداللہ بن ابی المحل موجود تھے انھوں نے عبداللہ بن زیاد سے کہا کہ:

''ہمارے خاندان کی ایک خاتون کے فرزند حسین علیہ السلام کے ساتھ موجود ہیں۔آپ اُن کے لیے امان نامہ لکھ دیجیے''

اور ابن زیاد نے منظور کیا اور جناب عباسؑ اور اُن کے بھائیوں کے لیے امان لکھ دی۔

عبداللہ بن ابی المحل نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ جس کا نام کزمان تھا اس تحریر کو روانہ کیا وہ اس کو لیکر ان جانباز بہادروں کے پاس لایا اور کہا:

''یہ آپ کے ماموں زاد بھائی نے امان نامہ بھیجا ہے''۔

ان چاروں بھائیوں نے کہا کہ''ہمارے ماموں زاد بھائی کو ہمارا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ ہم کو اس امان نامے کی ضرورت نہیں ہے۔خدا کی امان ہمارے لیے ابن زیاد کی امان سے بہتر ہے''۔(طبری ج ۶ ص ۲۳۶)

خود شمر بن ذی الجوشن وحیدی کلابی اس خاندان سے تھا اور اس نے کربلا آ کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ وہ لشکر حسینی کے سامنے آیا اور پکار کر کہا کہ:

کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے''؟

یہ سن کر جناب عباسؑ اور اُن کے تینوں بھائی سامنے آئے اور پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو؟

اُس نے کہا''تم لوگ امان میں ہو''

بہادروں نے کہا کہ''خدا لعنت کرے تم پر اور تمھاری امان پر۔ہم کو تو امان ہے اور فرزند رسول کو امان نہیں ہے''(طبری ج ۶ ص ۲۳۷)۔

اس سے ان دلیروں کے ثبات واستقلال اور وفاداری کی حقیقت کاملہ کا اندازہ ہوتا ہے۔زندگی کی راہ صاف ہونے کے باوجود موت اختیار کرنا کسی معمولی دل کا کام نہیں ہے۔

جناب عباسؑ کے بعد ان بھائیوں میں عبداللہ سب سے بڑے تھے اور چونکہ جناب عباسؑ ان کو مثل اولاد کے عزیز رکھتے تھے اس لیے چاہتے تھے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو راہ خدا میں شہید ہوتے دیکھ لیں۔

چنانچہ آپؑ نے سب سے پہلے اپنے بھائی عبداللہ کو پاس بلایا اور کہا:

"تقدم یا اخی! حتّٰی اراك قتیلا واحتسبك فانه لا ولد لك"۔

"آگے بڑھو بھائی! تاکہ میں تمھیں شہید ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اور اپنے لیے سامانِ آخرت سمجھوں۔ کیونکہ تمھاری تو کوئی اولاد ہی نہیں ہے"

طبری کے نافہم یا متعصب راوی نے ان الفاظ کو عجیب معنی کا حامل بنا دیا ہے۔

وہ اس کا مفہوم یہ قرار دیتا ہے کہ تم پہلے شہید ہو تاکہ میں تمھارا وارث ہوسکوں یہ ایسی بدنما غلطی ہے جس سے جناب عباسؑ کے شان وعظمت پر بہت بڑا حرف آتا ہے اور وہ حقیقت کے بھی بالکل خلاف ہے۔

میں نے اپنی متعدد کتابوں میں اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا ہے "حسین علیہ السلام اور اسلام"، "اسوۂ حسینی" اور "محاربۂ کربلا" میں اس پر مبسوط تبصرے موجود ہیں۔

ابصار العین میں ہے کہ عبداللہ بن علیؑ جناب عباسؑ سے آٹھ برس چھوٹے تھے اور واقعۂ کربلا میں اُن کی عمر پچیس سال کی تھی۔ عبداللہ میدان جنگ میں آئے اور جنگ کرنے کے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے۔

زیارت شہداء میں اُن پر سلام ممتاز الفاظ میں ہے۔

علامہ سید محسن عاملی نے شہدائے کربلا کی فہرست میں عجیب دھوکا کھایا ہے۔

اُنھوں نے عبداللہ بن علیؑ کا نام درج کیا ہے۔ پھر دو ناموں کے بعد عبداللہ بن عباس بن علیؑ کا نام لکھا ہے۔ اور پھر عبداللہ الاصغر بن علیؑ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۰)

یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اولاد امیر المومنینؑ میں عبداللہ بس ایک ہی تھے جو جناب عباسؑ کے بھائی تھے اور جناب عباسؑ کا کوئی فرزند واقعۂ کربلا میں لڑنے کے قابل موجود نہ تھا اور نہ کوئی اُن کا بچہ وہاں شہید ہوا ہے۔

29۔ عثمان بن علیؑ

جناب عباس علیہ السلام کے دوسرے بھائی جناب ام البنینؑ کے بطن سے عبداللہ سے چھوٹے تھے۔ جب

ان کی ولادت ہوئی تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان کا نام عثمان رکھا اور فرمایا کہ میں اپنے دوست عثمان بن مظعونؓ کے نام پر رکھ رہا ہوں۔

یہ عثمان بن مظعونؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان کا انتقال ہوا اور حضرتؐ نے اُن کو جنت البقیع میں دفن کیا اور پھر جب آپؐ کے فرزند ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو حضرت رسولؐ نے ان کو عثمانؓ ہی کے پاس بقیع میں دفن کیا۔

اسی لحاظ سے عثمان بن علیؑ کے متعلق زیارت میں بھی اس خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے اور اُن پر سلام کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"السلام علی عثمان بن امیر المومنین علیہ السلام سمی عثمان بن مظعون"

ابصار العین میں ہے کہ عثمانؓ اپنے بھائی عبداللہؓ سے دو برس چھوٹے تھے اور ان کی عمر واقعۂ کربلا میں ۲۳ سال تھی۔

صاحب ناسخ کا قول ہے کہ عثمانؓ سب سے چھوٹے تھے۔ جعفرؓ ان سے بڑے تھے۔ اس لیے عثمانؓ کی عمر صرف اکیس سال تھی اور وہ جعفرؓ کے بعد شہید ہوئے۔

صاحب مناقب نے اس سلسلے ہی کو بدل دیا ہے۔ اُنھوں نے عمر بن علیؑ کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد اُن کے بھائی عثمانؓ میدان جنگ میں گئے۔

بہر حال یہ روایت درست ہی نہیں کیونکہ عمر بن علیؑ کی واقعۂ کربلا میں شہادت ہی صحیح ثابت نہیں ہے۔ مگر عثمانؓ اور جعفرؓ کی تقدیم وتاخیر کسی حد تک مشکوک ہے۔

ابصار العین کی روایت کے مطابق جب عبداللہؓ شہید ہو چکے تو جناب عباس علیہ السلام نے عثمانؓ کو بلایا اور کہا: "اب تم آگے بڑھو"۔ عثمانؓ میدان جنگ میں گئے اور آخر خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زمین پر گرے اور بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے سر جدا کر لیا۔

(طبری ج ۶ ص ۲۵۷)۔

اسی لیے زیارت شہداءؑ میں اُن کا قاتل ان ہی دونوں شخصوں کو قرار دیا گیا ہے۔

30۔ جعفر بن علیؑ

یہ جناب ام البنینؑ کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔

ابصار العین کی روایت کے مطابق اپنے بھائی عثمان کے دو برس بعد پیدا ہوئے اور واقعۂ کربلا میں ان کی عمر اکیس برس تھی عثمانؑ کی شہادت کے بعد جناب عباسؑ ان کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور میدان جنگ میں جانے کا اشارہ کیا۔ جعفرؑ میدان میں آئے اور جنگ کر کے شہید ہوئے، طبری نے اُن کا قاتل ہانی ابن ثبیت حضرمی کو قرار دیا ہے۔

زیارت شہداؑ میں بھی ایسا ہی ہے

مگر ابن شہر آشوب کی تحریر ہے کہ اُن کو خولی بن یزید اصحی نے تیر لگایا۔

31۔ ابوالفضل العباس بن علیؑ

آپؑ ان بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپؑ کی والدۂ گرامی جناب ام البنینؑ فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید ابن کلاب بن عامر بن ربیعہ تھیں جن کا مکمل نسب اس سے پہلے عبداللہؑ کے حالات میں ذکر ہو چکا ہے۔

شیخ مفیدؒ کے قلم سے ارشاد میں یہ لغزش ہو گئی ہے کہ اُنھوں نے ام البنینؑ کو بنت حزام بن خالد بن دارم لکھا ہے۔ حالانکہ قبیلۂ دارم بنی تمیم کی شاخ تھی، ام البنینؑ کے دادا خالد بن ربیعہ جو قبیلہ ربیعہ کے رکن تھے۔

لبید شاعر معلقات میں سے ایک قصیدہ کا ناظم ہے۔ وہ ابن ربیعہ کا بھائی تھا، اُس کا نام لبید بن عامر بن کلاب بن ربیعہ تھا۔

یہ اس خاندان کا امتیاز خصوصی اور وہ خیال جس کے ماتحت امیر المومنین علیہ السلام نے جناب ام البنینؑ کے ساتھ عقد کیا تھا وہ آپ عبداللہ بن علیؑ کے حالات میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

ولادت:

۲۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی چودہ (14) برس آپؑ نے اپنے والد بزرگوار کے سایے میں پرورش پائی۔ ۴۰ھ میں جناب امیرؑ کی شہادت ہوئی تو دس برس آپؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے زیر تربیت رہے۔ ۵۰ھ میں امام حسنؑ کی شہادت ہوئی اس وقت جناب عباسؑ کی عمر ۲۴ برس کی تھی۔ پھر دس برس آپؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ اس طرح واقعۂ کربلا میں آپؑ کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ آپؑ کی ولادت کا دن اور تاریخ مستند طریقے سے کوئی معلوم نہیں ہوسکا۔

اوصاف:

جناب عباس علیہ السلام حسن و جمال اور قوت و طاقت میں اپنے زمانے میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اسی لیے "قمر بنی ہاشم" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپؑ بلند و بالا اور قد آور تھے یہاں تک کہ اسپ دور کابہ پر سوار ہوتے تھے تو پاؤں زمین پر خط دیتے تھے۔

یہ تو آپؑ کا ظاہری حلیہ ہے اور باطنی صورت کے خط وخال انتہائی شاندار الفاظ میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان کیے ہیں وہ فرماتے ہیں:

"کان عمنا العباس بن علی نافذ البصیرة صلب الایمان جاهد مع ابی عبداللہ علیہ السلام وابلی بلاء حسنا ومضی شهیدا"

"ہمارے چچا عباس بن علیؑ بڑے دیندار اور مستحکم ایمان والے تھے۔ انھوں نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہ کر جنگ کی اور کارنمایاں انجام دیا اور آخر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے"۔

امام کا کسی کے متعلق اتنے الفاظ صرف کردینا بڑی بات ہے۔

ایک دوسری حدیث میں امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ:

"ان للعباس علیہ السلام عند اللہ تبارک وتعالی منزلة یغبطه بها جمیع الشهداء یوم القیامة"

''جناب عباسؑ کے لیے خدا کے یہاں وہ رتبہ حاصل ہے جس پر دیگر شہدا روز قیامت رشک کرینگے''

علامہ مامقانی نے جناب عباسؑ کے باب میں خاص الفاظ لکھے ہیں کہ:

"وقد کان من فقہاء اولاد الائمۃ c وکان عدلا ثقۃ تقیا نقیا"۔

''وہ اولادائمہ میں فقیہ کا درجہ رکھتے تھے اور عادل ثقہ متقی اور پاک سیرت تھے''۔

(تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۲۸)

''فقاہت'' کا جناب عباسؑ کی یقیناً کوئی ماخذ ہوگا جو اس وقت ہماری پیش نظر نہیں ہے۔

ابتدائی حالات:

مدینہ کے حالات حضرت عباسؑ کے بالکل تاریکی کے عالم میں ہیں۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر المومنینؑ کے عہد میں عباسؑ کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ ان میں سے ۹ برس وہ تھے کہ جب امیر المومنین علیہ السلام گوشہ نشین تھے مگر اس کے بعد پانچ سال جو کہ سن تمیز کا زمانہ کہا جا سکتا ہے وہ جناب امیرؑ کی خلافت ظاہری کا تھا۔ اس میں جمل، صفین اور نہرواں کی لڑائیاں پیش آئیں۔

حضرت حسنینؑ اور محمد بن الحنفیہؒ کا نام ان لڑائیوں کے واقعات میں تاریخ کے اندر آتا ہے مگر جناب عباسؑ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں ایک موقع پر امام حسین علیہ السلام نے پانی لانے کے لیے جنگ کی اور عباسؑ اُس وقت کمسنی کے باوجود آپؑ کی نصرت کر رہے تھے۔ مگر معتبر کتابوں میں اس کا کہیں پتا نہیں ہے یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جتنے اس قسم کے واقعات جناب عباسؑ کے ساتھ یا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مربوط کیے جاتے ہیں سب میں پانی لانے کا ذکر یا ان کے اتحاد کا تذکرہ ہے۔

مثلاً یہ روایت کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک دفعہ پانی مانگا اور جناب عباسؑ کمسنی کی وجہ سے ظرف آب کو سر پر رکھ کر لائے جس سے آپؑ کے کپڑے تر ہو گئے۔

حضرت امیرؑ دیکھ کر رونے لگے۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید واقعات کربلا سے

مناسبت پیدا کرنے اور ربط دینے کے لیے اس قسم کی روایات کی تشکیل ہو گئی ہے۔

ابصار العین میں لکھا ہے کہ:

"حضر بعض الحروب فسلم یأذن له ابوه بالنزال"۔

"عباسؑ بعض لڑائیوں میں شریک ہوئے مگر آپؑ کے والد بزرگوار نے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی"۔

امام حسن علیہ السلام کے زمانے میں بھی جناب عباسؑ کا کوئی ذکر مذکور نہیں ہے اور نہ امام حسین علیہ السلام کے واقعات میں اُس وقت جب مدینہ میں قیام تھا۔ بے شک! ولید بن عقبہ سے ملاقات کے موقع پر تاریخ میں یہ موجود ہے کہ حضرتؑ نے اپنے مخصوص اعزہ واقارب کے جوانمردوں کو اپنے ساتھ لیا اور اُن کے ساتھ ولید کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان بہادر جوانمردوں میں جناب عباسؑ یقیناً موجود تھے مگر اُن کا نام خصوصیت کے ساتھ درج نہیں ہے۔

ذاکرین کا بیان ہے کہ جب آواز امامؑ کی ولید سے گفتگو میں بلند ہوئی تو سب سے پہلے دروازہ توڑ کر جو اندر داخل ہوئے وہ ابوالفضل العباسؑ تھے۔

دل کہتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ مگر تاریخ چپ ہے کچھ نہیں کہتی۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کا سفر مکہ معظمہ میں قیام اور پھر مکہ سے ہجرت اور راستے کے واقعات۔ ان میں بھی کہیں جناب عباسؑ کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے یہ ہمارے ذرائع معلومات کی کوتاہی اور زمانے کی ایک طرح کا ظلم ہے۔ ورنہ جناب عباسؑ کی آخری خدمات جو محفوظ رہ گئیں ہیں وہی بتلاتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی بہت سے واقعات ایسے ہونگے جن میں جناب عباسؑ کا نام ہم تک پہنچنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہیں پہنچا۔

بعض واقعات کی اصلیت:

جن اشخاص کو کسی حیثیت سے عظمت وشہرت حاصل ہو جاتی ہے تو ایسے واقعات بھی جو دوسروں سے متعلق ہیں عوام کے حلقے میں اُن ہی کی طرف منسوب سمجھ لیے جاتے ہیں چونکہ

جنابِ عباسؑ کو "علمدارِ لشکر" اور "سقّا" ہونے کی حیثیت سے جو خصوصیت حاصل ہوئی وہ دوسرے شہیدوں کے لیے نہ تھی اس لیے بہت سی ایسی باتیں جنابِ عباسؑ کے نام سے مشہور ہو گئیں جن کی حقیقت کچھ دوسری تھی۔

چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ": شبہائے عاشور میں سے کسی شب حر نے خدمت امامؑ میں حاضر ہونا چاہا، جنابِ عباسؑ طلایہ پھر رہے تھے۔ آپؑ نے حرؓ کو روکا اور کہا کہ: "ہتھیار اپنے یہیں کھول کر رکھ دو"۔ حر نے کہا: "یہ نہیں ہو سکتا۔ سپاہی اپنے آلاتِ حرب کسی کو نہیں دیتا۔" جنابِ عباسؑ نے کہا: "پھر تم خدمت امامؑ میں جا بھی نہیں سکتے"۔ امامؑ نے حر کی آواز سن لی۔ پکار کر کہا کہ": حر کو آنے دو وہ ہمارا دوست ہے۔" جنابِ عباس حکم امامؑ سے مجبور ہو گئے۔ مگر آپؑ نے اپنا ہاتھ حر کی تلوار کے قبضے پر رکھ لیا اور اسی شان سے خدمت امامؑ میں اسے لائے۔"

یہ واقعہ موجودہ صورت سے بالکل غلط ہے۔ حرؓ روز عاشور کی صبح تک ہرگز دوستانِ امامؑ سے نہ تھے۔ اُسے امامؑ کی ملاقات کے لیے آنے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اصل روایت جو تاریخ میں درج ہے اُس کی بنا پر آنے والا کثیر بن عبداللہ شعبی تھا۔ سدِّ راہ ہونے والے ابوثمامہ صائدیؒ تھے اور اُنھوں نے ہی کہا تھا کہ" ہتھیار کھول کر رکھ دے" اور آخر میں یہ کہ میں تمھاری تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ لوں۔ مگر اُس نے منظور نہ کیا اور واپس چلا گیا۔

میں نے اس کی تفصیل "معرکہ کربلا ص ۱۶،۱۷ " میں لکھی ہے۔

اسی طرح ایک یہ روایت ہے کہ" امامؑ عمر سعد سے گفتگو کے لیے دونوں صفوں کے درمیان تشریف لے گئے تو عمر سعد کے ساتھ اُس کا بیٹا اور غلام آیا تھا۔ اس طرف سے جب امامؑ تشریف لے چلے تو جنابِ عباسؑ اور علی اکبرؑ ساتھ ہو لیے۔ حضرتؑ نے علی اکبرؑ سے فرمایا کہ" تم کیوں آ رہے ہو؟" عرض کیا اُس کے ساتھ اُس کا بیٹا موجود ہے پھر آپ جنابؑ عباسؑ کی طرف متوجہ ہوئے کہ" تم کیوں آتے ہو؟" کہا: "اُس کے ساتھ بھی تو اُس کا غلام ہے۔ مطلب یہ تھا کہ میں بھی تو آپ کا غلام ہوں۔ آپؑ کے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ روایت بھی صحیح

نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عمر سعد تقریباً بیس سوار اپنے ساتھ لیکر نکلا تھا۔ اور امامؑ بھی اتنے ہی ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ لیکن جب آپ قریب پہنچے تو حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا جس کے بعد عمر سعد بھی مجبور ہوا اور اُس نے اپنے ساتھیوں کو جدا کر دیا۔"

خود یہ روایت کہ جناب عباسؑ نے کبھی امام حسین علیہ السلام کو بھائی نہیں کہا بلکہ ہمیشہ اپنے تئیں غلام اور حضرتؑ کو آقا کہتے رہے کسی مستند کتاب میں درج نہیں ہے اور مجھے وہ خالص ہندوستانی مذاق کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ عربی تہذیب سے اس کو دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔

پھر اس بنیاد پر متعدد روایتوں کی بنیادیں قائم ہیں۔ وہ سب ہی کمزور ہو جاتی ہیں اور اُن کی کوئی اصلیت معلوم نہیں ہوتی۔

امان سے انکار:

جناب عباسؑ کی وفا کا انتہائی مستند واقعہ حاصل شدہ امان کا مسترد کر دینا جس کا ذکر اس سے پہلے عبداللہ ابن علیؑ کے حالات میں ہو چکا ہے۔ اسی واقعے میں اگرچہ تمام بھائی مشترک حیثیت رکھتے تھے مگر جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بھائی سب جناب عباسؑ کے بالکل مطیع و فرماں بردار تھے اور یہ جناب عباسؑ کی انتہائی پختگی اور وفاداری تھی جس کا اثر دیگر بھائیوں پر بھی پڑتا تھا اگر حضرت عباسؑ کی طرف سے کچھ بھی تزلزل ہوتا تو صورت واقعہ اس طرح نظر نہ آتی جو اس وقت تاریخ میں محفوظ ہے۔

طلب مہلت:

اُس وقت جب شمر نے کربلا آ کر عمر سعد کو ابن زیاد کا تہدید آمیز خط دیا اور عمر سعد تشدد پر بالکل تیار ہو کر نویں تاریخ کی سہ پہر ہی کو فوج حسینیؑ پر حملہ آور ہو گیا۔ اس وقت جناب عباسؑ ہی تھے جو خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "بھیا لشکر آ گیا" حضرتؑ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: (ان الفاظ کا لب ولہجہ دیکھنے کے قابل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کو

جناب عباسؑ سے کس درجہ محبت تھی)

"یاعباس! ارکب بنفسی انت یااخی! حتّٰی تلقاهم فتقول لهم مالکم ومابدالکم وتسألهم عما جاءبهم؟"

"اے عباس! میری جان تم پر فدا اے میرے بھائی!! تم خود سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ آخر یہ کیا ہے اور ان کا کیا ارادہ ہے اور ان کے حملے کا کیا سبب ہے؟"

جناب عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمھاری رائے میں کیا تبدیلی ہوئی اور تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

جواب ملا کہ: "امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کریں۔ نہیں تو تم سے جنگ کریں"۔

آپؑ نے فرمایا کہ: "اچھا جلدی نہ کرو۔ میں جا کر امامؑ سے تمھارا پیغام پہنچاتا ہوں"۔
یہ سن کر وہ لوگ ٹھہر گئے۔

جناب عباسؑ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے امامؑ کے پاس گئے کہ واقعے کی اطلاع دیں۔

امامؑ نے فرمایا: "جاؤ اگر ممکن ہو تو ان سے آج کی شب کی مہلت لے لو تا کہ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کرلیں۔"

جناب عباسؑ پھر گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس گئے اور کہا کہ:
"امام نے ایک شب کی مہلت مانگی ہے صبح دیکھا جائیگا"

چنانچہ تھوڑی سی کشمکش کے بعد مہلت حاصل ہوگئی اور اس رات کو عبادت الٰہی میں بسر کرنے کا موقع مل گیا۔ (طبری جلد ۲ ص ۲۳۰ ۔ ۲۲۸)

اس واقعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب عباسؑ کی سنجیدگی، معاملہ فہمی، وفاداری اور امانتداری پر امامؑ کو کامل اعتماد تھا ورنہ اس نازک مرحلے کو آپؑ صرف جناب عباسؑ کے سپرد نہ فرماتے۔

امام علیہ السلام کی تقریر کا جانبازانہ جواب:

شب عاشور جب امامؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ اور وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو کربلا کی تاریخ میں یادگار ہے اور اُس میں آپؑ نے فرمایا کہ: ''میں اپنی بیعت تمھاری گردنوں سے اُٹھائے لیتا ہوں۔ تم اس رات کی تاریکی میں جدھر چاہو چلے جاؤ۔ یہ لوگ میرے قتل کے طالب ہیں اور کسی دوسرے سے ان کو کوئی کام نہیں ہے''۔

اُس وقت سب سے پہلے جس نے اظہار جانبازی کیا ہے وہ جناب عباسؑ تھے۔

اُنھوں نے کہا کہ: ''ہم ایسا کس لیے کریں۔ کیا اس لیے کہ آپؑ کے بعد زندہ رہیں؟؟ ہرگز نہیں! خدا ہم کو یہ روز نصیب نہ کرے''۔

آپؑ کے بعد دوسرے اعزہ تھے جنھوں نے اسی خیال کا اظہار کیا۔

(طبری ج ۶ ص ۲۲۹)

علمداری:

امام حسینؑ نے روز عاشور نماز صبح پڑھنے کے بعد اپنے چھوٹے سے لشکر کی ترتیب قائم کی، میمنہ پر زہیر ابن قینؑ، میسرہ پر حبیب بن مظاہرؑ اور علمدار لشکر حضرت ابوالفضل العباسؑ کو بنایا۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۱)

یقیناً یہ منصب وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے علی علیہ السلام کو حاصل ہوا تو اُن کے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لیے یادگار ہو گیا اور فرزند رسولؐ کی جانب سے عباس بن علیؑ کو حاصل ہوا تو وہ بھی ہمیشہ کے واسطے یادگار رہیگا۔

اہل حرم کی تسلّی:

معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں عباسؑ و علی اکبرؑ بالکل امامؑ کے پاس رہتے تھے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے چنانچہ اُس وقت جب امامؑ نے صبح عاشور اتمام حجت کے لیے ناقے پر سوار ہو کے قرآن اپنے ہاتھوں میں لیا اور دشمن کی صفوں کے سامنے آ کر تقریر شروع کی۔

آپؑ کی آواز خیمے میں پہنچی تو ایک شور رونے کا خیمے سے بلند ہوا۔ حضرتؑ نے جناب عباسؑ و علی اکبرؑ کو بھیجا کہ انھیں خاموش کراؤ، رونے کا وقت تو بعد کو آئیگا

یہ واقعہ بھی طبری میں موجود ہے۔

شجاعت کا بے نظیر مظاہرہ:

عمرو بن خالد صیداویؒ، سعدؒ مولیٰ عمرو ابن خالدؒ، مجمع بن عبداللہ عائذیؒ اور جنادۃ بن حارث سلمانیؒ۔ ان بہادروں نے ایک ساتھ فوج دشمن پر حملہ کیا اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے۔ فوج کوفہ نے ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور لشکر امامؑ سے بالکل جدا کر دیا۔

یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنے بھائی جناب عباسؑ کو اُن کی امداد کے لیے بھیجا۔ آپؑ نے جا کر تن تنہا فوج پر حملہ کیا اور تلوار چلانا شروع کی۔ یہاں تک کہ فوج کو منتشر کیا اور ان زخمی بہادروں کو دشمنوں کے حلقے سے نکال کر اپنی فوج کی طرف واپس لے چلے۔ ابھی راستہ پورا طے نہیں ہوا تھا کہ دشمن کی فوج پیچھے تعاقب کے لیے آتی نظر آئی اور قریب پہنچ گئی، دشمن کے قریب آتے ہی زخمی بہادروں کے جوش کی انتہا نہ رہی اور وہ حضرت عباسؑ کے پاس سے جھپٹ کر دشمن پر جا پڑے، آخر جان توڑ لڑائی لڑ کے شہید ہوئے۔ جناب عباسؑ خدمت امامؑ میں واپس آگئے اور واقعہ کا اظہار کیا (طبری ج ۶ ص ۲۵۵)۔

یہ عجیب، نادر واقعہ ہے جو مطالعہ کرنے کے قابل ہے امامؑ کی بحیثیت سپہ سالاری اپنے سپاہیوں کی یہ قدر شناسی کہ جب وہ دشمن میں گھر گئے تو آپؑ نے اپنے عزیز ترین بھائی علمدار لشکر کو اُن کی امداد کے لیے بھیجا۔ پھر یہ اعتماد امامؑ کا عباسؑ کی شجاعت و قوت پر کہ اُن بہادروں کی امداد کے لیے جو دشمن میں گھرے ہوئے تھے آپؑ نے ایک اکیلے عباسؑ کو بھیج دیا۔

پھر عباسؑ کی شجاعت و جرأت اور فن جنگ میں مہارت دیکھیے کہ فتحمند لشکر کے ہاتھوں سے حلقے میں گھرے ہوئے زخمی بہادروں کو نکالتے ہیں اور انھیں محفوظ طریقے سے اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوتے ہیں۔ لیکن کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس حملے میں آپؑ کو کوئی زخم لگا ہو اور کسی

طرح کا بھی گزند پہنچا ہو۔

میدان جہاد میں قربانی:

حضرت عباسؑ اپنے چھوٹے بھائیوں کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ روز عاشور یہ اصول قائم تھا کہ ہر شخص اپنے سے وابستہ عزیز کو خود حسین علیہ السلام پر فدا کرتا تھا۔

عباسؑ نے ان بھائیوں کو حسین علیہ السلام پر سے نثار کیا۔ اور ایک ایک کر کے تینوں سے کہا کہ: ''جاؤ میدان جنگ میں۔ تمہارے کوئی اولاد تو ہے نہیں تم خود جاؤ''

اس طرح یکے بعد دیگرے اپنے تینوں بھائیوں کو اپنے سامنے فرزند رسولؐ پر قربان کر دیا۔

رخصت جنگ اور جہاد:

جب کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو امامؑ کی نصرت میں جہاد کر سکے تو حضرت ابوالفضل العباسؑ خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور جنگ کی اجازت مانگی۔ امامؑ نے اپنے بھائی کو بہت حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا: ''تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو۔''

عباسؑ نے عرض کیا: ''اب مجھ سے تحمل ممکن نہیں اور زندگی سے سیر ہو گیا ہوں''

امامؑ نے فرمایا: ''اچھا جاتے ہو تو پانی کی فکر کرنا''

جناب عباسؑ نے مشک لے لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے آپؑ نے دشمن کی فوج پر حملہ کیا اس طرح نہیں کہ گویا آپؑ جنگ کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس طرح جیسے نہر کا راستہ صاف کر کے پانی لانا منظور ہے۔

بہادر اور شیر دل عباسؑ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ وہ نہر پر پہنچے بھی اور مشک کو پانی سے بھرا بھی۔ دنیا کی تاریخ میں یادگار رہے گا یہ واقعہ کہ اتنے ہزار سپاہی ایک بہادر کو روکنا چاہیں اور نہ روک سکیں۔

وہ عباسؑ کا شیرانہ حملہ تھا جس نے دشمن کو اتنی دور ہٹا دیا کہ وہ اطمینان کے ساتھ نہر میں گھوڑا ڈالیں اور پانی بھریں۔

بیشک! خود جناب عباسؑ پیاسے تھے۔ مگر اُنھوں نے ہاتھ میں پانی لے کر پھر پھینک دیا اور امامؑ کی پیاس کے خیال نے لبوں کو پانی سے تر کرنے کی اجازت نہ دی پیاسے ہی نہر سے نکل آئے اور بھری ہوئی مشک دوش پر لے کر خیمے کی جانب روانہ ہو گئے۔ فوج عمر سعد کو اب اپنی شکست کا غصہ بھی تھا اور یہ کہ بھی کہ پانی کسی طرح پہنچنے نہ پائے۔ چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا۔

اس وقت عباسؑ کی مشکلات کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

دوش پر مشک مستقل طور پر جنگ سے مانع تھی اور کہا جاتا ہے کہ علم بھی موجود تھا۔ مگر کیا کہنا اُس بہادر کا جس نے اسی عالم میں جنگ شروع کر دی۔ وہ جوش و خروش سے حملے کر رہے تھے اور اُن کی زبان پر یہ شعر تھے۔

لا ارهب الموت اذ الموت زقا
حتّٰی اوارى فى المصاليت لقى
انّى انا العباس اغدو بالسقا
و لا اهاب الموت يوم الملتقى

''میں کبھی موت سے نہیں ڈرتا۔ موت کتنے ہی نعرے لگائے جب تک کہ میں تلواروں کے سایے میں زمین پر گر نہ جاؤں۔ میں عباسؑ ہوں مشک لے جاؤں گا اور ضرور لے جاؤں گا اور جنگ کے ہنگام میں موت کی کوئی پرواہ نہ کرونگا''۔

شہادت:

دشمنوں کی جانب سے اپنی آخری شکست کا اعتراف سمجھیے کہ اُنھوں نے عباسؑ کے ہاتھوں کی موجودگی میں اپنی کامیابی ناممکن سمجھی۔ اس لیے حکیم بن طفیل طائی سنسی نے داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی۔ عباسؑ کو اپنی جان سے زیادہ علم کا خیال تھا۔ اُنھوں نے علم کو گرنے نہیں دیا۔ بائیں شانے پر لے لیا اور یہ کہا:

و الله ان قطعتم يمينى
انّى احامى ابدا عن دينى

''خدا کی قسم! اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا تو یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے دین کی حمایت نہ کرونگا۔ اس فرض کو تو میں ہمیشہ انجام دیتا رہونگا''

اس کے بعد زید بن ورقا جہنی نے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی یہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا۔ جناب عباسؑ نے علم کو اپنے سینے سے لگایا۔ قبیلۂ تمیم کے ایک شخص نے سر پر ایک گرز لگایا جس سے جناب عباسؑ زمین پر گرے اور بلند آواز سے پکار کر کہا کہ: ''بھائی میری خبر لیجیے''۔

امامؑ پر اس آواز کا جو اثر نہ ہوتا وہ کم تھا۔ وہ مثل باز شکاری کے جھپٹے اور زخمی بھائی کی لاش پر پہنچے۔ دیکھا دونوں ہاتھ قطع ہیں پیشانی شکستہ ہے آنکھ پر تیر ہے۔ زخموں سے چور ہیں۔ امامؑ جھک گئے اور سرہانے بیٹھ گئے یہاں تک کہ شیر دل بھائی کی روح نے جسد سے مفارقت کی۔ اب کوئی نہیں تھا جس کا حسین علیہ السلام کو سہارا ہوتا۔ وہ بھائی کی لاش سے اُٹھے اور آگے بڑھے، تلوار ہاتھ میں تھی۔ بڑے جوش میں داہنے اور بائیں دشمن پر حملہ کر رہے تھے اور وہ سامنے سے بھاگ رہے تھے۔ آپؑ فرما رہے تھے کہ:

این تفرّون وقد قتلتم اخی

این تفرّون وقد فتتّم عضدی

''بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بھائی کو تو مار ڈالا؟ بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بازو کو شکستہ کر دیا؟

اس کے بعد آپؑ اپنی جگہ پر آ کر تنہا کھڑے ہو گئے۔

ایک دوسری روایت:

بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ: ''امام حسین علیہ السلام پر جب پیاس کا غلبہ ہوا تو آپؑ خود نہر کی جانب تشریف لے چلے جناب عباسؑ آپؑ کے ساتھ ساتھ تھے۔ فوج عمر سعد نے حملہ کیا اور جناب عباسؑ کو چاروں طرف سے گھیر کر امامؑ سے جدا کر دیا عباسؑ نے تنہا جنگ اُن سے جاری رکھی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گئے اور زید بن ورقا جہنی اور حکیم بن طفیل سنسی نے آپؑ کو شہید کیا'' اس روایت کو علامہ سید محسن عاملی نے گذشتہ روایت کے درج کرنے کے بعد ان

الفاظ میں لکھا ہے کہ: "آپؑ کی شہادت کی کیفیت کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے اور وہ یہ ہے۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳)

صاحب ناسخ کے انکشافات:

سپہر کاشانی کو اس سے قبل آپ پوری طرح پہچان چکے ہونگے وہ ضرورت سے زیادہ محقق ہونے کا اظہار کرتے ہیں اور لب ولہجہ بھی محققانہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر اس میں وہ کتنی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اُس کی نظیریں آپ کے سامنے بہت سی آچکی ہیں۔

یہاں بھی آپ مطالعہ کر لیجیے کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"بعضی از علما رقم کرده اند که عباس بن علی علیهما السلام در شب عاشورا شهید شد وبیشتر از اهل سیرو خبر شهادت آنحضرت را روز عاشورا نگاشته اند. چوں از پسر ہائے امیرالمومنین دو تن را عباس نام بودیکے را عباس الاکبر داند دیگر را عباس الاصغر نامید ند. تواند شد که عباس الاصغر در شب عاشورا شهید شده باشد و عباس الاکبر در روز عاشورا. عباس الاصغر نیز در شب عاشورا بطلب آب شتافت وسعادت شهادت یافت"۔

میرے نزدیک جناب امیرؑ کے فرزندوں میں دو عباس کا ہونا۔ شب عاشور کسی جنگ کا واقع ہونا اور عباسؑ الاصغر کا اُس میں شہید ہونا یہ سب غلط ہے اور اُس میں کوئی جزو درست نہیں ہے۔

بحار میں ایک روایت درج ہے کہ: "جناب عباسؑ کے بعد آپؑ کے بھائی عمر بن علیؑ اور آپؑ کے فرزند عبداللہ بن العباسؑ میں میراث کے بارے میں نزاع ہوئی اور آخر میں صلح ہوگئی"

یہ روایت تو درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ عمر بن علیؑ دوسری والدہ کے فرزند ہیں۔ جناب عباسؑ کی اولاد سے اُن کی منازعت کے کوئی معنی نہیں۔ خصوصاً علامہ مجلسی نے عمر بن علیؑ

کو شہدائے کربلا میں درج کیا ہے۔ اس کے بعد اُس واقعے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی مگر آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ شہادت کی روایت صحیح نہیں اس لیے اس اعتبار سے یہ نزاع کا واقعہ ممکن قرار پاسکتا ہے۔

مگر صاحب ناسخ نے علامہ مجلسی کی گرفت کرتے ہوئے اُن کی اس روایت پر جو تبصرہ کیا ہے اُس میں "عباس الاصغر" والی طبعزاد تحقیق کو اور "شاخ و برگ" دیدیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"اینکه می گویند عمر بن علی بن ابیطالب اباعبیدالله در طلب میراث منازعه کرد و بمصاله گذشت چه او برادر اعیانی حضرت عباس بود درست نه باشد چه عمر برادر مادری عباس الاصغر است و با او برادر اعیانی است و یا عباس الاکبر از جانب پدر برادر است چگونه می توانست یا عبیدالله در طلب میراث منازعت آغاز دو فاضل مجلسی ؒ عمر را در شمار شهدا نگاشتة و در ورقهٔ دیگر منازعهٔ اورا در طلب میراث باعبیدالله رقم کرده وجماعتی دریں قصه اقتفابه اوکرده اند السیف قد ینبو و الجواد قد یکبو کسی که مصنفات و مؤلفات اورا در فارسی و عربی از دو کرور بیت کمتر بشمار نتواں گرفت صد چنیں لغزش را از و معفو باید داشت"۔

اولاد:

صاحب ناسخ کا بیان ہے کہ: "جناب عباسؑ کا عقد جناب لبابہ دختر عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا۔ ان سے دو فرزند متولد ہوئے۔ ایک "فضل" دوسرے "عبیداللہ" "فضل" فرزند اکبر تھے اس لیے ان ہی کے نام کے موافق آپؑ کی کنیت ہوئی "ابوالفضل" کے واقعات سے کہیں پتا نہیں چلتا کہ فضل کربلا میں موجود تھے یا نہیں اور اُن کی عمر کیا تھی؟ عبیداللہ چھوٹے فرزند کا نام تھا اور وہ واقعۂ کربلا کے بعد موجود رہے۔ جناب ام البنینؑ کے مرثیے کے جو اشعار اس کے بعد درج ہونگے اُن کے ساتھ بھی عبیداللہ کا نام آئے

گا۔ اُس روایت سے پتا چلتا ہے کہ عبداللہ اس وقت بہت کمسن تھے۔

علامہ سید محسن عاملی نے شہدائے کربلاؑ میں جناب عباسؑ کے ذکر کے بعد محمد بن العباس بن علیؑ اور عبداللہ بن العباسؑ بن علیؑ کا نام لکھا ہے ملاحظہ ہو۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۰)

مگر یہ بالکل عجیب روایت ہے۔ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے علامہ ابن شہر آشوب نے اولاد امیر المومنینؑ کے شہداؑ کی فہرست میں جناب عباسؑ کے نام کے بعد لکھا ہے:

"ویقال ابنه محمد بن العباس"

''بقولے آپؑ کے فرزند محمد بن عباسؑ بھی شہید ہوئے'' (مناقب ج ۴ صفحہ ۹۹)۔

بہر حال اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ام البنین کے تاثرات:

جس ماں کے ابوالفضل العباسؑ اور اُن کے بھائیوں جیسے چار فرزند ہوں اور وہ چاروں شہید ہو جائیں اُس کے تاثرات قلم کی زبان سے کہاں ادا ہو سکتے ہیں؟

شرح کامل میں ابوالحسن اخفش عرب کے بہت بڑے ادیب کی زبانی یہ روایت درج ہے کہ ام البنینؑ واقعۂ کربلا کی اطلاع پانے کے بعد سے برابر روزانہ بقیع کی طرف چلی جاتی تھیں اور جناب عباسؑ کے فرزند عبیداللہ کو اپنے ساتھ لیجاتی تھیں اور عباسؑ کا مرثیہ پڑھتی تھیں۔

یہ نوحہ اتنا دردناک ہوتا تھا کہ مدینہ کے لوگ اُس کو سننے جمع ہوتے تھے اور مروان بن الحکم جیسا دشمن بھی اکثر وہاں چلا جاتا تھا اور ان پردرد اشعار کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ذرا ان اشعار کا مطالعہ کیجیے تو وہ کیا ہیں؟ اُن میں فقط درد ہی نہیں بلکہ وہ قوت نفس بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشعار عباسؑ جیسے شیر کی ماں کے دل سے نکلے ہوئے ہیں:

یا من رأی العباس کرّ

علی جماهیر النقد

و وراه من ابنا حیدر

کل لیث ذی لبد

انبئت ان ابنی اصیب

براسہ مقطوع ید

ویلی علی شبلی امال

برأسه ضرب العمد

لو کان سیفك فی ید

یك لما دنا منه احد

"کہاں ہیں دیکھنے والے میرے عباسؑ کے جب وہ حملہ آور تھا بھیڑوں کے گلوں پر۔ اور اُس کے پیچھے تھے باہمت کئی شیر حیدرِ صفدر کی اولاد کے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے فرزند کے سر پر گرز لگا اُس وقت جب اُس کے ہاتھ کٹ چکے تھے۔ ہائے افسوس! میرے فرزند کے سر کو گرز نے شگافتہ کر دیا۔ اے عباس! مجھے یقین ہے کہ اگر تمھاری تلوار تمھارے ہاتھ میں رہتی تو کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ تمھارے قریب آسکے"۔

یہ اشعار بھی جناب ام البنینؑ کے ایک خاص اثر کے حامل ہیں:

لا تدعونی و یك ام البنین

تذکرینی بلیوث العرین

کانت بنون لی ادعی بهم

والیوم اصبحت ولا من بنین

اربعة مثل نسور الربی

قد و اصلوا المیت بقطع الوتین

تنازع الخرصان اشلاءهم

فکلهم امسی صریعًا طعین

یالیت شعری اکما اخبروا
بان عباسا قطیع الیمین

''اے لوگو! اب مجھے اُم البنین (فرزندوں کی ماں) نہ کہو اس سے تو مجھے میرے شیر یاد آتے ہیں، کبھی تھے میرے کئی فرزند جن کے نام سے میں (اُم البنین) پکاری جاتی تھی۔ اب تو میں اس حال میں ہوں کہ میرے فرزند رہ ہی نہیں گئے چار فرزند وہ جیسے باز ہائے شکاری۔ سب موت کے گلے میں بانہیں ڈال چکے۔ نیزوں نے اُن کے جسم کے ٹکڑے کیے اور سب زمین پر بیجان ہو کر گر گئے۔ ارے کیا یہ صحیح ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ عباسؑ کے ہاتھ بھی قطع ہو گئے تھے!!''

مجاہدین کا خاتمہ:

مصنف ابصار العین نے تصریح کی ہے کہ:

کان العباس اخر من قتل من المحاربین لاعدآء الحسین ولم یقتل بعدہ الا الغلمان الصغار من آل ابی طالب الذین لم یحملوا السلاح۔

''جناب عباسؑ آخری وہ مجاہد ہیں کہ جو جنگ کر کے شہید ہوئے آپؑ کے بعد جو شہید ہوئے ہیں وہ کمسن بچے ہیں اولاد ابو طالبؑ میں سے جو ہتھیار اُٹھانے کے قابل نہ تھے''۔

32۔ عبداللہ بن الحسینؑ

شیر خوار بچہ، کمسن شاہزادہ، ان کی ولادت مدینہ سے روانگی سے کچھ قبل ہوئی تھی۔

والدۂ گرامی ''ربابؑ بنت امرأ القیس بن عدی بن اوس بن جابر بن کعب بن علیم بن خباب بن کلب'' اور ان کی والدہ ''ہند الہنود بنت الربیع بن مسعود بن مصاد بن حصن بن کعب بن علیم'' اور ان کی والدہ ''میسون بنت عمرو بن ثعلبۃ بن حصین بن ضمضم'' اور ان کی والدہ ''رباب بنت اوس بن حارثہ بن لام الطائی'' تھیں۔ نسب کا دور تک محفوظ ہونا نجابت و شرافت کی دلیل ہے۔ امرأ القیس کی تین صاحبزادیاں تھیں جو اُنھوں نے خاندان رسالتؐ میں پیش کی تھیں

اُن میں سے جناب رباب کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ جن سے پہلے ایک صاحبزادی سکینہ متولد ہوئیں امام سکینہ اور اُن کی والدہ کے ساتھ اس قدر موانست رکھتے تھے کہ اس کے متعلق آپؑ کی زبانی اشعار بھی درج کتب کیے گئے ہیں۔ اگرچہ مجھ کو اس میں شک ہے کہ واقعی امامؑ کی زبان سے نکلے ہوئے یہ شعر ہیں:

لعمرك انني لا حبّ دارا
تحلّ بها سكينة والرّباب
احبهما و ابذل جلّ مالي
وليس لعاتب عندي عتاب

''قسم ہے کہ اُس گھر کو محبوب رکھتا ہوں جس میں سکینہ اور رباب کا قیام ہو۔ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اور اپنے مال کے بڑے حصے کو صرف کرنے کے لیے تیار ہوں اور میں اس بارے میں کسی شکوہ و ناراضامندی کی پرواہ نہیں کرتا''

ان ہی ربابؑ کے بطن سے یہ فرزند متولد ہوا جن کا نام عبداللہؑ رکھا گیا۔

(ابصار العین ص ۲۴)

اس کی شہادت کا واقعہ عجیب دلدوز ہے۔ ظاہر ہے کہ ماں باپ کو چھوٹے بچوں سے انتہائی محبت ہوتی ہے۔

امامؑ جب شہادت پر عازم ہو گئے تو در خیمہ پر تشریف لائے اور بچے کو دیکھنے کے لیے اہل حرم سے منگوایا بچہ لایا گیا۔ حضرتؑ وہیں بیٹھ گئے اور بچے کو گود میں لیکر گلے سے لگایا اور رخصت ہونے لگے۔ بے رحم دشمن کو یہ بھی گوارا نہ ہوا ایک تیر آیا اور اُس نے بچے کا کام تمام کر دیا۔

طبری نے عقبہ بن بشیر اسدی کی روایت لکھی ہے کہ: ''ایک دفعہ مجھ سے ابوجعفر بن محمد بن علی بن الحسینؑ (امام محمد باقر علیہ السلام) نے کہا تھا کہ تمھارے قبیلۂ بنی اسد پر بھی ہمارا ایک خون ہے۔''

راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا: "حضور پھر میرا اس میں کیا قصور ہے بتلایئے تو وہ خون کیا ہے؟"۔

آپؑ نے فرمایا: "امام حسین علیہ السلام کے پاس آپؑ کا کمسن بچہ گود میں تھا۔ اس وقت تمہارے قبیلۂ بنی اسد میں سے ایک شخص نے ایک تیر لگایا۔ جو بچے کے گلے پر لگا اور وہ بچہ اُس سے ذبح ہو گیا۔ حسین علیہ السلام نے اُس کا خون اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا جب دونوں چلّو خون سے بھر گئے تو آپؑ نے اُس کو زمین پر بہا دیا۔ پھر فرمایا کہ:

"ربّ ان تك حبست عنّا النصر من السمآء فاجعل ذلك لما هو خير وانتقم لنا من هؤلاء الظالمين."

"پروردگارا! اگر تیری مصلحت آج ہمیں فتح عطا کرنے کی نہیں ہے تو اس کا نتیجہ ہمارے لیے برتر قرار دینا اور ان ظالموں سے ہمارا بدلا لینا"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۷)

اس روایت سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ قاتل قبیلۂ بنی اسد میں سے ایک شخص تھا۔

ابن شہر آشوب نے اولاد امام حسینؑ کے شہداء کی فہرست میں لکھا ہے:

"ذبح عبد الله فی حجره"

"عبداللہؑ کو آپؑ کی گود میں ذبح کیا گیا"۔ (مناقب ج ۴ ص ۹۹)

اُنھوں نے اولاد امام حسینؑ کی فہرست میں یہ تصریح کی ہے کہ عبداللہؑ کربلا میں شہید ہوئے جو جناب ربابؑ کے بطن سے تھے۔ (مناقب ج ۴ ص ۸۲)

فاضل سماوی نے طبری کی مذکورۂ بالا روایت اتنی ترمیم کے ساتھ درج کی ہے کہ حضرتؑ نے خون بچے کا آسمان کی طرف پھینکا امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ اُس کا ایک قطرہ بھی زمین کی طرف واپس نہیں آیا۔ پھر حضرتؑ نے خیمے کے قریب ہی تلوار کے نیام سے ایک گڑھا بصورت قبر کھودا اور بچے کو اس کے خون بھرے لباس ہی میں اُس گڑھے میں دفن کر دیا۔

سید ابن طاؤس کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "آپؑ نے بچے کو اپنی ہمشیرہ جناب زینبؑ کے ہاتھ سے لیا اور جھکے تاکہ بچے کو پیار کریں۔ اتنے میں ایک تیر آیا جس سے اُس کا گلا

چھد گیا۔ آپؑ نے بچے کو جناب زینبؑ کے ہاتھ میں دیا اور کہا اسے ذرا لیے رہو۔ پھر آپؑ نے جیسا کہ گذرا گڑھا کھودا اور بچے کو دفن کیا۔"

ابو مخنف کا بیان ہے کہ تیر لگانے والا حرملہ کا بن اسدی تھا اور دوسرے لوگوں کی روایت ہے کہ عقبہ بن بشر غنوی نے تیر لگایا۔ مگر پہلے قول کے مؤید امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ہے۔

فاضل سماوی کا خیال ہے کہ "کا بن" نون ہی کے ساتھ ہے اور "کاہل" کا لفظ جو مشہور ہے وہ درست نہیں ہے۔ (ابصار العین ص ۲۴۔۲۵)

علامہ سید محسن عاملی لکھتے ہیں کہ "امام حسین علیہ السلام نے آواز استغاثہ بلند کی جس کو سن کر خیمے کے دروازے سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ آپؑ خیمے کے دروازے پر تشریف لائے۔ اور جناب زینبؑ سے فرمایا کہ: "میرے چھوٹے فرزند کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے رخصت کرلوں۔" جناب زینبؑ آپؑ کے فرزند عبداللہؑ کو جن کی والدہ ربابؑ بنت امرأالقیس تھیں لے کر آئیں۔ آپؑ نے بچے کو لیا اور اپنی گود میں بٹھلایا اور چاہا کہ پیار کریں۔ مگر حرملہ ابن کاہل اسدی نے ایک تیر لگایا جو بچے کی گردن پر پڑا اور اُسے ذبح کر دیا۔ حضرتؑ نے جناب زینبؑ سے فرمایا کہ: "لو اس کو۔" پھر آپؑ نے اُس کا خون اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا جب چلّو خون سے بھر گئے تو آپؑ نے اُسے آسمان پر پھینک دیا۔۔۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ زمین پر بہایا۔ پھر آپؑ نے بچے کی لاش کو اُٹھا کر اُس جگہ رکھ دیا جہاں دوسرے شہداؑ کی لاشیں تھیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپؑ نے تلوار کے نیام سے گڑھا کھودا اور بچے کو اُس کے خون میں آغشتہ کر کے اُس میں دفن کر دیا"۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۲۴)

زیارت شہداؑ میں بھی عبداللہ رضیع پر سلام موجود ہے ان الفاظ میں کہ:

"السلام علی عبد الله بن الحسين الطفل الرضيع المرمی الصريع المتشحط دما المصعد دمه فی السماء المذبوح بالسهم فی حجر ابيه لعن الله راميه حرملة بن كاهل الاسدی وذويه"

اس میں وہی باتیں مذکور ہیں جو گذشتہ حوالوں سے آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ نام

عبداللہ۔ سن شیر خوارگی۔ طریقہ قتل تیر۔ خون کا آسمان پر پھینکا جانا۔ تیر کا گلے پر پڑنا اور بچے کا اُس وقت باپ کی گود میں ہونا۔ قاتل کا نام حرملہ بن کاہل اسدی ہونا۔

ان میں تمام روایات سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ عبداللہؑ سن رضاعت میں تھے اور سن تمیز کو نہ پہنچے تھے۔

مگر صاحب ناسخ کہ جن کے اکثر انکشافات بالکل عالم بالا سے براہ راست ماخوذ معلوم ہوتے ہیں اس موقع پر بھی عجیب جدت آفرینی سے کام لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"در کتب معتبرہ مسطور است کہ بعد از شہادت علی اکبرؑ طفلی از سرا پردۂ حسینؑ بیروں شد و چنداں ازان واقعۂ و ھولناک در ہول و ہرب بود کہ اندام مبارکش چوں سیماب ناب مترجرج بود و دو گوشوارہ ازلال درگوش داشت کہ ازلرزش سروتن اولرزاں بودبیروں از سرا پردۂ فرترساں و لرزاں بایستاد و بجانب شمال و یمین نگراں بود ہانی بن ثبیت براو حملہ کرد واو رازپائے درآوردہمانا علمائے احادیث نسب آں کودک شہید را مرقوم نداشة اند و آنچہ من بندہ فحص کردہ ام نام او عبداللہ بن الحسین است"

معلوم نہیں! اس "فحص" اور جستجو کی کیا قیمت ہو سکتی ہے جو نصوص و تصریحات کے بالکل خلاف ہے؟

33۔ علی اصغرؑ

ابن شہر آشوب نے شہدائے اہل بیتؑ کی فہرست میں اولاد امام حسین علیہ السلام کے ذیل میں علی الاکبرؑ کے بعد پھر علیؑ کا نام درج کیا ہے۔ اور اس کے بعد عبداللہؑ کو لکھا ہے کہ وہ آغوش پدر میں ذبح ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی اصغرؑ، عبداللہؑ کے علاوہ امامؑ کے کوئی فرزند تھے۔ اُنھوں نے علی اصغرؑ کی شہادت کی تفصیل ان الفاظ میں لکھی ہے کہ: "جناب علی اکبرؑ کی شہادت

کے بعد امام حسین علیہ السلام بالکل تنہا رہ گئے آپ کی گود میں اُس وقت علی اصغرؑ تھے۔ اس بچے کو ایک تیر لگا یا گیا جو بچے کے گلے پر پڑا امامؑ اُس کے خون کو گلو بریدہ سے لے لے کر آسمان کی طرف پھینکنے لگے اور فرماتے تھے" خداوندا! یہ بچہ تیرے نزدیک ناقۂ صالح سے کم نہ قرار پائے"

یہ واقعہ شہادت کا تقریباً وہی ہے جو آپ عبداللہؑ کے حالات میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:

"علی اصغر کہ ہنوز شش ماہ مدت افزوں نداشت تشنہ و گرسنہ می نالید چہ مادرش از شدت عطش شیر در پستان نداشت امام علیہ السلام فرمود فرزند من را بمن سپارید تا با وی وداع گویم وقماط آں طفل را بگرفت و اورا ببوسید و گفت:" ویل لهؤلاء القوم اذا كان جدك محمد خصمهم "یعنی وائے برایں قوم آنروز کہ جد تو محمد مصطفٰی باایشاں خصومت آغاز دو آں طفل را بیاورد و در برابر صف برافراشت"۔

گویا ہمی گفت: اے بارخدای! در گنجینۂ من جزایں گوہر بجائے نماندہ اورا نیز ہمی خواہم در راہ تو فدیہ کنم انگاہ باکوفیاں خطاب کرد کہ" اے شیعیان آل ابوسفیان اگر مرا گناہگار دانستہ اید بدیں کودک گناہے نتوانید بست اورا آب دہید کہ از شدت عطش شیر در پستان مادرش بخوشید" ہیچ کس در پاسخ نگفت حرملہ بن کاہل اسدی تیرے بسوئے او کشاد و آں تیر بر حلقوم علی اصغر آمد و درگذشت و خون رواں گشت، امامؑ کف بزیر آں خوں می داشت و چوں سرشار می شد بسوئی آسماں برمی افشاند امام محمد باقرؑ می فرماید:" ازاں خون قطرۂ بسوئے زمین بازنیامد" حسینؑ فرمود:" هون علي ما نزل بي انه بعين الله- یعنی آساں است برمن چندکہ ہدف سہام ایں دواہی باشم چہ خداوند ایں جملہ را نگراں است" ثم قال لا يكون اهون عليك من فصيل اللهم ان كنت حبست عنا النصر فاجعل ذلك لما هو خير لنا-عرض کرد: اے پروردگار! قتل طفل من

درنزد تو سہل تر از کشتن بچۂ ناقۂ صالح نیست اگر امروز باز داشتہ از ما فتح ونصرت را مارا پاداشی ازآں بہتر عنایت فرما اینوقت بروایت ابن جوزی که از علمائے اہل سنت وجماعت است ہاتفی ندا در داد دعه: "یا حسین! فانّ له مرضعة فی الجنة" یعنی اے حسین! دست ازیں کودک بازدار که در بہشت ازبرائی او مرضعی مقر است که اورا شیر دہد پس حسین بروایت صاحب عوالم بدن علی اصغر را با خون او براندود درشرح شافیه مسطور است که از اسپ فرو آمد و بر او نماز گذاشت وباپں غلاف تیغ حفرہ در زمین کرد واورا مدفون ساخت"

یہ واقعہ تقریباً وہی ہے جو شہادت جناب علی اصغرؑ کے سلسلے میں مشہور ومعروف ہے اور کثیر التعداد کتب مقاتل میں درج ہے۔ بیشک! زیارت شہداؑ اور بہت سی کتابوں میں جناب علی اصغرؑ کا نام شہدائے کربلاؑ میں نہیں ہے بلکہ عبداللہ الرضیعؑ کا نام ہے۔

ارباب مقاتل کی اس روایت کی صحت کی بنا پر یا تو یہ کہا جائے کہ عبداللہ الرضیعؑ کا نام علیؑ بھی ہے اور اس طرح دونوں روایتوں کو سمو کر ایک بنا لیا جائے یا یہ کہا جائے کہ عبداللہؑ اور علی اصغرؑ دو بچے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے ایک بوقت رخصت امامؑ کی گود میں اور ایک ہاتھوں پر طلب آب کے موقع پر۔ جیسا کہ ابن شہرآشوب کا مختار معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فہرست شہداؑ میں عبداللہ بن الحسینؑ اور علی اصغرؑ دونوں نام الگ الگ درج کیے ہیں۔

34۔ ابراہیم بن الحسینؑ

ابن شہرآشوب نے شہدائے کربلاؑ کی فہرست میں اولاد امام حسین علیہ السلام کی تعداد چھ لکھی ہے اور جناب علی اکبر علیہ السلام کے بعد ابراہیمؑ کا نام درج کیا ہے علامہ سید محسن عاملی نے بھی ان کے حوالے سے یہ نام درج کیا ہے۔

35۔ محمد بن الحسینؑ

ان کا نام بھی ابن شہر آشوب نے درج کیا ہے۔ اولادِ امام حسینؑ کی فہرست میں اُنھوں نے محمدؑ اور عبداللہ دونوں کو جناب ربابؑ کے بطن سے لکھا ہے۔

36۔ حمزۃ بن الحسینؑ

یہ بھی ابن شہر آشوب کی روایت ہے۔

37۔ جعفر بن الحسینؑ

فہرست شہدا میں ان کا نام بھی ابن شہر آشوب نے لکھا ہے

38۔ عمر بن الحسینؑ

ان کے نام کے ذکر میں بھی ابن شہر آشوب متفرد ہیں۔

39۔ زید بن الحسینؑ

یہ بھی ابن شہر آشوب کی فہرست میں شہدائے کربلاؑ کے ذیل میں مذکور ہیں۔

افسوس ہے کہ تمام معتبر ماخذ اور زیارت شہدا ان ناموں سے خالی ہیں۔ صرف ابن شہر آشوب کی روایت پر اعتماد اس باب میں مشکل ہے۔ پھر تفصیل کا بھی کچھ پتا نہیں کہ یہ صاحبزادے کم سن تھے یا جوان، لڑ کر شہید ہوئے یا بغیر لڑے شہید ہوئے۔

40۔ عبداللہ بن الحسنؑ

شیخ طوسیؒ نے اصحاب امام حسین علیہ السلام کے ذیل میں اُن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کربلا میں شہید ہوئے اُن کی والدہ کا نام ام الرباب بنت امرأ القیس بن عدی بن اوس بن جابر

بن کعب بن علیم تھا۔

نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جناب ربابؑ مادر سکینہؑ و عبداللہ الرضیع کی ہمشیرہ ہیں کیونکہ امرأالقیس اپنی تین دختروں کو اپنے ساتھ مدینہ لائے تھے۔

ان میں سے ایک کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کا عقد ہوا اور ایک کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کا عقد ہوا۔

جناب ربابؑ زوجۂ امام حسین علیہ السلام کے بطن سے سکینہؑ و عبداللہ الرضیع کی ولادت ہوئی اورام الربابؑ زوجۂ امام حسن علیہ السلام کے بطن سے عبداللہ بن الحسن علیہ السلام پیدا ہوئے۔

دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ جریر بن عبداللہ بجلی کی بھتیجی رملہ بنت شلیل بن عبداللہ تھیں۔ (تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۷۸)

طبری نے لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام زخموں سے چور ہو گئے تھے اور زمین پر تشریف لا چکے تھے اُس وقت ایک بچہ خیمے سے برآمد ہوا اور امامؑ کی طرف چلا۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اُس بچے کو روکنا چاہا اور امامؑ نے بھی فرمایا کہ: ''اے بہن بچے کو روکو آنے نہ دینا۔'' مگر بچہ کسی طرح نہ مانا اور وہ دوڑتا ہوا امامؑ کے پاس آ گیا۔ اس وقت بحر بن کعب بن عبید اللہ تیمی امامؑ پر تلوار کا وار کرنا چاہتا تھا۔

بچے نے کہا: ''یا ابن الخبیثة اتقتل عمّي''۔

''اے زن خبیثہ کے بیٹے! کیا تو میرے چچا کو قتل کریگا؟''

اُس نے تلوار لگائی۔ بچے نے تلوار کے وار کو اپنے ہاتھ پر روکا۔ وہ ہاتھ جلد کے آخری حصے تک کٹ گیا اور لٹکنے لگا۔ بچے نے آواز دی ''ارے میری ماں'' امام حسین علیہ السلام نے اُس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا کہ:

''اے میرے بھتیجے! صبر کر اس مصیبت پر اور اس کے بہتر نتیجے کا انتظار کر۔ تو بھی اب اپنے بزرگوں رسول اللہؐ، علی بن ابیطالبؑ، حمزہؑ، جعفرؑ اور حسن مجتبیٰؑ کی خدمت میں پہنچ جائے گا''۔

(طبری ج ۶ ص ۲۵۹)

یہ وہی واقعہ ہے جو عبداللہ بن الحسن علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں مشہور ہے مگر طبری میں نام نہیں ہے۔

علامہ مامقانی نے بیشک یہی واقعہ عبداللہ بن الحسنؑ کے نام کے ساتھ درج کیا ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ: "بچے کو امامؑ اپنے سینے سے لگائے رہے یہاں تک کہ آپؑ ہی کے آغوش میں اُس کی روح نے جسم سے مفارقت کی"۔

زیارت شہداؑ میں ہے:

- السلام علی عبد اللہ بن الحسن بن علی الزکی لعن اللہ قاتلہ ورامیہ حرملہ بن کاھل الاسدی"

اس میں عبداللہ کا قاتل حرملہ کو قرار دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے تیر لگایا۔ مشہور یہ ہے کہ ہاتھ قطع ہونے کے بعد جب امامؑ نے گلے سے لگایا تو حرملہ نے چلۂ کمان میں تیر جوڑ کر بچے کی طرف روانہ کیا اسی سے عبداللہؑ کی شہادت ہوئی۔

ابن شہر آشوب نے شہدائے کربلاؑ کی فہرست میں ان عبداللہ کا نام درج نہیں کیا ہے۔ بلکہ عبداللہ اکبر کا نام اور ان کی جنگ اور شہادت کا حال لکھا ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا۔ اولاد امام حسن علیہ السلام کے شہداؑ میں اُنھوں نے ابوبکرؓ اور عبداللہؓ اور قاسمؑ کے بعد لکھا ہے کہ: "بشر یا عمرو جو کمسن تھے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کا نام بشر یا عمرو تھا۔

41۔ محمد بن ابی سعید بن عقیلؓ

شیخ طوسیؒ نے رجال میں اصحاب امام حسین علیہ السلام میں درج کیا ہے۔ ابن داؤد نے بھی اُن کا نام لکھا ہے مگر "ابی" کا لفظ حذف کر دیا ہے اور "محمد بن سعید" نام تحریر کیا ہے۔

علامہ مامقانی کا بیان ہے کہ: "کتب سیر میں اُن کی عمر سات برس لکھی ہوئی ہے۔" کفایۃ الطالب میں حمید بن مسلم کی زبانی نقل کیا ہے کہ: "جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو

بچے اور دشمنوں نے خیام اہلبیتؑ پر ہجوم کیا اور اہل حرم میں تہلکہ برپا ہوا تو ایک بچہ خیمے سے نکلا جو گھبرا گھبرا کر دا ہنے اور بائیں نظر ڈال رہا تھا۔ ایک سوار نے اُس پر حملہ کیا اور تلوار سے اسے شہید کر ڈالا۔ میں نے تحقیق کی کہ اُس بچے کا نام کیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ محمد بن ابی سعید بن عقیل ہے۔ جس کی عمر سات برس تھی اور وہ سوار لقیط ابن ایاس جہنی تھا"۔

زیارت شہداؑ میں اُن کے قاتل کا نام لقیط ابن یاسر جہنی لکھا ہے۔

علامہ سید محسن عاملی نے بھی اس واقعے کو لکھا ہے۔ "اُنھوں نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ "بچے کے کانوں میں موتی تھے اور وہ اپنے ہاتھ میں خیمے کی ایک چوب لیے ہوئے تھا۔ ہانی بن ثبیت حضرمی نے اس پر حملہ کیا اور اسے شہید کر ڈالا۔ اُن کی والدہ شہر بانو دیکھ رہی تھیں اور وہ مدہوش ہو گئی تھیں کچھ بات نہ کرتی تھیں"۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۴۳)

آخری جزو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ عقیل کے پوتے کی والدہ شہر بانو ہو ہی نہیں سکتیں۔

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ: "محمد بن سعید بن عقیل نے جنگ کی۔ لقیط ابن یاسر جہنی نے ان کی پیشانی پر تیر لگایا اور وہ شہید ہوئے"۔

صاحب ناسخ نے بھی اُن کو مجاہدین میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ: "اسپ بر جہانید و فریضۂ جہاد بجائی آورد و لقیط بن یاسر الجہنی بزخم تیر بکشت"

ان کے بیانات اور خصوصاً زیارت شہداؑ میں ذکر کی بنا پر یہ تصدیق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ کی شہادت واقعۂ کربلا میں ہوئی ہے۔ مگر اس سے زیادہ آپ نے مطالعہ کیا کہ محل اختلاف ہے اور بالکل مشکوک ہے۔

اختتامی تبصرہ

میں نے شہدائے اہلبیتؑ کے اسما کے درج کرنے میں، بہت وسعت حوصلے سے کام لیا ہے اور ہر ایسے شہید کا نام درج کر دیا ہے جس کے متعلق کوئی بھی قابل لحاظ شہادت موجود ہے۔ مگر ضمناً اکثر شہیدوں کے حالات میں اختلاف خیال کا اظہار کر دیا ہے اور اپنی رائے لکھدی ہے۔

آخر میں چاہتا ہوں کہ بطور خلاصہ اُن حضرات کے اسماء درج کردوں جن کی شہادت واقعۂ کربلا میں میرے نزدیک ثابت ہے۔حالات ان کے سابق میں درج ہو چکے ہیں اور ترتیب بھی اصل کتاب سے ظاہر ہوگی۔

شہدائے اولاد امام حسینؓ

(۱) علی اکبرؓ　(۲) عبداللہ الرضیع

شہدائے اولاد امام حسنؓ

(۳) قاسمؓ　(۴) ابوبکرؓ

(۵) عبداللہؓ

شہدائے اولاد امیر المومنینؓ

(۶) حسینؓ　(۷) عباسؓ　(۸) عبداللہؓ

(۹) عثمانؓ　(۱۰) جعفرؓ　(۱۱) محمدؓ

شہدائے اولاد جعفرؓ

(۱۲) عونؓ　(۱۳) محمدؓ۔فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ۔

شہدائے اولاد عقیلؓ

(۱۴) عبداللہؓ　(۱۵) محمدؓ فرزندان مسلم بن عقیلؓ

(۱۶) جعفر بن عقیلؓ　(۱۷) عبدالرحمٰن بن عقیلؓ

(۱۸) محمد بن ابی سعید بن عقیلؓ

یہ وہ شہداء ہیں جن کی شہادت بظاہر یقینی ہے۔

اکثر کتابوں میں بنی ہاشم جو واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے۔ اُن کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے۔ اس صورت میں یہ فہرست غالباً بالکل صحیح ہے

صاحب مناقب نے لکھا ہے کہ: ''اکثر علما شہدائے بنی ہاشم کی تعداد (۲۷) قرار دیتے ہیں۔'' اس قول کی بنا پر یہ فہرست ابھی ناقص ہے اور ممکن ہے بہت سے وہ نام جو پہلے درج ہو چکے ہیں مگر ان کے متعلق کافی شواہد موجود نہیں ہیں واقعاً صحیح ہوں اور وہ بھی شہدائے کربلاؐ میں درج ہوں۔

والسلام
علی نقی النقوی عفی عنہ
۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

زیارت ناحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

(١) اَلسَّلَامُ عَلٰى اٰدَمَ صَفْوَةِ اللّٰهِ مِنْ خَلِيْقَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى شَيْثٍ وَلِيِّ اللّٰهِ وَ خِيَرَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى اِدْرِيْسَ الْقَائِمِ لِلّٰهِ بِحُجَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى نُوْحٍ الْمُجَابِ فِيْ دَعْوَتِهٖ. (٢) اَلسَّلَامُ عَلٰى هُوْدٍ الْمَمْدُوْدِ مِنَ اللّٰهِ بِمَعُوْنَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى صَالِحٍ الَّذِيْ تَوَّجَهُ اللّٰهُ بِكَرَامَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ حَبَاهُ اللّٰهُ بِخُلَّتِهٖ. (٣) اَلسَّلَامُ عَلٰى اِسْمٰعِيْلَ الَّذِيْ فَدَاهُ اللّٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ مِنْ جَنَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى اِسْحَاقَ الَّذِيْ جَعَلَ اللّٰهُ النُّبُوَّةَ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى يَعْقُوْبَ الَّذِيْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهٗ بِرَحْمَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى يُوْسُفَ الَّذِيْ نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنَ الْجُبِّ بِعَظَمَتِهٖ. (٤) اَلسَّلَامُ عَلٰى مُوْسَى الَّذِيْ فَلَقَ اللّٰهُ الْبَحْرَ لَهٗ بِقُدْرَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى هَارُوْنَ الَّذِيْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِنُبُوَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى شُعَيْبٍ الَّذِيْ نَصَرَهُ اللّٰهُ عَلٰى اُمَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى دَاوٗدَ الَّذِيْ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنْ بَعْدِ خَطِيْئَتِهٖ. (٥) اَلسَّلَامُ عَلٰى سُلَيْمَانَ الَّذِيْ ذَلَّتْ لَهُ الْجِنُّ بِعِزَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَيُّوْبَ الَّذِيْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ عِلَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى يُوْنُسَ الَّذِيْ اَنْجَزَ اللّٰهُ مَضْمُوْنَ عِدَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى عُزَيْرٍ الَّذِيْ اَحْيَاهُ اللّٰهُ بَعْدَ مَيْتَتِهٖ. (٦) اَلسَّلَامُ عَلٰى زَكَرِيَّا الصَّابِرِ فِيْ مِحْنَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى يَحْيَى الَّذِيْ اَزْلَفَهُ اللّٰهُ بِشَهَادَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى عِيْسٰى رُوْحِ اللّٰهِ وَ كَلِمَتِهٖ. (٧) اَلسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَبِيْبِ اللّٰهِ وَ صَفْوَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ الْمَخْصُوْصِ بِاُخُوَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ ابْنَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَصِيِّ اَبِيْهِ وَ خَلِيْفَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَى الْحُسَيْنِ الَّذِيْ سَمَحَتْ نَفْسُهٗ بِمُهْجَتِهٖ. (٨) اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ فِيْ سِرِّهٖ وَ عَلَانِيَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ جَعَلَ اللّٰهُ الشِّفَاءَ فِيْ تُرْبَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ الْاِجَابَةُ تَحْتَ قُبَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ الْاَئِمَّةُ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ. (٩) اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ سَيِّدِ الْاَوْصِيَاءِ اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ جَنَّةِ الْمَاْوٰى اَلسَّلَامُ عَلَى ابْنِ زَمْزَمَ وَ الصَّفَا. (١٠) اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُرَمَّلِ بِالدِّمَاءِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمَهْتُوْكِ الْخِبَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى خَامِسِ اَصْحَابِ اَهْلِ الْكِسَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى غَرِيْبِ الْغُرَبَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى شَهِيْدِ الشُّهَدَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى قَتِيْلِ الْاَدْعِيَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى سَاكِنِ كَرْبَلَاءَ. (١١) اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ بَكَتْهُ مَلٰٓئِكَةُ السَّمَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ ذُرِّيَّتُهُ الْاَزْكِيَاءُ اَلسَّلَامُ عَلٰى يَعْسُوْبِ الدِّيْنِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنَازِلِ الْبَرَاهِيْنِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْاَئِمَّةِ السَّادَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْجُيُوْبِ الْمُضَرَّجَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الشِّفَاهِ الذَّابِلَاتِ. (١٢) اَلسَّلَامُ عَلَى النُّفُوْسِ الْمُصْطَلَمَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْاَرْوَاحِ الْمُخْتَلَسَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْاَجْسَادِ الْعَارِيَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْجُسُوْمِ الشَّاحِبَاتِ. (١٣) اَلسَّلَامُ عَلَى الدِّمَاءِ السَّائِلَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْاَعْضَاءِ الْمُقَطَّعَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى الرُّؤُوْسِ

الْمَثُلَاتِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى النِّسْوَةِ الْبَارِزَاتِ۔ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى حُجَّةِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى
آبَائِكَ الطَّاهِرِينَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى أَبْنَائِكَ الْمُسْتَشْهَدِينَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى ذُرِّيَّتِكَ
النَّاصِرِينَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُضَاجِعِينَ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى الْقَتِيلِ الْمَظْلُومِ۔ اَلسَّلَامُ
عَلَى أَخِيهِ الْمَسْمُومِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى عَلِيٍّ الْكَبِيرِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى الرَّضِيعِ الصَّغِيرِ۔ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى الْأَبْدَانِ
السَّلِيبَةِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى الْعِتْرَةِ الْقَرِيبَةِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُجَدَّلِينَ فِي الْفَلَوَاتِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّازِحِينَ
عَنِ الْأَوْطَانِ۔ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمَدْفُونِينَ بِلَا أَكْفَانٍ اَلسَّلَامُ عَلَى الرُّؤُوسِ الْمُفَرَّقَةِ عَنِ الْأَبْدَانِ
اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُحْتَسِبِ الصَّابِرِ۔ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمَظْلُومِ بِلَا نَاصِرٍ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى سَاكِنِ التُّرْبَةِ
الزَّاكِيَةِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى صَاحِبِ الْقُبَّةِ السَّامِيَةِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى مَنْ طَهَّرَهُ الْجَلِيلُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى مَنِ افْتَخَرَ
بِهِ جِبْرَائِيلُ اَلسَّلَامُ عَلَى مَنْ نَاغَاهُ فِي الْمَهْدِ مِيكَائِيلُ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى مَنْ نُكِثَتْ ذِمَّتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَى
مَنْ هُتِكَتْ حُرْمَتُهُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَى مَنْ أُرِيقَ بِالظُّلْمِ دَمُهُ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُغَسَّلِ بِدَمِ الْجِرَاحِ اَلسَّلَامُ
عَلَى الْمُجَرَّعِ بِكَأْسَاتِ الرِّمَاحِ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُضَامِ الْمُسْتَبَاحِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمَنْحُورِ فِي
الْوَرَى اَلسَّلَامُ عَلَى مَنْ دَفَنَهُ أَهْلُ الْقُرَى اَلسَّلَامُ عَلَى الْمَقْطُوعِ الْوَتِينِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُحَامِي
بِلَا مُعِينٍ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَى الشَّيْبِ الْخَضِيبِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْخَدِّ التَّرِيبِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْبَدَنِ السَّلِيبِ
اَلسَّلَامُ عَلَى الثَّغْرِ الْمَقْرُوعِ بِالْقَضِيبِ اَلسَّلَامُ عَلَى الرَّأْسِ الْمَرْفُوعِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْأَجْسَامِ
الْعَارِيَةِ فِي الْفَلَوَاتِ۔ تَنْهَشُهَا الذِّئَابُ الْعَادِيَاتُ، وَ تَخْتَلِفُ إِلَيْهَا السِّبَاعُ الضَّارِيَاتُ۔ ۞ اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ يَا مَوْلَايَ وَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمَرْفُوفِينَ حَوْلَ قُبَّتِكَ الْحَافِّينَ بِتُرْبَتِكَ الطَّائِفِينَ بِعَرْصَتِكَ
الْوَارِدِينَ لِزِيَارَتِكَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ فَإِنِّي قَصَدْتُ إِلَيْكَ وَ رَجَوْتُ الْفَوْزَ لَدَيْكَ۔ ۞ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ
سَلَامَ الْعَارِفِ بِحُرْمَتِكَ الْمُخْلِصِ فِي وِلَايَتِكَ الْمُتَقَرِّبِ إِلَى اللّٰهِ بِمَحَبَّتِكَ الْبَرِيءِ مِنْ أَعْدَائِكَ
سَلَامَ مَنْ قَلْبُهُ بِمُصَابِكَ مَقْرُوحٌ وَ دَمْعُهُ عِنْدَ ذِكْرِكَ مَسْفُوحٌ سَلَامَ الْمَفْجُوعِ الْحَزِينِ الْوَالِهِ
الْمُسْتَكِينِ۔ ۞ سَلَامَ مَنْ لَوْ كَانَ مَعَكَ بِالطُّفُوفِ لَوَقَاكَ بِنَفْسِهِ حَدَّ السُّيُوفِ، وَ بَذَلَ حُشَاشَتَهُ
دُونَكَ لِلْحُتُوفِ، وَ جَاهَدَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَ نَصَرَكَ عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيْكَ، وَ فَدَاكَ بِرُوحِهِ وَ جَسَدِهِ وَ مَالِهِ وَ
وَلَدِهِ وَ رُوحُهُ لِرُوحِكَ فِدَاءٌ، وَ أَهْلُهُ لِأَهْلِكَ وِقَاءٌ۔ ۞ فَلَئِنْ أَخَّرَتْنِي الدُّهُورُ، وَ عَاقَنِي عَنْ نَصْرِكَ
الْمَقْدُورُ، وَ لَمْ أَكُنْ لِمَنْ حَارَبَكَ مُحَارِبًا، وَ لِمَنْ نَصَبَ لَكَ الْعَدَاوَةَ مُنَاصِبًا، فَلَأَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَ
مَسَاءً، وَ لَأَبْكِيَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّمُوعِ دَمًا، حَسْرَةً عَلَيْكَ، وَ تَأَسُّفًا عَلَى مَا دَهَاكَ وَ تَلَهُّفًا، حَتَّى أَمُوتَ
بِلَوْعَةِ الْمُصَابِ، وَ غُصَّةِ الْاِكْتِئَابِ۔ ۞ أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَ آتَيْتَ الزَّكَاةَ وَ أَمَرْتَ
بِالْمَعْرُوفِ، وَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْعُدْوَانِ، وَ أَطَعْتَ اللّٰهَ وَ مَا عَصَيْتَهُ، وَ تَمَسَّكْتَ بِهِ وَ بِحَبْلِهِ فَأَرْضَيْتَهُ
وَ خَشِيتَهُ وَ رَاقَبْتَهُ وَ اسْتَجَبْتَهُ۔ ۞ وَ سَنَنْتَ السُّنَنَ، وَ أَطْفَأْتَ الْفِتَنَ، وَ دَعَوْتَ إِلَى الرَّشَادِ، وَ
أَوْضَحْتَ سُبُلَ السَّدَادِ، وَ جَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ الْجِهَادِ۔ ۞ وَ كُنْتَ لِلّٰهِ طَائِعًا، وَ لِجَدِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَآلِهِ كَاظِمًا، وَلِقَوْلِ أَبِيكَ سَامِعًا، وَإِلَى وَصِيَّةِ أَخِيكَ مُسَارِعًا، وَلِعِمَادِ الدِّينِ رَافِعًا، وَلِلطُّغْيَانِ قَامِعًا،
وَلِلطُّغَاةِ مُقَارِعًا، وَلِلْأُمَّةِ نَاصِحًا، ۞ وَفِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ سَابِحًا، وَلِلْفُسَّاقِ مُكَافِحًا، وَبِحُجَجِ اللهِ قَائِمًا، وَ
لِلْإِسْلَامِ وَلِلْمُسْلِمِينَ رَاحِمًا، وَلِلْحَقِّ نَاصِرًا، وَعِنْدَ الْبَلَاءِ صَابِرًا، وَلِلدِّينِ كَالِئًا، وَعَنْ حَوْزَتِهِ مُرَامِيًا،
۞ تَحُوطُ الْهُدَى وَتَنْصُرُهُ، وَتَبْسُطُ الْعَدْلَ وَتَنْشُرُهُ، وَتَنْصُرُ الدِّينَ وَتُظْهِرُهُ، وَتَكُفُّ الْعَابِثَ وَتَزْجُرُهُ،
وَتَأْخُذُ لِلدَّنِيِّ مِنَ الشَّرِيفِ، وَتُسَاوِي فِي الْحُكْمِ بَيْنَ الْقَوِيِّ وَالضَّعِيفِ، ۞ كُنْتَ رَبِيعَ الْأَيْتَامِ، وَ
عِصْمَةَ الْأَنَامِ، وَعِزَّ الْإِسْلَامِ، وَمَعْدِنَ الْأَحْكَامِ، وَحَلِيفَ الْإِنْعَامِ، سَالِكًا طَرَائِقَ جَدِّكَ وَأَبِيكَ،
مُشْبِهًا فِي الْوَصِيَّةِ لِأَخِيكَ، ۞ وَفِيَّ الذِّمَمِ، رَضِيَّ الشِّيَمِ، ظَاهِرَ الْكَرَمِ، مُتَهَجِّدًا فِي الظُّلَمِ، قَوِيمَ
الطَّرَائِقِ، كَرِيمَ الْخَلَائِقِ، عَظِيمَ السَّوَابِقِ، شَرِيفَ النَّسَبِ، مُنِيفَ الْحَسَبِ، رَفِيعَ الرُّتَبِ، كَثِيرَ
الْمَنَاقِبِ، مَحْمُودَ الضَّرَائِبِ، جَزِيلَ الْمَوَاهِبِ، حَلِيمٌ رَشِيدٌ مُنِيبٌ، جَوَادٌ عَلِيمٌ شَدِيدٌ، إِمَامٌ شَهِيدٌ،
أَوَّاهٌ مُنِيبٌ، حَبِيبٌ مَهِيبٌ، ۞ كُنْتَ لِلرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَلَدًا، وَلِلْقُرْآنِ سَنَدًا، وَلِلْأُمَّةِ
عَضُدًا، وَفِي الطَّاعَةِ مُجْتَهِدًا، حَافِظًا لِلْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ، نَاكِبًا عَنْ سُبُلِ الْفُسَّاقِ، بَاذِلًا لِلْمَجْهُودِ، طَوِيلَ
الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، ۞ زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا زُهْدَ الرَّاحِلِ عَنْهَا، نَاظِرًا إِلَيْهَا بِعَيْنِ الْمُسْتَوْحِشِينَ مِنْهَا،
آمَالُكَ عَنْهَا مَكْفُوفَةٌ، وَهِمَّتُكَ عَنْ زِينَتِهَا مَصْرُوفَةٌ، وَأَلْحَاظُكَ عَنْ بَهْجَتِهَا مَطْرُوفَةٌ، وَرَغْبَتُكَ فِي
الْآخِرَةِ مَعْرُوفَةٌ، حَتَّى إِذَا الْجَوْرُ مَدَّ بَاعَهُ، وَأَسْفَرَ الظُّلْمُ قِنَاعَهُ، وَدَعَا الْغَيُّ أَتْبَاعَهُ، وَأَنْتَ فِي حَرَمِ جَدِّكَ
قَاطِنٌ، وَلِلظَّالِمِينَ مُبَايِنٌ، جَلِيسُ الْبَيْتِ وَالْمِحْرَابِ، مُعْتَزِلٌ عَنِ اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ، تُنْكِرُ
الْمُنْكَرَ بِقَلْبِكَ وَلِسَانِكَ عَلَى حَسَبِ طَاقَتِكَ وَإِمْكَانِكَ، ۞ ثُمَّ اقْتَضَاكَ الْعِلْمُ لِلْإِنْكَارِ، وَلَزِمَكَ
أَنْ تُجَاهِدَ الْفُجَّارَ، فَسِرْتَ فِي أَوْلَادِكَ وَأَهَالِيكَ، وَشِيعَتِكَ وَمَوَالِيكَ، وَصَدَعْتَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَةِ، وَ
دَعَوْتَ إِلَى اللهِ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، فَأَمَرْتَ بِإِقَامَةِ الْحُدُودِ، وَالطَّاعَةِ لِلْمَعْبُودِ، وَنَهَيْتَ عَنِ
الْخَبَائِثِ وَالطُّغْيَانِ، وَوَاجَهُوكَ بِالظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ، ۞ فَجَاهَدْتَهُمْ بَعْدَ الْإِيعَازِ لَهُمْ، وَتَأْكِيدِ الْحُجَّةِ
عَلَيْهِمْ، فَنَكَثُوا ذِمَامَكَ وَبَيْعَتَكَ، وَأَسْخَطُوا رَبَّكَ وَجَدَّكَ، وَبَدَؤُوكَ بِالْحَرْبِ، فَثَبَتَّ لِلطَّعْنِ وَ
الضَّرْبِ، وَطَحَنْتَ جُنُودَ الْفُجَّارِ، وَاقْتَحَمْتَ قَسْطَلَ الْغُبَارِ، مُجَالِدًا بِذِي الْفَقَارِ، كَأَنَّكَ عَلِيٌّ الْمُخْتَارُ،
۞ فَلَمَّا رَأَوْكَ ثَابِتَ الْجَأْشِ، غَيْرَ خَائِفٍ وَلَا خَاشٍ، نَصَبُوا لَكَ غَوَائِلَ مَكْرِهِمْ، وَقَاتَلُوكَ بِكَيْدِهِمْ وَ
شَرِّهِمْ، وَأَمَرَ اللَّعِينُ جُنُودَهُ، فَمَنَعُوكَ الْمَاءَ وَوُرُودَهُ، وَنَاجَزُوكَ الْقِتَالَ، وَعَاجَلُوكَ النِّزَالَ، وَ
رَشَقُوكَ بِالسِّهَامِ وَالنِّبَالِ، وَبَسَطُوا إِلَيْكَ أَكُفَّ الْاِصْطِلَامِ، ۞ وَلَمْ يَرْعَوْا لَكَ ذِمَامًا، وَلَا رَاقَبُوا
فِيكَ آثَامًا، فِي قَتْلِهِمْ أَوْلِيَاءَكَ، وَنَهْبِهِمْ رِحَالَكَ، وَأَنْتَ مُقَدَّمٌ فِي الْهَبَوَاتِ، وَمُحْتَمِلٌ لِلْأَذِيَّاتِ، قَدْ
عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاوَاتِ، ۞ فَأَحْدَقُوا بِكَ مِنْ كُلِّ الْجِهَاتِ، وَأَثْخَنُوكَ بِالْجِرَاحِ، وَحَالُوا
بَيْنَكَ وَبَيْنَ الرَّوَاحِ، وَلَمْ يَبْقَ لَكَ نَاصِرٌ، وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، تَذُبُّ عَنْ نِسْوَتِكَ وَأَوْلَادِكَ، ۞ حَتَّى
نَكَسُوكَ عَنْ جَوَادِكَ، فَهَوَيْتَ إِلَى الْأَرْضِ جَرِيحًا، تَطَؤُكَ الْخُيُولُ بِحَوَافِرِهَا، وَتَعْلُوكَ الطُّغَاةُ بِبَوَاتِرِهَا،

۞ قَدْ رَشَحَ لِلْمَوْتِ جَبِينُكَ، وَ اخْتَلَفَتْ بِالْاِنْقِبَاضِ وَ الْاِنْبِسَاطِ شِمَالُكَ وَ يَمِينُكَ، تُدِيرُ طَرْفًا خَفِيًّا إِلَى رَحْلِكَ وَ بَيْتِكَ، وَ قَدْ شُغِلْتَ بِنَفْسِكَ عَنْ وُلْدِكَ وَ أَهَالِيكَ، وَ أَسْرَعَ فَرَسُكَ شَارِدًا، إِلَى خِيَامِكَ قَاصِدًا، مُحَمْحِمًا بَاكِيًا. ۞ فَلَمَّا رَأَيْنَ النِّسَاءُ جَوَادَكَ مَخْزِيًّا، وَ نَظَرْنَ سَرْجَكَ عَلَيْهِ مَلْوِيًّا، بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُورِ، نَاشِرَاتِ الشُّعُورِ عَلَى الْخُدُودِ لَاطِمَاتِ الْوُجُوهِ سَافِرَاتٍ، وَ بِالْعَوِيلِ دَاعِيَاتٍ، وَ بَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ، وَ إِلَى مَصْرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ. ۞ وَ الشِّمْرُ جَالِسٌ عَلَى صَدْرِكَ، وَ مُولِغٌ سَيْفَهُ عَلَى نَحْرِكَ، قَابِضٌ عَلَى شَيْبَتِكَ بِيَدِهِ، ذَابِحٌ لَكَ بِمُهَنَّدِهِ، قَدْ سَكَنَتْ حَوَاسُّكَ، وَ خَفِيَتْ أَنْفَاسُكَ، وَ رُفِعَ عَلَى الْقَنَاةِ رَأْسُكَ، وَ سُبِيَ أَهْلُكَ كَالْعَبِيدِ، وَ صُفِّدُوا فِي الْحَدِيدِ، ۞ فَوْقَ أَقْتَابِ الْمَطِيَّاتِ، تَلْفَحُ وُجُوهَهُمْ حَرُّ الْهَاجِرَاتِ، يُسَاقُونَ فِي الْبَرَارِي وَ الْفَلَوَاتِ، أَيْدِيهِمْ مَغْلُولَةٌ إِلَى الْأَعْنَاقِ، يُطَافُ بِهِمْ فِي الْأَسْوَاقِ، ۞ فَالْوَيْلُ لِلْعُصَاةِ الْفُسَّاقِ، لَقَدْ قَتَلُوا بِقَتْلِكَ الْإِسْلَامَ، وَ عَطَّلُوا الصَّلَاةَ وَ الصِّيَامَ، وَ نَقَضُوا السُّنَنَ وَ الْأَحْكَامَ، وَ هَدَمُوا قَوَاعِدَ الْإِيمَانِ، وَ حَرَّفُوا آيَاتِ الْقُرْآنِ، وَ هَمْلَجُوا فِي الْبَغْيِ وَ الْعُدْوَانِ، ۞ لَقَدْ أَصْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ مِنْ أَجْلِكَ مَوْتُورًا، وَ عَادَ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ مَهْجُورًا، وَ غُودِرَ الْحَقُّ إِذْ قُهِرْتَ مَقْهُورًا، ۞ وَ فُقِدَ بِفَقْدِكَ التَّكْبِيرُ وَ التَّهْلِيلُ، وَ التَّحْرِيمُ وَ التَّحْلِيلُ، وَ التَّنْزِيلُ وَ التَّأْوِيلُ، وَ ظَهَرَ بَعْدَكَ التَّغْيِيرُ وَ التَّبْدِيلُ، وَ الْإِلْحَادُ وَ التَّعْطِيلُ، وَ الْأَهْوَاءُ وَ الْأَضَالِيلُ، وَ الْفِتَنُ وَ الْأَبَاطِيلُ، ۞ فَقَامَ نَاعِيكَ عِنْدَ قَبْرِ جَدِّكَ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ فَنَعَاكَ إِلَيْهِ بِالدَّمْعِ الْهَطُولِ، قَائِلًا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُتِلَ سِبْطُكَ وَ فَتَاكَ، وَ اسْتُبِيحَ أَهْلُكَ وَ حِمَاكَ، وَ سُبِيَتْ بَعْدَكَ ذَرَارِيكَ، وَ وَقَعَ الْمَحْذُورُ بِعِتْرَتِكَ وَ ذَوِيكَ، ۞ فَانْزَعَجَ الرَّسُولُ، وَ بَكَى قَلْبُهُ الْمَهُولُ، وَ عَزَّاهُ بِكَ الْمَلَائِكَةُ وَ الْأَنْبِيَاءُ، وَ فُجِعَتْ بِكَ أُمُّكَ الزَّهْرَاءُ، وَ اخْتَلَفَتْ جُنُودُ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ، تُعَزِّي أَبَاكَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، وَ أُقِيمَتْ لَكَ الْمَآتِمُ فِي أَعْلَى عِلِّيِّينَ، وَ لَطَمَتْ عَلَيْكَ الْحُورُ الْعِينُ، ۞ وَ بَكَتِ السَّمَاءُ وَ سُكَّانُهَا، وَ الْجِنَانُ وَ خُزَّانُهَا، وَ الْهِضَابُ وَ أَقْطَارُهَا، وَ الْبِحَارُ وَ حِيتَانُهَا، وَ مَكَّةُ وَ بُنْيَانُهَا، وَ الْجِنَانُ وَ وِلْدَانُهَا، وَ الْبَيْتُ وَ الْمَقَامُ، وَ الْمَشْعَرُ الْحَرَامُ، وَ الْحِلُّ وَ الْإِحْرَامُ، ۞ اَللّٰهُمَّ فَبِحُرْمَةِ هٰذَا الْمَكَانِ الْمُنِيفِ، صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ، وَ احْشُرْنِي فِي زُمْرَتِهِمْ، وَ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِمْ، ۞ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ يَا أَسْرَعَ الْحَاسِبِينَ، وَ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، وَ يَا أَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ، بِمُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ، رَسُولِكَ إِلَى الْعَالَمِينَ أَجْمَعِينَ، ۞ وَ بِأَخِيهِ وَ ابْنِ عَمِّهِ الْأَنْزَعِ الْبَطِينِ، الْعَالِمِ الْمَكِينِ، عَلِيٍّ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَ بِفَاطِمَةَ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ، وَ بِالْحَسَنِ الزَّكِيِّ عِصْمَةِ الْمُتَّقِينَ، وَ بِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ أَكْرَمِ الْمُسْتَشْهَدِينَ، وَ بِأَوْلَادِهِ الْمَقْتُولِينَ، وَ بِعِتْرَتِهِ الْمَظْلُومِينَ، وَ بِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ زَيْنِ الْعَابِدِينَ، ۞ وَ بِمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ قِبْلَةِ الْأَوَّابِينَ، وَ بِجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَصْدَقِ الصَّادِقِينَ، وَ بِمُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ مُظْهِرِ الْبَرَاهِينِ، وَ بِعَلِيِّ بْنِ مُوسَى نَاصِرِ الدِّينِ، وَ بِمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ قُدْوَةِ الْمُهْتَدِينَ، وَ بِعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ أَزْهَدِ الزَّاهِدِينَ، وَ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَارِثِ الْمُسْتَخْلَفِينَ، وَ بِالْحُجَّةِ عَلَى الْخَلْقِ أَجْمَعِينَ، أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ، الصَّادِقِينَ الْأَبَرِّينَ، آلِ طٰهٰ وَ يٰسٓ، وَ أَنْ

تَجْعَلَنِي فِي الْقِيَامَةِ مِنَ الْآمِنِينَ الْمُطْمَئِنِّينَ الْفَائِزِينَ الْفَرِحِينَ الْمُسْتَبْشِرِينَ ۞ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْنِي فِي الْمُسْلِمِينَ وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ وَانْصُرْنِي عَلَى الْبَاغِينَ وَاكْفِنِي كَيْدَ الْحَاسِدِينَ وَاصْرِفْ عَنِّي مَكْرَ الْمَاكِرِينَ وَاقْبِضْ عَنِّي أَيْدِيَ الظَّالِمِينَ وَاجْمَعْ بَيْنِي وَبَيْنَ السَّادَةِ الْمَيَامِينِ فِي أَعْلَى عِلِّيِّينَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۞ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُقْسِمُ عَلَيْكَ بِنَبِيِّكَ الْمَعْصُومِ وَبِحُكْمِكَ الْمَحْتُومِ وَنَهْيِكَ الْمَكْتُومِ وَبِهٰذَا الْقَبْرِ الْمَلْمُومِ الْمُوَسَّدِ فِي كَنَفِهِ الْإِمَامُ الْمَعْصُومُ الْمَقْتُولُ الْمَظْلُومُ أَنْ تَكْشِفَ مَا بِي مِنَ الْغُمُومِ وَتَصْرِفَ عَنِّي شَرَّ الْقَدَرِ الْمَحْتُومِ وَتُجِيرَنِي مِنَ النَّارِ ذَاتِ السَّمُومِ ۞ اَللّٰهُمَّ جَلِّلْنِي بِنِعْمَتِكَ وَرَضِّنِي بِقَسْمِكَ وَتَغَمَّدْنِي بِجُودِكَ وَكَرَمِكَ وَبَاعِدْنِي مِنْ مَكْرِكَ وَنِقْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الزَّلَلِ وَسَدِّدْنِي فِي الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَافْسَحْ لِي فِي مُدَّةِ الْأَجَلِ وَاعْفِنِي مِنَ الْأَوْجَاعِ وَالْعِلَلِ وَبَلِّغْنِي بِمَوَالِيَّ وَبِفَضْلِكَ أَفْضَلَ الْأَمَلِ ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَاقْبَلْ تَوْبَتِي وَارْحَمْ عَبْرَتِي وَأَقِلْنِي عَثْرَتِي وَنَفِّسْ كُرْبَتِي وَاغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۞ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لِي فِي هٰذَا الْمَشْهَدِ الْمُعَظَّمِ وَالْمَحَلِّ الْمُكَرَّمِ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا عَيْبًا إِلَّا سَتَرْتَهُ وَلَا غَمًّا إِلَّا كَشَفْتَهُ وَلَا رِزْقًا إِلَّا بَسَطْتَهُ وَلَا جَاهًا إِلَّا عَمَرْتَهُ وَلَا فَسَادًا إِلَّا أَصْلَحْتَهُ وَلَا أَمَلًا إِلَّا بَلَّغْتَهُ وَلَا دُعَاءً إِلَّا أَجَبْتَهُ وَلَا مَضِيقًا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا شَمْلًا إِلَّا جَمَعْتَهُ ۞ وَلَا أَمْرًا إِلَّا أَتْمَمْتَهُ وَلَا مَالًا إِلَّا كَثَّرْتَهُ وَلَا خُلُقًا إِلَّا حَسَّنْتَهُ وَلَا إِنْفَاقًا إِلَّا أَخْلَفْتَهُ وَلَا حَالًا إِلَّا عَمَرْتَهُ وَلَا سُوءًا إِلَّا أَصْلَحْتَهُ وَلَا حَسُودًا إِلَّا قَمَعْتَهُ وَلَا عَدُوًّا إِلَّا أَرْدَيْتَهُ وَلَا شَرًّا إِلَّا كَفَيْتَهُ وَلَا مَرَضًا إِلَّا شَفَيْتَهُ وَلَا بَعِيدًا إِلَّا أَدْنَيْتَهُ وَلَا شَعَثًا إِلَّا لَمَمْتَهُ وَلَا سُؤْلًا إِلَّا أَعْطَيْتَهُ ۞ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْعَاجِلَةِ وَثَوَابَ الْآجِلَةِ اَللّٰهُمَّ أَغْنِنِي بِحَلَالِكَ عَنِ الْحَرَامِ وَبِفَضْلِكَ عَنْ جَمِيعِ الْأَنَامِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَقَلْبًا خَاشِعًا وَيَقِينًا شَافِيًا وَعَمَلًا زَاكِيًا وَصَبْرًا جَمِيلًا وَأَجْرًا جَزِيلًا ۞ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شُكْرَ نِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَزِدْ فِي إِحْسَانِكَ وَكَرَمِكَ إِلَيَّ وَاجْعَلْ قَوْلِي فِي النَّاسِ مَسْمُوعًا وَعَمَلِي عِنْدَكَ مَرْفُوعًا وَأَثَرِي فِي الْخَيْرَاتِ مَتْبُوعًا وَعَدُوِّي مَقْمُوعًا ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ الْأَخْيَارِ فِي آنَاءِ اللَّيْلِ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ وَاكْفِنِي شَرَّ الْأَشْرَارِ وَطَهِّرْنِي مِنَ الذُّنُوبِ وَالْأَوْزَارِ وَأَجِرْنِي مِنَ النَّارِ وَأَحِلَّنِي دَارَ الْقَرَارِ وَاغْفِرْ لِي وَلِجَمِيعِ إِخْوَانِي فِيكَ وَأَخَوَاتِيَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِرَحْمَتِكَ وَكَرَمِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

maablib.org

ملنے کا پتا:

رحمت اللہ بک ایجنسی

کاغذی بازار بالمقابل بڑا امام بارگاہ میٹھادر کراچی ۷۴۰۰۰

فون نمبر 32440803-32431577

موبائل: 0332-3670828, 0314-2056416